Marfat.com

Marfat.com

DATA ENTERED

فکرِ درویش

پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

297.62
ع 58 ق
114880

297.4 Muhammad Abdullah Bhatti, Prof.
Fiker-e Darwaish/ Prof. Muhammad Abdullah Bhatti.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2013.
304pp.
1. Islam - Sufism.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے با قاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

2013ء

نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-2661-9
ISBN-13: 978-969-35-2661-5

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

Marfat.com

اُن لمحوں کے نام جو سرورِ کونین ﷺ نے
تلاشِ حق کیلئے غارِ حرا میں گزارے اور جہاں پہلی
وحی نازل ہوئی۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟ 7
قہرِ درویش بر جانِ درویش 11
یہ میرے بس سے باہر ہے 14
راہِ سلوک کا مسافر 15
خُدا کو 'مضبوط' بنانے کی کوشش 17
یہ ایک کتاب نہیں ملاقات بھی ہے 20
فکرِ درویش اور فقرِ درویش 22
تقریظ 24
جسے راستہ مل گیا 26
فکرِ درویش 29
حرفِ آغاز 34
مسافت 37
راہِ سلوک کی مسافت 40
راہِ سلوک کی منازل 44

Marfat.com

تصوف کیا ہے؟	60
تصوف قرنِ اوّل میں	77
بعد کی صورتِ حال	82
صوفیا کی سیاسی خدمات	86
صوفیائے کرام کی علمی خدمات	92
صوفی کی تعریف	93
طریقت	98
حصولِ علم کے 5 دروازے	111
اسلام اور تصوف	120
اعتراضات	126
امیری نہیں فقیری	143
مرشد ہی کیوں؟	157
انسان کا روحانی سفر نامہ	191
مطلوب و مقصود مومن	200
نورِ تکلم	206
بیا بہ مجلس اقبال یک دو ساغر کش	283

Marfat.com

ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟

سچی بات یہ ہے کہ میں ایک گنہگار شخص ہوں، عبادات میں بھی کوتاہی کرتا ہوں اور مجھ میں وہ بعض معاشرتی خرابیاں بھی موجود ہیں، جنہیں ان دنوں خرابیوں میں شامل ہی نہیں کیا جاتا، مگراس کے باوجود میں خود کو ذہنی طور پر اپنی خاندانی میراث روحانیت سے جڑا ہوا محسوس کرتا ہوں اور ان لوگوں کی تلاش میں رہتا ہوں جن سے مل کر مجھے روحانی آسودگی حاصل ہوسکتی ہو، چنانچہ میری ملاقات بہت سے ''بابوں'' سے ہے اور میں ان سب کا دلی احترام کرتا ہوں تاہم میری خواہش ہوتی ہے کہ میں جب کسی سے ملوں تو مجھے یہ احساس ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان سے مل رہا ہے، نہ لگے کہ ایک انسان کسی فرشتے کو گلے لگانے کی کوشش کر رہا ہے، جو نور ہی نور ہے، جس کی گرہ میں کرامتیں ہی کرامتیں ہیں اور اس میں عام انسانوں والی کوئی بات ہی نہیں، چنانچہ جب میں نے اپنے کچھ دوستوں سے عبداللہ بھٹی صاحب کا ذکرِ خیر سنا تو میرے دل میں ان سے ملنے کی خواہش بیدار ہوئی، اور پھر یہ ملاقات ہو بھی گئی، میں نے دیکھا کہ ایک ہینڈسم نوجوان خوبصورت شرٹ اور پتلون میں ملبوس میرے سامنے بیٹھا ہے اور ایک عام انسان کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ وہ موقع محل کی مناسبت سے سنجیدہ بھی نظر آتا ہے اور قہقہے بھی لگاتا ہے وہ مجھے یہ احساس ہی نہیں ہونے دے رہا کہ وہ کسی بھی حوالے سے کسی غیر معمولی صلاحیت کا مالک ہے اور یوں مجھ سے بہتر ہے لیکن جب اس نے میرے ایک سوال کے جواب میں میرے ماضی کے کچھ ورق پلٹے تو میں بہت حیران ہوا بلکہ میں اس وقت مزید حیران ہوا جب عبداللہ بھٹی صاحب نے کہا ''جن باتوں پر آپ حیران ہو رہے ہیں یہ کوئی بڑی باتیں نہیں، یہ سب کچھ ریاضت سے آپ بھی حاصل کر سکتے ہیں'' ان لمحوں میں مجھے ان کی شخصیت مزید خوبصورت لگی کہ جانتا تھا کہ یہ ریاضت کیا ہے اور اس کے دوران کن جان لیوا قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے!

میں کون ہوں؟ کیوں ہوں؟ کیا ہوں؟ دنیا کے ہر باشعور انسان کو کبھی نہ کبھی خود سے ان سوالوں کے

Marfat.com

جوابات مانگنے پڑتے ہیں۔ دراصل یہی معلوم سے نامعلوم یا پھر نامعلوم سے معلوم کا سفر ہے، انسان یعنی میں محمد عبداللہ بھٹی وجود اندر وجود ایک چھوٹا سا جرثومہ ہوں، کائنات کی وسعتوں کی تلاش کے سفر پر نکلا ہوں، یہ تلاش کا سفر کیسا جان لیوا ہے، کتنا پر خطر ہے، کتنا پیچیدہ اور ٹیڑھا میڑھا ہے، اس کا احساس اس راہ کی مسافت پر نکلنے والے ہی کر سکتے ہیں، جس تن بیتے وہ تن جانے، جدید دور کا اپنی خواہشات کے چنگل میں پھنسا انسان جس کیلئے ہر اگلے قدم پر کوئی نہ کوئی ترغیب تحریص اور پھندا موجود ہوتا ہے، اس راستے کے کانٹوں سے اپنا دامن کیسے بچائے؟ اپنی راست فکری کو کیسے برقرار رکھے اور خود کو یہ یقین کیسے دلائے کہ اس کی سمت صحیح ہے اور وہ ایک روز منزل پر ضرور پہنچ جائے گا۔ حسین بن منصور حلاج نے ''طواسین'' میں لکھا ہے۔ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو حقیقتاً پہچان لیا، اس نے اپنے وجود کو معروف کے وجود سے بھی زیادہ عظیم اور بزرگ بالاتر کر لیا، کیونکہ جو شخص کسی شے کو اس کی حقیقت کی تہہ تک پہنچ کر پہچان لیتا ہے وہ دراصل اس شے سے بھی زیادہ قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے، یہ حقیقت ہے کیا؟ جس کو شناخت کرنے کی جستجو انسان کو ساری زندگی تڑپائے رکھتی ہے جو اسے جان گئے انہوں نے گویا زندگی ہی میں کئی زندگیاں پالیں، نامعلوم کی تلاش ایسا سفر ہے جس میں مسافر خود گم ہو جاتا ہے زمان کیا ہے اور مکان سے پہلے وہ کس صورت میں تھا، وہ جو گہر دھند میں کہیں دور تا حدِ نگاہ کھائی نہ دینے والی دھند میں چھپا بیٹھا ہے وہ کون ہے؟ کیا ہے ہمارا اس سے تعلق، کیا صرف خالق اور تخلیق کا ہے یا اس اسرار میں میرا بھی کوئی کردار ہے؟ یہ تھے وہ سوال جو مجھے بچپن ہی سے بے چین رکھتے تھے میں نے سوالات کے جوابات حاصل کرنے میں نگر نگر کی خاک چھانی ہے، صحراؤں، جنگلوں، دریاؤں اور پہاڑوں میں گھوما ہوں، در در کا سوالی بنا ہوں، کہیں سے کچھ بھیک ملی، کہیں سے کچھ، فقیر کا کاسہ اسی طرح بھرتا ہے، میں نے سفرِ آغاز پر ہی جان لیا تھا کہ مقدر سے زیادہ اور وقت سے پہلے کہیں سے کسی کو کچھ نہیں ملتا، میں ہمیشہ اس پر شاکر رہا ہوں، صبر اور ریاضت کو میں نے اپنا شعار بنایا اور اپنی دھن میں مگن آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔

معافی چاہتا ہوں، اقتباس کچھ زیادہ طویل ہو گیا لیکن یہ ضروری تھا، اس سے عبداللہ بھٹی صاحب کے اس سوز نہاں کا پتہ چلتا ہے جو انہیں ایک در سے دوسرے در تک لے جاتا رہا۔ کتاب کے مطالعے کے دوران میرے لئے یہ امر بھی طمانیت کا باعث تھا کہ مصنف ان لوگوں میں سے نہیں جو خود کو تلمیذ الرحمٰن کہہ کر مطالعے سے اپنی جان چھڑاتے ہیں بلکہ تصوف کے موضوع پر ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے، چنانچہ میرے نزدیک یہ کتاب ان لوگوں کی راہنمائی کرے گی جو تصوف کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ان دنوں جس تصوف کا پرچار کیا جا رہا ہے وہ مذہب کی کتاب کے مندرجات اس سوچ سے انکار کرتے نظر آتے ہیں۔ کتاب میں بعض محیر العقول واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ میں نے اس طرح کے واقعات عہد حاضر اور ماضی کے بہت سے صوفیاء کی کتابوں میں بھی پڑھے ہیں۔ میں ان کی صحت سے انکار یا اقرار کی پوزیشن میں نہیں

Marfat.com

ہوں کہ میں نے زندگی میں ایسا کوئی واقعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تاہم اس سے قطعِ نظر تصوف کے موضوع پر یہ اعلیٰ درجے کی تحقیقی اور علمی کتاب ہے اور اس کے مصنف کی زندگی اس امر کا عملی ثبوت کہ اسلامی تصوف، مسیحی رہبانیت سے الگ تھلگ چیز ہے۔ نیز یہ کہ اس کا ''امریکی تصوف'' سے بھی کوئی تعلق نہیں جس میں کھیل تماشے تو موجود ہیں تصوف کہیں نظر نہیں آتا۔

عبداللہ بھٹی صاحب نے اپنی جستجو کا سفر جن سوالوں کے جواب کے لئے کیا ہے ہمارے کلاسیکی شعرا ہی ان سوالوں کا جواب نظری طور پر تلاش کرتے رہے ہیں۔ انسان کیا ہے اور وہ سب کچھ کیا ہے جو ہمارے اردگرد نظر آتا ہے۔ اس کائنات کے آغاز کا پہلا اور اختتام کا آخری سرا کہاں ہے، وہ کون ہے اور کیسا ہے جو چھپا ہوا سیا ہے اور ظاہر بھی ہے، غالب پوچھتا ہے۔

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
عشوہ وغمزہ وادا کیا ہے
سبزہ وگل کہاں سے آئے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟
جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

میرؔ اور دردؔ تو خیر باقاعدہ صوفی شاعر تھے، ان کا سارا کلام اس ''حقیقت'' کی تلاش ہے جو کئی پردوں میں نہاں ہے۔ وہ بے چینی اور اضطراب کے عالم میں خود سے بہت سے سوالوں کے جواب مانگتے رہتے ہیں۔

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب کس طرف سے آئے تھے، کدھر چلے؟

اور جب وہ ''حقیقت'' عقل کے دائرے میں نہیں آتی تو ہمارے شاعر عبدالمجید عدم کہتے ہیں

آگہی میں اک خلاء موجود ہے
اس کا مطلب ہے خدا موجود ہے

سو عبداللہ بھٹی صاحب بھی اسی راہ کے مسافر ہیں مگر انہوں نے اس راستے کے بہت سے مصائب جھیلے ہیں اور ان کے بقول ''بالآخر میں سرکار بری امام کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا، جنہوں نے مجھے سینے سے لگایا، اپنا بنایا اور تلاش کے اس سفر کو سنگِ میل بنا دیا'' تاہم مجھے ان باتوں کے بیان سے ڈر لگتا ہے کہ ان دنوں تصوف بعض لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا ہے جو وہ اناڑی ہاتھوں میں دے کر انہیں اندھے راستوں کے سفر پر روانہ کر دیتے ہیں، اس طرح کے نام نہاد صوفی سیاسی شاعروں کے ہاتھوں میں بھی کھیلنے لگتے ہیں۔ کون آ رہا ہے، کیا لا رہا ہے، کب جا رہا ہے ''فائل'' تیار ہے ''دستخط'' ہونے والے ہیں۔ ''دستخط'' ہو گئے ہیں اور اس سارے ''پراسیس'' میں

Marfat.com

کئی کئی سال لگ جاتے ہیں جس سے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ شاید روحانی دنیا میں بھی ''سرخ فیتہ'' کارفرما ہوتا ہے۔ ہمارے کالموں میں بھی ان ''اللہ والوں'' کا ذکر ان کی خوشخبریوں کی صحبت میں سامنے آتا یا سامنے لایا جاتا ہے بلکہ اس طرح کے ''اللہ والوں'' کی صحبت میں زیادہ وقت گزارنے والے کالم نگار خود بھی یہ تاثر دینے لگتے ہیں کہ وہ بھی اللہ والے ہو چکے ہیں۔ اللہ کرے ہمارے عوام ان تو ہمات کا کبھی شکار نہ ہوں مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں نے عبداللہ بھٹی کی زبان یا قلم سے کبھی ''فائلوں'' کی کہانی نہیں سنی، وہ تصوف کے راستے کے مسافر ہی نہیں ایک پڑھے لکھے شخص بھی ہیں چنانچہ جانتے ہیں ''خاصوں'' کی باتیں ''عاموں'' کے سامنے نہیں کی جاتیں۔ ان کی تازہ تصنیف ''فکرِ درویش'' تصوف کے موضوع پر ایک تحقیقی نوعیت کی کتاب ہے اور مجھے یقین ہے اس سے وہ لوگ پوری طرح استفادہ کر سکیں گے جو تصوف سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

عطاء الحق قاسمی

(روزنامہ جنگ)

Marfat.com

قہرِ درویش بر جانِ درویش

میں کہیں لکھ چکا ہوں کہ تحریر خود اپنے آپ کو پڑھواتی ہے۔ اسے بیکار سمجھ کر نہیں پڑھا جا سکتا بلکہ یہ اپنے آپ پر لکھنے کے لیے بھی اُکساتی ہے۔ تاہم سبھی تحریریں ظاہر ہے کہ ایسی نہیں ہوتیں۔ یہ افتخار خاص خاص تحریروں ہی کو حاصل ہے۔ پروفیسر عبداللہ بھٹی کی کتاب ''فکرِ درویش'' ایسی ہی کتابوں میں شامل ہے جو دینی اور روحانی مسائل پر تخلیق کی گئی ہے۔ بظاہر اس خشک موضوع کو اس حد تک قابلِ مطالعہ بنا دیا گیا ہے کہ مجھ جیسا نیم دہریہ شخص بھی اس سے باقاعدہ لطف لینے لگا۔ وماتوفیقی الاباللہ

اول تو میں ''بابوں'' میں یقین ہی نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ کہ عمر کے جس حصے میں ہوں، اپنے آپ کو تبدیل کرتے ہوئے ان موضوعات میں دلچسپی لینا میرے لیے بہت مشکل تھا جن سے میں نے عمر بھر اجتناب کیا کیونکہ ایک تو میرا میدان ہی اور تھا اور دوسرے کچھ باتیں ذہن میں راسخ ہو چکی تھیں جن میں کسی ردوبدل کی بظاہر کوئی گنجائش نہیں۔ اور پھر یہ بھی تھا کہ

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے
(مومنؔ)

لیکن پروفیسر صاحب کی تحریروں سے گزرنے کے بعد یہ انگریزی قول بہت درست لگا کہ "You are never too late" زندگی میں کسی انقلاب کی راہ کسی وقت بھی کھل سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی سوچ کے اندر ایک ایسی لچک کا اہتمام کیا ہے کہ جو اس کا رخ کسی وقت کسی جانب بھی موڑ سکتی ہے۔ پچھلے دنوں میں اوکاڑے گیا تو میرے بیٹے اویس اقبال نے مجھے پروفیسر صاحب کی پہلی کتاب پڑھنے کو دی۔ پروفیسر صاحب کا فون نمبر اور رہائش گاہ کا پتہ بھی بتایا اور کہا کہ آپ ان کے نیاز ضرور حاصل کریں۔ کتاب پڑھنے کے بعد خود بخود

Marfat.com

اشتیاق پیدا ہوا اور میں نے واپس آ کر انہیں فون کیا جو کسی نے نہیں اٹھایا۔ ایس ایم ایس کیا کہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ جوابی، ایس ایم ایس میں فرمایا کہ میں جلد ہی اس کی اطلاع آپ کو دوں گا۔ کچھ یہ مجھے غائبانہ جانتے بھی تھے۔ پھر فون آیا کہ میں خود حاضر ہوں گا، جس پر عرض کیا کہ آپ مجھے شرمندہ اور گناہ گار کر رہے ہیں لیکن بضد رہے اور جو وقت اور دن مقرر کیا، اس کے عین مطابق تشریف لے آئے۔ دروازے پر گھنٹی دی تو میرا ڈرائیور ایک پینٹ پتلون پوش نوجوان کو اندر لے آیا اور میں منتظر رہا کہ بزرگ خود بھی آ رہے ہوں گے، لیکن بتایا کہ عبداللہ بھٹی میں ہی ہوں! پورا ایک گھنٹہ بیٹھے رہے اور چائے وغیرہ سے بھی سختی سے منع کر دیا۔ کتاب ''فکرِ درویش'' کا مسودہ مرحمت کیا تا کہ میں اسے ایک نظر دیکھ لوں۔ جس طرح کی بات چیت ہوئی اس کا احوال عطاء الحق قاسمی، حسن نثار، حامد میر اور دیگر حضرات اپنی اپنی تحریروں میں بیان کر چکے ہیں، اسے دہرانا ضروری نہیں۔ وہ جس دلنشیں لہجے میں گفتگو کرتے رہے، اس کی بابت بھی کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ستم بالائے ستم یہ رہا کہ اٹھتے ہوئے کہہ گئے کہ کچھ دنوں کے بعد پھر حاضر ہوں گا۔ میں نے عرض کی کہ مجھے زیادہ شرمسار نہ کریں اور مجھے درِ دولت پر حاضر ہونے کا موقع دیں، لیکن فرمایا کہ وہاں رش بہت ہوتا ہے، آپ کو بہت مشکل پیش آئے گی اس لیے میں ہی آتا جاتا رہوں گا۔ میرے قدردان یوں تو الحمد للہ بہت ہیں لیکن اس طرح کے قدردان کے بارے میں، مَیں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔

اس کتاب کا پہلا اور غالب حصہ تصوف اور صوفی کی تعریف کے بارے میں ہے جس میں صاحب موصوف نے اپنی رائے دینے سے حتی الامکان گریز کیا ہے اور مشہور و معروف دینی شخصیات کی تحریریں ان کی کتابوں سے نقل کی ہیں جن میں مسلمہ اولیائے کرام بھی شامل ہیں۔ اس بحث میں جو چشم کشا بات سامنے آئی وہ یہ ہے کہ تصوف، شریعت اور سنت رسولؐ ہی پر عمل کرنے کی ایک صورت ہے جس کے بغیر تصوف اور صوفی کی ہر تعریف غلط اور باطل ہے۔ اس طرح تصوف کے بارے میں پھیلایا ہوا یہ مغالطہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے کہ تصوف خدانخواستہ اسلام کے ساتھ ساتھ ایک متوازی مذہب کی حیثیت رکھتا ہے۔ کتاب کا باقی حصہ ان کی تقاریر پر مشتمل ہے جو تشنگان علم و فکر کے سامنے انہوں نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائیں اور جن میں حاضرین کے سوالات اور ان کے مدلل جوابات بجائے خود راہنمائی کا ایک ٹھوس کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا طرزِ بیان اس قدر آسان فہم اور سلاست سے معمور ہے کہ بات سنتے ہی دلنشیں ہوتی جاتی ہے۔ تند و ترش سوالات کا جواب بھی اس دلآویز طریقے سے دیتے ہیں کہ ان کی محفل سے لوگوں کا اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ ایسی محفل مہینے میں ایک بار ضرور جمائی جاتی ہے۔

تصوف والے مضمون اور گفتگو والے حصے میں جن بزرگوں اور کتابوں کے حوالے اور اقتباسات دیئے گئے ہیں ان سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس ضمن میں کس قدر وسیع المطالعہ واقع ہوئے ہیں۔ ہر بات کا جواب دلیل سے دینے کا ان کا ایک اپنا ہی انداز ہے اور مجھ جیسے کمزور ایمان والوں کو ان کی محفلوں اور

Marfat.com

گفتگو سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔ انہوں نے ماضی کے واقعات اور مثالوں سے واضح اور ثابت کیا ہے کہ مطالعہ اور عبادات کے ساتھ ساتھ کسی مرشدِ کامل کی دستگیری بھی ضروری ہوتی ہے جس کی تلاش جاری رکھنی چاہیے یہاں تک کہ طالب کو اس تک رسائی حاصل ہو جائے۔ دراصل یہ روحانیات کا سفر ہے جو کسی حقیقی راہبر کے بغیر طے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہوں نے مثالوں سے یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی اولیائے کرام اور ایسے پہنچے ہوئے بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے اصلاحِ خلق کے لیے یادگار کارنامے سرانجام دیے حتیٰ کہ مسیحی، یہودی اور اہلِ ہنود میں بھی ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کا معتبر صحیفوں میں باقاعدہ اور تفصیل کے ساتھ تذکرہ ملتا ہے اور ان سے منسوب متعدد کرامات کا ذکر بھی موجود ہے۔ ان کا اہلِ مغرب نے بھی لکھ کر اعتراف کیا ہے۔ غرض اس مسودے سے گزرنے کے دوران ذہن اور دل میں ایسے ایسے دریچے کھلتے جاتے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو پہلے سے بہتر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ روحانیات کا تعلق دماغ کے ساتھ نہیں بلکہ براہِ راست دل کے ساتھ ہے۔ یہی بات فارسی کے عظیم شاعر حضرت بیدلؔ دہلوی کس خوبصورتی سے کہہ گئے ہیں۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو دسمن درآ
تو زغنچہ کم نہ کشودہ ای درِ دل کشا بچمن درآ

بعض باتیں پڑھ کر تو آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے اللہ میاں سے کہا کہ اہلِ یہود میرے خلاف بہت باتیں کرتے ہیں، آپ ان کے منہ بند کر دیں۔ اللہ میاں نے جواب دیا کہ یہ میرے خلاف بھی بہت باتیں کرتے ہیں، اگر میں نے اپنے لیے ان کے منہ بند نہیں کیے تو تمہارے لیے کیسے کر سکتا ہوں۔ اس کے اندر آزادی اظہارِ رائے کا جو سنہری اصول پوشیدہ ہے، اسے خود اللہ تعالیٰ کی تصدیق حاصل ہے۔ حضرت امام بریؒ کے حوالے سے درج ہے کہ ایک بار میں؟ جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھا تو بہت فقیروں نے مجھے گھیر لیا۔ میں نے سب کو دیا لیکن ایک فقیر چند قدم چلنے کے بعد دوبارہ سامنے آیا، اس نے پھر مانگا۔ میں نے کہا، یار میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہیں دیا ہے جس پر اس نے گہری نظر سے میری طرف دیکھا اور کہا، تم خود تو اپنے سائیں سے بار بار مانگتے ہو اور مجھے دوسری مرتبہ دینے سے بھی کترا رہے ہو۔ میں اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا تو اس نے پھر کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں بار بار ملے تو دیتے وقت باریاں نہ گنا کرو! آج کا مقطع

مجھے بھی رزق مل جاتا ہے اکثر میرے حصے کا
وہ کیڑا ہوں ظفرؔ، جو پیار کے پتھر میں رہتا ہے

ظفر اقبال
ممتاز کالم نگار/ شاعر

Marfat.com

یہ میرے بس سے باہر ہے

پروفیسر عبداللہ بھٹی کو پہلی بار دیکھا تو بجلی کے کوندے کی طرح ایک لفظ دھیان میں لپکا اور چمکا ''پاکیزگی'' سرتاپا جسمانی وروحانی پوتر تا کا زندہ احساس، چند منٹ کی گفتگو کے بعد ہی مجھے احساس ہو چکا تھا کہ میرے سامنے ایک gifted بندہ بیٹھا ہے جس پر خدا بہت مہربان ہے۔ چند لمحوں کے بعد لوگ ہجوم کا روپ دھار گئے اور میں تشنگی کا دریا اس محفل سے اٹھ آیا اور پھر چند دنوں کے اندر میں اس شخص کا نام ہی نہیں چہرہ بھی بھول گیا۔

لیکن ''پاکیزگی'' کا وہ احساس میرے اندر زندہ رہا، میں بنیادی طور پر روحانیات کا نہیں سائینسیات کا آدمی ہوں میری روح میں ریزن اور دماغ میں دلیل کے علاوہ کسی اور شے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن اس شخص سے دوسری ملاقات اور پھر اس کتاب نے میرے اندر وہ گوشہ ڈھونڈ لیا ہے جس سے میں بھی واقف نہیں تھا۔ میں اس کتاب اور اس کے مصنف سے کچھ ڈر سا رہا ہوں جسے "FEAR OF UNKNOWN" کہتے ہیں یہ دنوں مل کر مجھے کس طرف لے جا رہے ہیں؟ اور میں نہیں جانتا کہ یہ سب پٹڑی سے اترنا کہلائے گا یا پٹڑی پر چڑھنا لیکن ایک بات طے ہے کہ جیسے کچھ تحریروں اور متحرک تصویروں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کمزور دل حضرات احتراز واجتناب کریں اسی طرح عبداللہ اور اس کی تخلیق کے بارے میں میرا خیال ہے کہ کمزور دل قارئین اِن دونوں سے بچیں جنہوں نے میری دلیل اور ریزن کو خطرے میں ڈال دیا ہے اور جانے کیوں پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی کو میں صرف ''عبداللہ'' لکھنا بولنا جاننا چاہتا ہوں! سچ یہ ہے کہ درویش اور فکرِ درویش نے اور اسرارِ روحانیت نے مجھے سرخوشی بھی دی ہے اور خوف میں بھی مبتلا کر دیا ہے۔ کہ کتاب اور صاحبِ کتاب کے حوالہ سے میں پہلے کبھی ایسے تجربے سے نہیں گزرا ''اسرارِ روحانیت'' اور فکرِ درویش دونوں لاجواب کتابیں ہے۔ تصنیف عجیب، مصنف عجیب تر ہے اور میرا احساس عجیب ترین جسے معمول کی نثر میں بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے۔

حسن نثار
ممتاز کالم نگار
روزنامہ جنگ

Marfat.com

راہِ سلوک کا مسافر

فکرِ درویش تصوف پر لکھی جانے والی ایک بہت ہی جامع اور دقیق کتاب ہے۔ یہ عبداللہ بھٹی صاحب کی نئی کتاب ہے، اس سے پہلے ان کی کتاب ''اسرارِ روحانیت'' آ چکی ہے چند مہینوں میں ''اسرارِ روحانیت'' کے کئی ایڈیشن آ چکے ہیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اسرارِ روحانیت ہر خاص و عام میں مقبول ہو چکی ہے۔ اپنی تھوڑی مدت کے بعد دوسری کتاب کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلم میں بھی بہت زرخیزی پائی جاتی ہے۔ جس طرح عبداللہ بھٹی صاحب سے ملنے والے پر روحانیت وتصوف کے اسرار و رموز کھلتے ہیں اُسی طرح فکرِ درویش بھی تصوف کے اسرار و رموز کھولتی ہے مگر پہلا جملہ جس سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ فلسفہ سے متعلق بھی ہے۔

میں کون ہوں؟ کیوں ہوں؟ کیا ہوں؟ گویا کتاب میں فلسفیانہ طرز سے تصوف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے پہلے ہی صفحے پر حسین بن منصور حلاج کا ایک فرمان نقل کیا گیا ہے۔

جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اُس کو حقیقتاً پہچان لیا اس نے اپنے وجود کو معروف کے وجود سے بھی زیادہ عظیم اور بزرگ تر کر لیا۔

کیونکہ جو شخص کسی شے کو اس کی حقیقت کی تہہ تک پہنچ کر پہچان لیتا ہے وہ دراصل اس شے سے بھی زیادہ قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ مندرجہ بالا فرمان حسین بن منصور کا ہے کسی مدرسے کے مولوی کا نہیں۔ اس لیے اس کو اس کے درست تناظر میں دیکھے جانے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے خیال کے مطابق راہِ سلوک میں سب سے بڑا مقام و مرتبہ عشق کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن دعویٰ کرنے کا اختیار اسے بھی نہیں ہوتا۔ بھٹی صاحب سے مل کر بہت اچھا لگتا ہے ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے بھٹی صاحب کی پیدائش پھولنگر کے قریب ایک گاؤں میں ہوئی۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں بہت سارے بزرگوں کا ذکر تو ملتا ہے۔ لیکن ہر جگہ

Marfat.com

تشنگی دامن گیر رہتی ہے اس دوران ہم کتاب کے صفحہ نمبر 20 پر پہنچتے ہیں تو وہاں ایک فرمان درج کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ میرے خلاف بنی اسرائیل کی زبان بند فرما دے کہ اس کے شر سے محفوظ رہوں۔ حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی "جب اُنکی زبانیں میں نے اپنی مخالفت میں بند نہیں کیں تو تمہارے لیے کیسے بند کردوں۔"

بھٹی صاحب سے ہماری درخواست ہے کہ اگر وہ چاہیں تو مخیّر حضرات کے تعاون سے حق تعالیٰ کے اس فرمان کے سٹیکر شائع کروا کر مساجد اور دیگر پبلک مقامات پر چسپاں کرادیئے جائیں ایک تو یہ عوام اس فرمان کو پڑھ کر نصیحت حاصل کریں گے اور اس وقت ہمارے معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان پائی جانی والی نفرت ختم کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی طرف توجہ ہو سکے گی۔

کتاب کے صفحہ نمبر 173 پر امام غزالی کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ تصوف کی طرف رجحان کے تعلق میں انسان کے داخلی اثرات کا عمل دخل خارجی عوامل سے زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی اس راستے پر چلنے والے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میں فطری طور پر استعداد موجود ہو اور دوسری بات یہ کہ مرشد جانتے ہیں کہ کسی باکردار کافر کی اصلاح تو آسان کام ہے لیکن ایک بے کردار منافق کی اصلاح نہایت دشوار ہوتی ہے۔ اس کتاب میں طریقت کو شریعت کا باطن قرار دیا گیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ بھٹی صاحب شریعت کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔

پتہ نہیں کیوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب کو کسی طرح پڑھانے والے استادوں کے نصاب میں شامل ہونا چاہیے۔ جسطرح بچوں کو سکول میں داخل کرنے کے لیے امتحان لیا جاتا ہے اس طرح اس کتاب کا بھی اساتذہ کے لیے ٹیسٹ ہو اور وہ اس ٹیسٹ میں پاس ہونے کے بعد ہی پڑھانے کے اہل قرار ہوں۔

ایک اور اہم بات زیرِ غور ہے کہ اتنی بڑی بات بابے کی کرامت میں مضمر نہیں ہے جتنی اہم بات ہم سمجھتے ہیں اصل بات اپنے اعتقاد، ایمان اور نظریے کی ہے۔

جس قدر ہمارا اپنا ایمان مضبوط ہوگا اتنا ہی ہمارا قلب بڑا اور ناقابلِ شکست ہوگا، بات صرف اتنی ہے کہ ہمیں فقط اپنے ایمان پر اعتقاد کرنا ہوگا صرف اپنی ذات آخر میں ایک نہایت قیمتی بات وہ یہ کہ پند و نصیحت حال کی زبان سے موثر ہوتی ہے میں چاہتی ہوں کہ بھٹی صاحب جس مشن پر نکلے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب و کامران کرے اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے، آمین۔

بانو قدسیہ
داستان سرائے
121-C ماڈل ٹاؤن لاہور۔

Marfat.com

خدا کو ''مضبوط'' بنانے کی کوشش

پروفیسر عبداللہ بھٹی کو ہزاروں کیا لاکھوں میں ایک کہا جا سکتا ہے۔ ان جیسا دوسرا ڈھونڈنا آسان نہیں ہے۔ دیکھنے میں وہ ایک عام سے انسان ہیں۔ پتلے، دبلے، دھان پان۔ اُن کی باتیں بھی ویسی ہیں جو اس طرح کے آدمیوں کی ہوتی ہیں۔ تحریر میں شکوہِ الفاظ ہے نہ تقریر میں۔ لباس بھی عام سا پہنتے ہیں، یونیورسٹی تو کیا کالج کے پروفیسر بھی معلوم نہیں ہوتے۔ اُن کا رعب طاری نہیں ہوتا، بٹھانا پڑتا ہے۔ کسی مجلس میں موجود ہوں تو نمایاں نہیں ہوتے کہ یہ شوق انہوں نے نہیں پالا، خود کو بچا بچا کر رکھتے ہیں، اس کے باوجود وہ ''مرجعِ خلائق'' ہیں۔ اُن کی شہرت خوشبو کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ جس جس کو جب جب جہاں جہاں اُن کے بارے میں پتہ چلتا ہے، وہ اُن سے بات کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔

ہم میں سے بہت سوں نے تصوف کے بارے میں جو کچھ پڑھ رکھا اور صوفیا کے بارے میں جو کچھ پڑھ رکھا اور صوفیا کے بارے میں جو کچھ (نسل در نسل) سن رکھا ہے، عبداللہ بھٹی اُس پر زندہ شہادت ہیں۔ اُن کی تصنیف ''اسرارِ روحانیت'' پڑھنے والوں کو چونکا بلکہ چکرا دیتی ہے۔ یہ آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ اس میں تاریخ سمٹ آئی ہے۔ روحانی علوم کے کمالات بھی اور خود اُن کے تجربات بھی۔ وہ کن کن مرحلوں اور مشاہدوں سے گزرے۔ اسمِ اعظم تک رسائی کیسے ہوئی اور پھر اُس کے سہارے کہاں کہاں کی سیر کی، کیا کچھ دیکھنے کی صلاحیت حاصل کی اور کیا کچھ کر دکھلانے پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو قدرت عطا کر دی۔ یہ بظاہر الف لیلہ کی کہانی معلوم ہوتی ہے، لیکن ان سے استفادہ کرنے والوں کی طرف دیکھیں اور اُن کے دستِ شفا کی طرف متوجہ ہوں تو کچھ سمجھ میں نہ آنے کے باوجود سب کچھ سمجھ میں آ جاتا ہے اور سب کچھ سمجھ میں آنے کے باوجود کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

روحانی علوم یعنی سپر چوئل سائنسز کا معاملہ مادی یعنی فزیکل سائنسز سے بہت مختلف ہے۔ ثانی الذکر

Marfat.com

کے حقائق دو+دو کی طرح ہوتے ہیں کہ ہر شخص ان کو جمع کر کے چار بنا سکتا یا چار سمجھ سکتا ہے، لیکن روحانی علوم کی دنیا الگ ہے۔ وہاں ایک شخص کا تجربہ دوسرے کا مشاہدہ تو ہو سکتا ہے، تجربہ کم ہی بن پاتا ہے۔

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

پروفیسر عبداللہ بھٹی نے افادۂ عام کے لئے اپنے تجربات اور مشاہدات عام کر دیئے ہیں اور لوگوں کو اس راستے پر سفر کرنے کی طرف اُکسایا بھی ہے، جس پر چل کر وہ کیا سے کیا بن گئے ہیں۔ اقبال کا شاگرد یا بیٹا، اقبال تو نہیں ہو سکتا، لیکن اقبال مند بہر حال بن سکتا ہے۔

بھٹی صاحب کے معنوی فرزند نور رانجھا، ڈاکٹر فیاض رانجھا آف میو ہسپتال لاہور حال مقیم اسلام آباد کے سلبی بیٹے ہیں۔ نور میاں بھٹی صاحب کی محبت کو حاصل زندگی کیا، حاصل ایمان سمجھتے ہیں۔ فیاض رانجھا اس حوالے سے بے حد بخیل واقع ہوئے ہیں۔ وہ مولانا طارق جمیل کے اسیر ہیں۔ شرک اور بدعت کے اپنے پیمانے رکھتے ہیں۔ نور رانجھا اپنے پیر صاحب کی کرامات کے عینی شاہد ہیں۔ بعض اوقات ان کا حصہ بھی بن جاتے ہیں کہ ان کی وجہ سے انہونی ہو جاتی ہے۔ ان کے والد اسے ''شعبدہ بازی'' قرار دیتے ہیں اور مجھ سے بھی الجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شعبدے تو غیر مسلم بھی دکھا سکتے ہیں، لیکن ان کے پاس اس جوابی سوال کا کوئی جواب نہیں ہوتا کہ جو کام غیر مسلم کر لیتے ہیں، وہ مسلمان کیوں نہیں کر سکتے۔ مسلم اور غیر مسلم کے ''شعبدوں'' میں وہی فرق ہے جو فرعون کے دربار کے جادوئی سانپوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصائی اژدہا میں تھا۔ جب فرعون کے ساحروں نے رسیاں پھینک کر انہیں سانپ بنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا عصا زمین پر ڈال دیں۔ وہ اژدہا بن کر ان سانپوں کو نگل گیا۔ روحانی علوم کی کئی اقسام ہیں بعض پر غیر مسلم بھی قدرت رکھ سکتے ہیں جیسا کہ ایم بی بی ایس کا امتحان ہندو سکھ، مسیحی، بدھ سب پاس کر سکتے ہیں اور علم طب میں نقطہ کمال کو پا سکتے ہیں۔ انجینئرنگ میں بھی ایسا ہو سکتا ہے (اور ہوتا ہے) سوشل سائنسز کا بھی یہی معاملہ ہے اسی طرح سپر چوئل سائنسز کے بعض شعبوں میں غیر مسلم بھی کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ اور بات کہ بقول اقبال: مومن کی حد نہیں ہے، مومن کا جہاں ہر کہیں ہے۔

نور رانجھا، اپنے پیر صاحب کے ساتھ اجمیر شریف گئے دہلی پہنچے تھے کہ پاکستان سے کسی کا فون آیا اور بھٹی صاحب کے بارے میں دریافت کیا۔ بتایا گیا کہ وہ تو اجمیر کے راستے میں ہیں۔ فون کرنے والے نے سلام عرض کیا اور بھارت میں اپنے کسی دوست کو بھی فون کر دیا، وہ اتفاق سے گورنر تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھٹی صاحب ''وی آئی پی'' قرار پا گئے۔ انہوں نے خدا معلوم کس لہر میں نور رانجھا سے پوچھا کہ کوئی خواہش ہے؟ (جس کے لئے دعا کی جائے) انہوں نے عرض کیا (مشہور بھارتی ہیروئن) بپاشا باسو سے ملاقات کرا دیجئے۔ اس پر بھٹی صاحب نے خفگی کا اظہار کیا کہ اجمیر شریف کا قصد ہے، درود و سلام زبان پہ ہے، اس طرح کی

Marfat.com

خواہش دل میں کیسے داخل ہوگئی؟ نوررانجھا مچل گئے، آپ نے خواہش کا پوچھا تھا، یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ یہ خواہش مومنانہ ہونی چاہیے۔ اب تو وعدہ پورا کیجئے۔ اس پر پیر صاحب نے خاموشی اختیار کرلی، شام کو گورنر صاحب نے عشائیے پر یاد کیا، وہاں پہنچے تو بھارت کے سکھ وزیر ثقافت بھی موجود تھے۔ نوررانجھا کی خواہش زیر بحث آئی تو سردار جی نے اپنے سیکرٹری سے کہا کہ معلوم کرو پاپا جی کہاں ہیں، اگر دہلی میں ہوں تو صبح ناشتے پر بلالو۔۔۔۔ چند لمحوں بعد معلوم ہوا کہ وہ دہلی ہی میں ہیں اور صبح ناشتے پر آرہے ہیں۔ عبداللہ بھٹی اپنے ساتھی کے ہمراہ مدعو کر لئے گئے، یوں نوررانجھا کی ''پرازِ شباب'' خواہش پوری ہوگئی۔ اس طرح کے کئی واقعات ان پر (یا ان کے سامنے) گزر چکے ہیں۔ انہیں آپ ''اتفاق'' قرار دینا چاہیں تو دے لیں لیکن اگر اسے کوئی دوسرا معاملہ قرار دے دیں تو اس میں بھی کیا مضائقہ ہے۔

''فکرِ درویش'' بھٹی صاحب کی دوسری کتاب ہے۔ ''بلھیا کیہ جاناں میں کون؟'' اِس کا بھی موضوع ہے۔ یہ تصوف کی تاریخ ہے۔ اور اس کے سماجی اثرات کا تذکرہ بھی۔ اس کی اصطلاحات وضروریات کی تفصیل بھی اس میں سمٹ آئی ہے اور ان کے حلقہ بگوشوں کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے جوابات کے لئے بھی ایک حصہ مختص کر دیا گیا ہے۔ فلسفیانہ موشگافیوں اور نکتوں کو رکھئے ایک طرف ''فکرِ درویش'' ایک گائیڈ ہے جس کے ذریعے شاہراہ حیات پر سفر آسان ہوسکتا ہے۔ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً ۔۔۔۔۔اس کتاب (یا صاحبِ کتاب) کی انگلی پکڑ کر ہم آگے بڑھ سکتے ہیں، سکون کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والے تو رہے ایک طرف، دوسروں کا سکون لوٹنے والوں کو بھی سکون مل سکتا ہے اور دوسروں کے لئے سکون کا باعث بن سکتے ہیں۔ سو باتوں کی ایک چند الفاظ میں ''مردِ درویش'' نے کہہ دی ہے: ''محبت فقیر کی عبادت اور صبر فقیر کی ریاضت ہوتی ہے۔ باہمی نفرت پھیلاتے ہوئے دیا جانے والا کوئی بھی پیغام نہ شریعت کا نمائندہ ہوتا ہے نہ طریقت کا نہ معرفت اور نہ حقیقت کا۔ میرا رب، رب الناس ہے۔ الناس بلا تخصیص مذہب وملت تمام دنیا کے انسانوں کو کہتے ہیں''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔: ''ایک مرشد کو مان کر بھائی بن جانے والو، ایک امام کو مان کر بھائی کہلانے والو، تم ایک خدا کو مان کر بھائی کیوں نہیں بن سکتے؟ کیا خدا ایک مضبوط قدر مشترک نہیں؟ یا پھر تم نے خدا کو مانا ہی نہیں۔ کتنا مظلوم ہے میرا رب، دھرتی کا خالق دھرتی پر کتنا کمزور کر دیا گیا ہے؟ خدا کی دھرتی پر خدا کو مضبوط بنانے کا دوسرا نام تصوف ہے۔ یہی فکرِ درویش ہے......دیکھیں کسی دا دل نہ ڈھاویں، رب دلاں وچ رہندا''

آج کے پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہی فکر اور یہی پیغام ہے۔ (یہ کالم روزنامہ ''دنیا'' اور روزنامہ ''پاکستان'' میں بیک وقت شائع ہوتا ہے۔)

ممتاز کالم نگار، مجیب الرحمٰن شامی
(چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان)

Marfat.com

یہ ایک کتاب نہیں ملاقات بھی ہے

پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کے ساتھ میری پہلی ملاقات ہوئی تو ایسا لگا کہ میں اُنہیں کافی عرصے سے جانتا ہوں۔ اُنکی سادگی میں بہت گہرائی تھی اور یہ گہرائی آپکو "فکرِ درویش" میں بھی نظر آئے گی۔ زیرِ نظر کتاب تصوف کی تاریخ، تعریف اور اثرات کے بارے میں ہے لیکن کتاب کو غور سے پڑھیں تو آپکو پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی بھی سمجھ آجائے گی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر آپ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کے ساتھ تفصیلی ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس کتاب کو پڑھ ڈالئے، آپکو پتہ چلے گا کہ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کا تعلق صوفیوں کے خاندان سے ہے۔ اُنکے نانا مولوی احمد دین، ماموں ہارون رشید اور تایا حاجی عبدالرحمان اللہ کے نیک بندے تھے اور انہی کے ذریعے بھٹی صاحب کی ملاقات بابا جمال دین سے ہوئی۔ بابا جمال دین کے بعد وہ صوفی عبدالمالک اور پھر بہت سے نیک بزرگوں سے ملے اور ان بزرگوں سے اُنہیں جو کچھ بھی ملا وہ اُنہوں نے اس کتاب میں لکھ دیا ہے۔ "فکرِ درویش" آپکو بتائے گی کہ شریعت کیا ہے؟ اور طریقت کیا ہے؟ شریعت قرآن وسنت کی وہ تعلیمات ہیں جو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ایک نظام کے تحت منظم کرتی ہیں۔ طریقت دراصل شریعت کا باطن ہے جو شریعت کے نتائج کو سامنے لاتی ہے۔ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب نے واضح کر دیا ہے کہ شریعت کے بغیر آپ طریقت کی راہ پر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ پہلے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور پھر طریقت کے راستے پر آگے بڑھیے لیکن اگر کوئی طریقت کے نام پر اسلام کی بنیادی تعلیمات پر عمل نہ کرے تو اُس سے بچنا چاہیے۔ حضرت محمد ﷺ کا راستہ ہی اصل راستہ ہے۔ وہ صوفی بھی تھے اور مجاہد بھی تھے۔ اُنکی فکر اور اُنکا فقر راہِ نجات ہے۔ پروفیسر عبداللہ بھٹی نے اس کتاب میں تصوف کی حقیقت سمجھانے کیلئے بہت تحقیق کی ہے اور حضرت غوث الاعظمؒ کی "فتوح الغیب" سے یہ حوالہ دیا ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ چیزیں ہیں سخاوتِ ابراہیمؑ، رضائے اسحاقؑ، صبرِ ایوبؑ، مناجاتِ زکریاؑ، غربتِ یحییٰؑ، آگے چل کر اُنہوں نے ایسے صوفیا

Marfat.com

کا ذکر کیا ہے جو اپنے زمانے کے حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہتے رہے۔ صوفی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اسلام سب سے بڑی سچائی ہے۔ ''فکرِ درویش'' میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ سے لے کر علامہ محمد اقبالؒ کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں اپنے آپ کو پہچاننے اور کائنات کی وسعتوں کو تلاش کرنے کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ یہ کوئی مشکل راستہ نہیں ہے اس راستے کے بارے میں ''فکرِ درویش'' ایک حدیث کا حوالہ دیتی ہے کہ شریعت ایک درخت ہے اور طریقت اس کی ٹہنیاں ہیں معرفت اس کے پتے ہیں حقیقت اس کا پھل ہے اور قرآن ان سب کا جامع ہے۔ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کا طرزِ تحریر اُنکی شخصیت کی طرح سادہ لیکن خوبصورت ہے اور اُنہوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ''فکرِ درویش'' میں نئی نسل کو اُسکی پریشانیوں اور ذہنی ناآسودگی کا حل دیدیا ہے۔ اگر آپ انسانوں کے ہجوم میں بھی اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں، زمانے کی ٹھوکروں اور اپنوں کے بے وفائیوں نے آپکے دل پر زخم لگا رکھے ہیں اور آپ اپنے مستقبل کے بارے میں پریشان رہتے ہیں تو گھبرایئے نہیں۔ ''فکرِ درویش'' کو آہستہ آہستہ بہت توجہ کے ساتھ پڑھیے شائد یہ کتاب آپکو منزلِ مراد تک لے جائے۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کو ایسی مزید کتابیں لکھنے اور ہم سب کو ایسی کتابیں پڑھنے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین۔

حامد میر، 17 دسمبر 2012

Marfat.com

فکرِ درویش اور فقرِ درویش

درویش جب دربار میں چلا جاتا ہے تو اس کا فقر تو ختم ہوتا ہی ہے۔ اس کا علم بھی ماند پڑ جاتا ہے۔ سچے درویش عبداللہ بھٹی کا فقر بھی ان کے دل میں محفوظ ہے اور علم بھی تروتازہ ہے ان کی علمی گہرائیوں میں اتر کے دیکھیں علم حلم پیدا کرتا ہے۔

علم لا پرتن زدی مارِ بود
علم لا پرمن زدی یارِ بود

علم جسم پر اثر انداز ہو تو یہ سانپ بن جاتا ہے
علم کو جان و دل پر وار دیں تو یہ یار بن جاتا ہے

ایسی ہی کوئی روحانی واردات ہے کہ پیر فرید کو یار فرید بناتی ہے۔ بدن اور باطن کی یکجائی سے یکتائی ملتی ہے۔ دولت طاقت اور حکومت سے زیادہ فکر، علم کی فراوانی سے پیدا ہوتا ہے۔ فکر کو تدبیر اور تفکر صرف درویش ہی بنا سکتا ہے عبداللہ بھٹی اپنے درویشی کے راز و گداز سے فکر اور فقر میں فرق مٹا رہے ہیں۔ فکرِ درویش کو فقرِ درویش بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسرا اور انوار فکر و خیال میں گھل مل جاتے ہیں۔ کتاب اور خواب، ہم آہنگ ہوں تو آدمی کے اندر کوئی انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ تبدیلی اندر سے آتی ہے اور ہم باہر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ تقدیر اور تدبیر مل پائیں گے تو تکمیل انسانیت کے مرحلے طے ہوں گے۔ فکر درویش عقیدہ اور عقیدت کو ہم آہنگ کرے گی۔ سوچوں کو توانائی اور رعنائی عطا کرے گی۔

پروفیسر عبداللہ بھٹی کی فکرِ درویش میں شریعت اور طریقت کو جس خوبصورت طریقے سے بیان کیا گیا ہے ایسا بہت کم کتابوں میں نظر آتا ہے۔ شریعت کو طریقت کا باطن قرار دیا گیا ہے۔ بھٹی صاحب جیسے لوگ کسی بھی معاشرے کا حسن ہوتے ہیں جو دن رات دکھی لوگوں کو دکھوں سے نکالتے ہیں۔ فکرِ درویش میں وہ سب کچھ ہے

Marfat.com

جس کی تلاش میں اہلِ تصوف رہتے ہیں۔تصوف کے اسرار ورموز صوفیوں کے مجاہدے مشاہدے اور کمالات پر مبنی پراز حقائق اور تجربات کو شامل ہیں۔اُن روحانی معارف کا بیان جو آج تک بیان نہیں کئے گئے تھے۔

تصوف کی مکمل تاریخ ،طریقت کا اموال واقعی مرشداور مرید کے تعلق کی باریکیاں جوراہِ حق کے مسافروں کی طلب اور جستجو کواور بڑھادے گی عبداللہ بھٹی صاحب سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے تو اُن کی گفتگو کئی روحانی اسرار سے پردہ سرکاتی ہے۔جولوگ تلاشِ حق کے مسافر ہیں اُن کے لیے یہ کتاب مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔جولوگ عبداللہ بھٹی صاحب سے مل نہیں سکتے وہ فکرِ درویش کا مطالعہ کریں،روحانیت ،تصوف کے بہت سارے سوالوں کے جوابات فکرِ درویش میں موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ عبداللہ بھٹی صاحب کوکئی اور ایسی کتابیں لکھنے کی توفیق عطا کرے آمین

ڈاکٹر اجمل نیازی
ممتاز کالم نگار
نوائے وقت

Marfat.com

تقریظ

''فکرِ درویش'' پروفیسر عبداللہ بھٹی کی دوسری تصنیف ہے جس میں آپ نے تصوف کی گتھیاں سلجھانے کی شاندار کوشش کی ہے۔ تصوف کی تاریخ، تعریف، اثرات اور ابتدائے اسلام سے آج تک اس حوالے سے ہونے والی معاشرتی تبدیلیوں پر بھٹی صاحب کے مباحث بلاشبہ راہِ سلوک کے مسافروں کے لیے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

پروفیسر عبداللہ بھٹی جو خود بھی ایک صاحبِ کمال شخصیت ہیں اور جن کے حلقۂ احباب میں بلاشبہ ہزاروں مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگ موجود ہیں۔ وہ روزانہ ایک نئے تجربے سے گزرتے ہیں درجنوں بندگانِ خدا کو سکون وسلامتی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اس طرح وہ تصوف کے صرف اکیڈمک پہلو ہی نہیں عملی پہلو سے بھی بخوبی آشنا ہیں۔

آج کا انسان بلاشبہ اپنے ہی پیدا کردہ مسائل میں اس بری طرح الجھ گیا ہے کہ نجات کا کوئی راستہ بظاہر دکھائی نہیں دیتا۔ اس مرحلے پر جو لوگ خانقاہی نظام کی برکات سے معاشرے کو مستفید کر رہے ہیں وہ معاشرے کا عطر ہیں۔

پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحبِ مطالعہ ہی نہیں صاحبِ نظر بھی ہیں انہوں نے سخت مراحل طے کرنے کے بعد فقر کے اس منصب جلیلہ تک رسائی حاصل کی ہے۔ اپنے مطالعہ اور تجربات کو انہوں نے ''فکرِ درویش'' کی صورت منضبط کیا ہے۔

''فکرِ درویش'' میں عبداللہ بھٹی نے تصوف کا مکمل اور بھرپور پس منظر بیان کرنے کے بعد متعلقہ اصطلاحوں کی تشریح بڑی سادہ اور سہل زبان میں کی ہے۔ جو تصوف کے طالب علم کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔ بھٹی صاحب چونکہ صاحبِ علم ہیں اس لیے ان کی محفل میں ان سے راہِ سلوک کی مسافت کے حوالے سے بہت

Marfat.com

سوالات کیے جاتے ہیں ان کے عقیدت مند ان سوالات اور جوابات کی ریکارڈنگ کر لیتے ہیں۔ کتاب کا آخری حصہ ایسے ہی سوالات اور جوابات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں عبداللہ بھٹی صاحب نے بڑے ٹیڑھے اور مشکل سوالات کے جوابات ایسے سہل انداز و بیان میں دیے ہیں کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے۔ ان کی اس عظیم کاوش کو یقیناً اہلِ علم میں بہت پذیرائی ملے گی۔

طارق اسمٰعیل ساگر

Marfat.com

جسے راستہ مل گیا

پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کو راستہ مل گیا ہے، اب وہ ایک معلوم شدہ راستے پر بھاگا جارہا ہے اور لوگ دیوانہ وار اس کے پیچھے ہیں، راستے کا مل جانا بڑے نصیب کی بات ہوتی ہے، انسانوں کی بڑی تعداد آخری دم تک راستے کی تلاش میں رہتی ہے اور ان کے اندر بھٹکے رہنے کا احساس، احساسِ ندامت بن کر پلتا رہتا ہے تا آنکہ وہ خالی ہاتھ اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں.........لیکن جس کو راستہ مل جائے وہ ملال اور ندامت کے حصار سے نکل آتا ہے، غبار چھٹ جاتا ہے اور اس کا راستہ صاف ہو جاتا ہے، ایسا شخص بھرے دامن کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اس کے لئے ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے!

راستہ سکونِ قلب عطا کرتا ہے، منزل کا پتہ معلوم ہو تو سفر آسان ہوتا ہے، منزل نامعلوم ہو تو ایک ایک پاؤں ایک ایک من کا محسوس ہوتا ہے، گمنام راہوں کا سفر انسان کو بے نامی کی موت کے سوا کیا دے سکتا ہے لیکن معلوم راستوں پر مسافر شاداں و فرحاں، خراماں خراماں، پگ گھنگھرو باندھ کر قدم قدم آگے بڑھتا جاتا ہے اور جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو ایک ایک سنگِ میل چراغِ راہ گزر بن چکا ہوتا ہے!

راستہ شریعت کا ہو، طریقت کا ہو یا پھر روحانیت کا، دراصل سب راستے انسانیت کے لئے ہیں، یا یوں کہئے کہ سب راستے انسانیت کے راستے ہیں، ہر نظریہ، ہر کتاب اور ہر طریقہ فلاحِ انسانیت پر منتج ہوتا ہے، اس کائنات سے انسان کو نکال دیا جائے تو یہاں راستوں کا تصور ناپید ہو جائے، خدا کا نائب خدا کے حضور پیش ہونے، اسے راضی کرنے اور اس کی منشا کو پالینے کی تگ و دو میں کائنات کے اندر نت نئے راستوں کی دریافت کرتا ہے، صحیح راستہ صحیح دریافت کی طرف لے جاتا ہے، غلط راستہ غلط دریافت کی طرف، دریافت ہی مقصد حیات ہے! راستہ کوئی بھی ہو کٹھن ہوتا ہے، پھولوں سے لدے راستے کانٹوں کی ٹیس سے بھرے ہوتے ہیں، ایک روحانیت ہی کیا، حضرت انسان نے جدھر منہ کیا، وہ سفر ایک نئی دریافت پر منتج ہوا، یہی وجہ ہے کہ جو شخص

Marfat.com

جہاں مصروفِ عمل ہے، کامیاب ہے........آئن سٹائن کی تھیوری اور خواجہ اجمیر شریف کی نظر اصل میں دونوں ایک ہی ہیں کیونکہ دونوں کا مطمع نظر فلاحِ انسانیت ہے۔!

راستہ تلاش سے ملزوم ہوتا ہے، کوئی بھی راستہ بغیر تلاش کے ختم نہیں ہوتا، ہم ہر روز گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر کا راستہ ناپتے ہیں، گھر سے نکلتے ہیں تو دفتر کی تلاش میں اور دفتر سے نکلتے ہیں تو گھر کی تلاش میں، اب اگر ان دو مقامات کو دو نقاط تصور کر لیا جائے تو دراصل ہم ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک ایک دائرے میں گھومتے ہیں، گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر تک کا دائرہ، اس اعتبار سے ہر راستہ کسی ایک مقام سے دوسرے مقام تک ایک دائرے میں سفر کے سوا کچھ نہیں، بظاہر لگتا ہے کہ ہم نے بہت سا سفر طے کر لیا لیکن حقیقت میں ہم ایک دائرے میں گھوم رہے ہوتے ہیں، دائرے سے مفر ممکن نہیں، کائنات کی ہر شے دائرے میں سفر کرتی ہے، دنیا گول ہے، دنیا ہی نہیں یہ کائنات بھی گول ہے، دائرے کا پھیلاؤ منزل کو چھوٹا بڑا کر دیتا ہے ورنہ منزل بھی راستہ ہی ہے!

پروفیسر عبداللہ بھٹی نے مشکل راستہ چنا، انسانوں سے ماورا راستہ، برصغیر کی مٹی کی تاثیر بھی کچھ ایسی ہی ہے، یہاں ہندومت، بدھ مت، جین مت اور جانے کتنے ہی مذاہب، عقائد، سلسلے اور طریقے من کی دنیا کو پانے کیلئے رائج ہیں، اس خطے میں اسلام عرب تاجرون کے ذریعے آیا، اسلام کے ترویج پانے سے مسجد کا ادارہ وجود میں آیا جبکہ خانقاہی نظام نے پہلے سے اس مٹی میں جڑیں پکڑی ہوئی تھیں، ان دو اداروں نے مولوی اور صوفی جیسی پراڈکٹس معاشرے کو دیں، ایک کے ہاں منطق، دلیل اور لکھی ہوئی بات ہی سند تھی جبکہ دوسرے کے ہاں دیومالائی کردار، مافوق الفطرت عوامل اور ان لکھی باتوں کا راج تھا، پھر یہاں پر ایران، شام، دمشق اور ایسے دیگر علاقوں سے بھی کئی نفوس آبسے جن کے حسب نسب پنجتن پاک سے متعلق تھے، چونکہ برصغیر کا صوفی بھی معرفت کے مدارج بالواسطہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تا حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے طے کرتا ہوا خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے اس لئے یہاں کا مولوی شریعت کو کل علم مان کر ان دو طبقات کی طریقت پر سوالیہ نشان کھڑا کرتا رہا ہے، تاہم اس کے باوجود متحدہ ہندوستان میں صوفیائے کرام اور محبانِ ولایت کا زور رہا تا آنکہ پاکستان معرف وجود میں آ گیا، جس کے قیام کے ساتھ ہی یہاں مولوی طاقتور ہو گیا، اس کی طاقت کے گہرے اثرات پاکستان میں بننے والے ہر آئین کے بنیادی خدوخال میں بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں، مولوی اپنی ساری طاقت کتاب سے کشید کرتا ہے اور انتہائی کنزرویٹو ہوتا ہے، اس کے برعکس مٹی سے جڑے ہونے کے سبب یہاں کا صوفی آج بھی ایک لبرل، سیکولر اور آزاد خیال ذی روح ہے جو اپنی ساری طاقت مٹی سے لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے باسی صوفیا کے ساتھ زیادہ Comfortable ہیں اور ان سے عقیدت کو سرحدوں اور مذاہب کے خانوں میں بانٹنے کے قائل نہیں ہیں۔

Marfat.com

اس ساری بحث کے تناظر میں پروفیسر عبداللہ بھٹی دراصل راہِ حق کا مسافر ہے، بس راستہ مختلف ہے، خدا کی کتاب سے چند الفاظ مبارکہ کا مسلسل ورد اگر ایسے کمالات پر منتج ہوسکتا ہے تو پوری کتاب کا تسلسل سے مطالعہ کیا گل کھلاتا ہوگا، پروفیسر عبداللہ بھٹی کی کل مہارت انسانیت کی خدمت ہے، ان کا سارا علم بے کار ہے جب تک کہ اس کا فائدہ عام آدمی کو نہ ہو، یہی وہ نقطہ ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے، سب سے بڑی ذات خدا کی ہے اور سب کچھ اس کی ذات کا پرتو ہے، انسان کمالِ فن میں کتنا ہی یکتا کیوں نہ ہو جائے، خدا کی خدائی سے باہر نہیں نکل سکتا، بس شیطانی طاقتوں پر غالب آتا ہے اور یہی علم کی معراج ہے، اللہ تعالیٰ پروفیسر عبداللہ بھٹی کے درجات بلند کرے اور ان سے زیادہ سے زیادہ خدمتِ انسانیت کا کام لے، آمین ۔۔۔ ثم آمین

حامد ولید۔

کالم نگار روزنامہ پاکستان لاہور

Marfat.com

فکرِ درویش

خاتم النبین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین رحمتہ للعالمین کا فرمان عالی شان ہے:

اَشَدُّ الْبَلَاءِ الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ ،فَالْاَمْثَل

آزمائش وابتلا سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام گزرے، اس کے بعد وہ جوان (انبیاء) کے قریب ہوں اور اس کے بعد وہ جوان کے قریب ہوں یعنی وہ جو انبیاء کی قربت میں اول الذکر سے نسبتاً کم درجہ رکھتے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری برسوں میں کبار صحابہ کرام ﷺ کے نوجوان صاحبزادے آپ ﷺ کی خدمت پر مامور رہتے۔ ایسے ہی ایک نوجوان صحابیؓ ہمہ وقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف فرما رہے۔ آپ کے وضو کے لئے پانی کا بندوبست کرتے، مسواک توڑ کر لاتے۔ ایک روز حضور اکرم ﷺ نے شفقت بھری نگاہ نوجوان پر ڈالی اور فرمایا: ''اللہ تجھے جزا دے، تو میرا کتنا خیال رکھتا ہے۔ نوجوان صحابیؓ نے فوراً عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے آپ ﷺ سے محبت ہے۔ حضور اکرم نے تبسم فرمایا اور کہا: پھر سے کہو کیا کہہ رہے تھے؟ صحابی نے دوبارہ عرض کیا حضور مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے پھر کہا: کیا کہہ رہے ہو؟ پھر بتاؤ! صحابیؓ نے تیسری بار عرض کیا تو آپ ﷺ یکلخت سنجیدہ ہو کر بولے: ''تو یاد رکھو، مجھ سے محبت کرنے والوں کو آزمائش وابتلا سے گزرنا پڑتا ہے۔'' پس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے دعویدار جان لیں کہ دار البقا میں ان کا یہ دعویٰ اسی وقت درست تسلیم کیا جائے گا، جب دار الفنا میں اس محبت پر کچھ قربان کیا ہوگا۔ ''فکرِ درویش'' ایک ایسے فقیر کی کتھا ہے، جو اللہ کی محبت میں بیقرار ہو کر اس کی جانب بڑھا اور پھر آزمائش وابتلا کی راہ سے گزر کر اس مقام پر جا پہنچا کہ آج وہ خالق اور مخلوق کے ٹوٹے روابط بحال کروا کر ان کے مابین تعلق کو مضبوط بنانے کی اپنی سعی کر رہا ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کو محمد ﷺ بن عبداللہ کے جدِ امجد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اللہ نے نہ

Marfat.com

صرف آپ ﷺ کو اپنا خلیل بنایا، بلکہ قیامت تک اپنے حبیب ﷺ کے نام پر درود بھیجنے والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ خلیل اللہ کے نام کا تذکرہ بھی جاری رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام زندگی آزمائشوں سے پُر ہے اور ان آزمائشوں کی بھٹی میں سے کندن بن کر نکلنے کی بدولت ہی آپ کو یہ مقام عطا ہوکہ جب ایک صحابیؓ نے رسول اللہ سے سوال کیا:

مَاھٰذَ الّاَ ضَاحِی یا رسول اللّٰه

اے اللہ کے نبی یہ قربانی کیا ہے؟ تو آپ نے بڑے فخر سے فرمایا:

سُنَّۃُاَبِیْکُمْ ابراھیم

یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ اسی خلیل اللہ کے بارے میں ایک فرشتے نے اللہ رب العزت سے عرض کیا کہ اے خالق کون ومکان آپ نے جسے خلیل ہونے کا شرف بخشا ہے، مجھے اس کا امتحان مقصود ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا ابراہیمؑ کی تمام عمر تمہارے سامنے ہے۔ ہم نے اسے جتنے امتحانوں سے گزارا، وہ تمہارے مشاہدے کے لئے کافی نہیں، عرض کیا: بے شک وہ آپ کے برگزیدہ بندے ہیں، لیکن مطالبہ ہنوز برقرار ہے۔ فرمایا: جاؤ اجازت ہے، تم میرے خلیل کو میری محبت مین سرشار پاؤ گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنگل مین بکریاں چرارہے تھے کہ فرشتہ آن پہنچا اور نہایت دلکش انداز میں اللہ کا کلام پڑھنے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیقرار ہوکر کہنے لگے: یہ کلام تجھے کس نے سکھایا؟ یہ تو میرے پروردگار کی تعریف ہے جسے سن کر میرا رب مجھے اپنے قریب دکھائی دے رہا ہے، تو مجھے ایک بار پھر یہ سنا۔ فرشتے نے کہا یہ کوئی مفت میں حاصل ہونے والی چیز نہیں، قیمت چکانی پڑے گی۔ آپ کے ریوڑ کی آدھی بکریاں لوں گا۔ فرمایا: منظور ہے۔ فرشتے نے نہایت خوش الحانی سے کلام پڑھا۔ بیقراری میں مزید اضافہ ہوگیا۔ التجا کی: ایک بار مزید سنادے۔ اس نے بقیہ ریوڑ کا مطالبہ کیا۔ آپؑ نے بخوشی قبول کیا۔ فرشتے کی آواز کا جادو اور اللہ کی سچی محبت۔ تڑپ اُٹھے۔ لجاجت بھرے انداز میں کہا: میں تمام عمر یہ بکریاں تیرا غلام بن کر چراؤں گا، بس ایک بار مجھے میرے رب کی تعریف کے الفاظ سنادے۔ فرشتے نے کہا: پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو اپنا خلیل بنایا اے ابراہیم! آپ پر سلامتی ہو۔

محمد عبداللہ خان بھٹی بھی ایسے ہی درویش ہیں جو ہمہ وقت اس سوچ میں مستغرق ہیں کہ اللہ کی محبت کا فیض کیسے عام کیا جائے؟ اللہ والوں کی قربت میں رہ کر سلوک کی منازل طے کرنے والے اس فقیر نے بھی کڑی تپسیا کے بعد خود کو اس قابل بنایا ہے کہ مخلوق خدا کی خدمت کر سکے۔ اللہ کی تمام عیوب سے پاک بے نیاز ذات اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتی ہے لیکن بندوں میں سے کون ہے جو اس کا کامل عاشق ہونے کا دعویدار ہو۔ کتنے ہی منصور اسے پانے کی جستجو میں انا الحق کا نعرہ بلند کرتے ہوئے پیوند خاک ہو گئے۔ عارفین کا کہنا ہے کہ اللہ جسے اپنی ذات کا دھیان نصیب کردے تو اسے خلوص کا پیکر بنا کر اس میں ایسی کشش پیدا کر دیتا

Marfat.com

ہے کہ مخلوقِ خدا اس کی دیوانی ہو جاتی ہے۔

ایسی ہی کشش کے حامل عبداللہ بھٹی ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کو اپنے دل میں سمونے کی کوشش کی

ارض وسما تیری وسعتوں کو نہ پاسکے
یہ میرا ہی دل ہے جہاں تو سما سکے

اللہ کو اپنے دل میں سمو کر اس سے تعلق کو بڑھاوا کیسے دیا جاتا ہے؟ اس کا درس اللہ والے دیتے ہیں۔ یہی فریضہ عبداللہ دے رہے ہیں۔ روحانیت جیسے دقیق موضوع پر ''فکرِ درویش'' ان کی دوسری تصنیف ہے۔ اس سے قبل ''اسرارِ روحانیت'' اپنی مقبولیت کے جھنڈے گاڑ چکی۔ اس لئے انہوں نے اشاعت سے قبل مسودہ مرحمت فرمایا جسے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ درویش کی فکر محض خالق اور مخلوق سے اپنے سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل حل کروانے میں بھی کامیاب ہو سکیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ بھٹی صاحب کے علم، عمر اور خلوص میں برکت عطا فرمائے اور وہ اسی طرح لوگوں کو دین کی فلاح کے طریقے بتاتے رہیں۔

سعد وقاص
ممتاز کالم نگار (روزنامہ پاکستان)

Marfat.com

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

(حسن نثار)

تیرے ہوتے جنم لیا ہوتا
کوئی مجھ سا نہ دوسرا ہوتا

سانس لیتا تو اور میں جی اٹھتا
کاش مکہ کی میں فضا ہوتا

ہجرتوں میں پڑاؤ ہوتا میں
اور تو کچھ دیر کو رکا ہوتا

تیرے حجرے کے آس پاس کہیں
میں کوئی کچا راستہ ہوتا

بیچ طائف بوقت سنگ زنی
تیرے لب پہ سجی دعا ہوتا

کسی غزوہ میں زخمی ہو کر میں
تیرے قدموں میں جا گرا ہوتا

کاش احد میں شریک ہوسکتا
اور باقی نہ پھر بچا ہوتا

تیری کملی کا سوت کیوں نہ ہوا
تیرے شانوں پہ جھولتا ہوتا

چوب ہوتا میں تیری چوکھٹ کی
یا ترے ہاتھ کا عصا ہوتا

تیری پاکیزہ زندگی کا میں
کوئی گمنام واقعہ ہوتا

لفظ ہوتا کسی میں آیت کا
جو ترے ہونٹ سے ادا ہوتا

میں کوئی جنگجو عرب ہوتا
اور ترے سامنے جھکا ہوتا

میں بھی ہوتا ترا غلام کوئی
لاکھ کہتا نہ میں رہا ہوتا

سوچتا ہوں جو تب جنم لیتا
جانے پھر کیا سے کیا ہوا ہوتا

چاند ہوتا ترے زمانے کا
پھر ترے حکم سے بٹا ہوتا

پانی ہوتا اداس چشموں کا
تیرے قدموں پہ بہہ گیا ہوتا

Marfat.com

پودا ہوتا میں جلتے صحرا میں
اور تیرے ہاتھ سے لگا ہوتا
تیری صحبت مجھے ملی ہوتی
میں بھی تب خوشنما ہوتا
مجھ پہ پڑتی جو تیری چشمِ کرم
آدمی کیا میں معجزہ ہوتا
ٹکڑا ہوتا میں ایک بادل کا
اور ترے ساتھ گھومتا ہوتا
آسماں ہوتا عہدِ نبوی کا
تجھ کو حیرت سے دیکھتا ہوتا
خاک ہوتا میں تیری گلیوں کی
اور ترے پاؤں چومتا ہوتا
پیڑ ہوتا کھجور کا میں کوئی
جس کا پھل تو نے کھا لیا ہوتا
بچہ ہوتا غریب بیوہ کا
سر تری گود میں چھپا ہوتا
رستہ ہوتا ترے گزرنے کا
اور ترا رستہ دیکھتا ہوتا
بت ہی ہوتا میں خانہ کعبہ میں
جو ترے ہاتھ سے فنا ہوتا
مجھ کو خالق بناتا غارِ حسن
اور مرا نام بھی حرا ہوتا

Marfat.com

حرفِ آغاز

رب کائنات نے انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے اور اپنا پیغام انسانوں تک پہنچانے کے لیے انبیا کرام علیہم کا سلسلہ قائم فرمایا، انہوں نے درس دیا کہ یہ زندگی عارضی ہے اور دنیا کے لوازمات آرام وآسائش کے لیے تو ضرور ہیں لیکن اگر کوئی انسان اِن میں ڈوب جائے تو وہ صراطِ مستقیم سے دور ہو جاتا ہے انبیا کرام علیہم السلام نے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کے کچھ اصول بتائے ہیں جو درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے وسائل کو مقصدِ حیات نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ نے جو بھی نعمتیں عطا کی ہیں اُنہیں شکر کے ساتھ استعمال کرو ترجیح اول اور زندگی کا مقصد صرف اور صرف اللہ کو ہونا چاہیے کیونکہ اُسی نے تمھیں اور تمہارے وسائل کے علاوہ تمام جہانوں کو تخلیق کیا ہے۔

اب مختلف وقتوں اور قوموں تک ان قواعد وضوابط کو عوام تک پہنچانے کے لیے صحیفے اور آسمانی کتب نازل فرمائیں۔لہٰذا یہ تمام انبیا کرام علیہم السلام اپنے اپنے وقتوں میں اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے۔

آخر میں پیارے آقا محمد ﷺ نے پوری نوع انسانی کو اللہ کا پیغام پہنچایا آپ ﷺ کے وصال کے بعد رشد وہدایت تلقین اور تبلیغ کا کام صحابہ اور صحابہ کرام کے بعد اولیا اللہ نے سنبھال لیا اور ان قدسی نفس حضرات نے ہر دور میں بہت احسن طریقے سے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ان اولیا کرام کی خدمات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔اسی دوران عباسی خلفا کے دور میں یونانی فلسفیوں کی کتابوں کے تراجم جب اسلامی معاشرے میں آئے تو زبردست انتشار اور بحث ومباحثے شروع ہو گئے اور بات یہاں تک جا پہنچی کہ قرآنی علوم، آخرت، معراج اور معجزات جیسی حقیقت کو یونانی فلسفہ کی عینک سے دیکھا جانے لگا اور عام مسلمان بھی شکوک کا شکار ہونے لگے تو اس طوفانِ بدتمیزی کے آگے ہمیشہ کی طرح مشہور صوفیا کرام حضرات بایزید بسطامی، شیخ داود طائی، ذوالنون مصری، رابعہ بصری، بشر حافی، ابوبکر شبلی، سری سقطی، جنید بغدادی اور سلسلہ چشتیہ کے امام

Marfat.com

حضرت ممشاد دینوری نے بند باندھے اور خوب ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا اور مخالفین کو شکست دی۔ معاشرتی انتشار وخلفشار کو ختم کرنے کے لیے ہر دور میں اولیا کرام نے تزکیہ نفس، قلب وسکون، مشاہدہ، سکون اور باطنی مشاہدات اور اسرار کے لیے کتب تصنیف کیں امام غزالی نے معاشرتی دوام اور اخلاقی برائیوں کے خاتمے کے لیے اور اصلاح کے لیے احیائے العلوم اور کیمیائے سعادت جیسی شہرہ آفاق کتابیں لکھیں سلسلہ قادریہ کے امام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی نے لوگوں کی روحانی اصلاح کی اور تزکیہ نفس کے لیے روحانی سالکین اور عام لوگوں کی راہنمائی کی۔

حضرت عثمان ہارونی نے حضرت ممشاد دینوری کے قائم کردہ سلسلہ چشتیہ کو ترقی دی، آپ کے عظیم ترین شاگرد رشید (مرید) میری جان آپ پر قربان میرے شاہ اجمیر عطائے رسول نائب رسول، سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری المعروف خواجہ غریب نواز نے کفرستاں یعنی ہندوستان میں اسلام کی ترقی اور روحانی قدروں کے فروغ میں شاندار اور بے مثال کوششیں کیں اور لاکھوں لوگوں کو مسلمان کیا اور آج بھی لاکھوں لوگ آپ کے مزار مبارک سے فیوض وبرکات سمیٹ رہے ہیں اور اپنے خالی دامن انوارات سے بھر رہے ہیں۔

آپ کی کتابیں انیس الارواح اور دلیل العارفین روحانی طالبین کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ تحریر کر کے قیامت تک آنے والے روحانی سالکین اور تصوف کے طالب علموں پر احسان عظیم کیا ہے۔ اس کتاب کی دنیائے تصوف میں نظیر نہیں ملتی آپ نے تصوف پر 150 سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف تصنیف فرمائی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے روحانی درس کو کون فراموش کر سکتا ہے اور آپ کی لاجواب شاعری آج تک سالکوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اس کے بعد یکے بعد حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، ابوالحسن رفاعیؒ، سلطان سخی سرورؒ، قطب الدین بختیار کاکیؒ، علاؤ الدین صابر کلیریؒ، ابوالحسن شاذلیؒ، بوعلی شاہ قلندر پانی پتیؒ، صدر الدین عارفؒ، شیخ حمید الدین ناگوریؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، ابوالفتح رکن الدینؒ، مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، بندہ نواز گیسودرازؒ، شرف الدین پانی پتیؒ، اشرف جہانگیر سمنانیؒ، عبدالقدوس گنگوہیؒ، سعدی شیرازیؒ، شمس تبریزؒ، جلال الدین رومیؒ، امیر خسروؒ اور حافظ شیرازیؒ نے باطنی حقائق کی پردہ کشائی فرمائی۔ سلسلہ نقشبندیہ کے امام بہاؤ الحق نقشبند خواجہ باقی باللہؒ، ابوالمعالیؒ، میاں میر قادری، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عرفان نفس اور عرفان الٰہی کی تلقین فرمائی۔ اسی دور میں سلطان باہوؒ، رحمٰن باباؒ، بابا بلھے شاہؒ، شہباز قلندرؒ، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، اور سچل سرمستؒ، پیر مہر علی شاہؒ، عبداللطیف کاظمیؒ (بری امام سرکار) میاں شیر محمد شرقپوریؒ، حضرت داتا علی ہجویریؒ، پیر جماعت علی شاہؒ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے روحانی مشن کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا۔

یہ تمام نفوسِ قدسیہ نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو قرآن مجید کی روشنی میں لوگوں کو یہی بتایا کہ یہ دنیا عارضی ہے اصل دنیا اس دنیا کے بعد دوسری دنیا ہے جہاں موت کے بعد جانا ہے اِن عظیم اولیا کرام نے

Marfat.com

روحانیت، تصوف کے اسرار و رموز واشگاف الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔ اور ہر دور میں روحانی علوم کی تشریح اِس طرح کی عام لوگوں کو روحانی دنیا کے مشاہدات، تجربات کا واضح ادراک ہوا۔

فقیری اور درویشی اللہ کی خاص عنایت ہے وہ بے نیاز ہے چاہے تو ساری زندگی کی عبادات قبول نہ کرے اور چاہے تو ایک لمحے کی توبہ پر چور کو قطب بنا دے۔ میں نے زندگی کے بارہ سال مری کی پہاڑیوں پر ریاضت میں گزارے اور مجھ پر اللہ کا خصوصی کرم رہا کہ اس نے مجھ ناچیز پر بہت شروع میں ہی نظر کرم فرما دی اور مجھے ایسے ایسے روحانی تجربات نصیب ہوئے، ایسی ایسی فیوض و برکات میرا مقدار بنیں جن کا شائد عام حالت میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس دوران جو جو واردات قلبی میرا نصیب بنیں میں اُنہیں اپنے پاس محفوظ کرتا رہا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ زندگی نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ اس سے آگے کی سوچتا۔ دن رات میں اپنی دُھن میں مگن اپنے مالک کو منانے اور اُس کی رضا حاصل کرنے میں مصروف رہا۔

بس بہت جان لیوا تجربات سے گذرنے کے بعد اپنے مالک کی عطا سے کسی قابل ہوا تو خلقِ خدا نے آن لیا۔ ہر دوسرا بندہ کسی نہ کسی عذاب میں گرفتار ہے۔ ایسے ایسے پریشان کن مسائل سے دوچار کہ جن کو سوچ کر ہی دل لرز جاتا ہے۔ میں نے الحمدللہ خود کو ایسے پریشان حال لوگوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اس دوران یہ بات میرے تجربات میں آئی کہ بعض عاقبت نااندیش لوگ جنہوں نے پیروں اور ماہرین عملیات کا روپ دھار رکھا ہے۔ دن رات بے چارے پریشان حال لوگوں کو نہ صرف لوٹ رہے ہیں بلکہ اُن کے لیے مزید پریشانی کا باعث بن رہے ہیں۔ اس پریشان کن صورتحال سے عوام الناس کو نکالنے کے لیے میں نے اپنے روحانی تجربات آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا عزم کیا ہے میں اپنے پاس محفوظ وہ تمام روحانی فیوض و برکات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں انشاءاللہ یہ آپ کے لیے دین و دنیا کی برکات حاصل کرنے کا باعث بنیں گے۔

یہ میری کتاب فکرِ درویش بھی اس احقر عاجز فقیر کی اولیا کرام کی تعلیمات، سلوک، معرفت تصوف کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ایک ایسی امانت جو ہم تک پہنچی اور ہم نے اپنے عقیدت مندوں روحانی سالکین اور متلاشیان حق بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے پیش کر دی ہے۔

احقر فقیر،

پروفیسر عبداللہ بھٹی

0333-9999156،0300-4352956

ملنے کا پتہ: ادارہ ترقیات روحانیات، 234 پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور، پاکستان

help@noorekhuda.org

Info@noorekhuda.org ،www.noorekhuda.org

Marfat.com

مسافت

میں کون ہوں؟ کیوں ہوں؟ کیا ہوں؟

دنیا کے ہر باشعور انسان کو کبھی نہ کبھی خود سے ان سوالوں کے جوابات مانگنے پڑتے ہیں۔ دراصل یہی معلوم سے نامعلوم یا پھر نامعلوم سے معلوم کا سفر ہے۔ انسان یعنی میں محمد عبداللہ بھٹی وجود اندر وجود ایک چھوٹا سا جرثومہ ہوں۔ کائنات کی وسعتوں کی تلاش کے سفر پر نکلا ہوں۔ یہ تلاش کا سفر کیسا جان لیوا ہے۔ کتنا پر خطر ہے، کتنا پیچیدہ اور ٹیڑھا میڑھا ہے۔ اس کا احساس اس راہ کی مسافت پر نکلنے والے ہی کر سکتے ہیں۔ جس تن بیتے وہ تن جانے۔

جدید دور کا اپنی خواہشات کے چنگل میں پھنسا انسان جس کے لیے ہر اگلے قدم پر کوئی نہ کوئی ترغیب، تحریص اور پھندا موجود ہوتا ہے۔ اس راستے کے کانٹوں سے اپنا دامن کیسے بچائے؟ اپنی راست فکری کو کیسے برقرار رکھے اور خود کو یہ یقین کیسے دلائے کہ اس کی سمت صحیح ہے اور وہ ایک روز منزل پر ضرور پہنچ جائے گا۔

حسین بن منصور حلاج نے ''طواسین'' میں لکھا ہے۔

''جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو حقیقتاً پہچان لیا۔ اس نے اپنے وجود کو معروف کے وجود سے بھی زیادہ عظیم اور بزرگ تر کر لیا، کیونکہ جو شخص کسی شے کو اس کی حقیقت کی تہہ تک پہنچ کر پہچان لیتا ہے۔ وہ دراصل اس شے سے بھی زیادہ قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے۔''

یہ حقیقت ہے کیا؟ جس کو شناخت کرنے کی جستجو انسان کو ساری زندگی تڑپائے رکھتی ہے جو اسے جان گئے انہوں نے گویا زندگی ہی میں کئی زندگیاں پا لیں۔ نامعلوم کی تلاش ایسا سفر ہے جس میں مسافر خود گم ہو جاتا ہے۔ زمان کیا ہے؟ اور مکان سے پہلے وہ کس صورت میں تھا؟ وہ جو گہری دھند میں کہیں دور تا حدِ نگاہ دکھائی نہ دینے والی دھند میں چھپا بیٹھا ہے وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ ہمارا اس سے تعلق کیا صرف خالق اور تخلیق کا ہے یا اس

Marfat.com

اسرار میں، میرا بھی کوئی کردار ہے؟ یہ تھے وہ سوال جو مجھے بچپن ہی سے بے چین رکھتے تھے۔

میں نے سوالات کے جوابات حاصل کرنے میں نگر نگر کی خاک چھانی ہے، صحراؤں، دریاؤں، جنگلوں، پہاڑوں میں گھوما ہوں۔ در در کا سوالی بنا ہوں۔ کہیں سے کچھ بھیک ملی، کہیں سے کچھ، فقیر کا کاسا اسی طرح بھرتا ہے۔ میں نے سفرِ آغاز پر ہی جان لیا تھا کہ مقدر سے زیادہ اور وقت سے پہلے کہیں سے، کسی کو، کچھ نہیں ملتا۔ میں ہمیشہ اس پر شاکر رہا ہوں۔ صبر اور ریاضت کو میں نے اپنا شعار کیا اور اپنی دھن میں مگن آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ بالآخر ایک روز میں سرکار امام بریؒ کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ جنہوں نے مجھے سینے سے لگایا، اپنا بنایا اور تلاش کے اس سفر کو سنگِ میل عطا کر دیا۔

میری پیدائش پھولنگر کے قریب ہیڈ بلوکی روڈ پر ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں پر روحانیت کو ماننے والا ایک بھی نہیں تھا۔ میرے آبا و اجداد ہیڈ بلوکی دریائے راوی کے کنارے گاؤں میں آباد تھے۔ بہت بڑا سیلاب آیا اور پورا کا پورا گاؤں سیلاب میں بہہ گیا۔ تو میرے بڑے اس گاؤں میں آ کر آباد ہو گئے۔ اس گاؤں میں بزرگوں کو نہ ماننے والے رہتے ہیں۔ میرے والد صاحب عشقِ رسول اور روحانیت کے ماننے والے تھے۔ والد صاحب اپنے مرشد صوفی کمال دین صاحب کے مرید تھے اور ساری عمر اپنے مرشد سے عشق کرتے رہے۔

میرے نانا جی مولوی احمد دین صاحب قیامِ پاکستان سے پہلے دہلی سے اسلامی تعلیم اور حکمت سیکھ کر آئے۔ انہوں نے آ کر اوکاڑہ کے قریب رینالہ خورد میں حکمت کی دکان کھولی اور ساتھ ہی مسجد میں امامت بھی کرنے لگے۔ نانا جی بزرگانِ دین سے عشق کرتے تھے۔

نانا جی کے بعد ہمارے ماموں ہارون رشید صاحب نے حکمت کی دکان کو رشید دواخانہ بنایا۔ ماموں جی بہت بڑے ولی اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ماموں جی کے بعد ان کے ہونہار بیٹوں ساجد رشید اور عبداللہ رشید نے دواخانہ کو سنبھالا۔ آج یہ دواخانہ یرقان کے لیے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ نانا جی، ماموں جی اور آج کل ان کے بیٹے عبادت سمجھ کر لوگوں کا علاج کرتے ہیں۔ بہت سستا علاج اور غریبوں کا مفت علاج کرتے ہیں۔ میرے تایا جی حاجی عبدالرحمٰن صاحب بھی بہت بڑے ولی اور حکیم تھے ان کے ہزاروں مرید تھے۔ میرا بچپن ماموں جی اور تایا جی کے سائے میں گزرا۔

تایا جی کی بے شمار کرامتیں لوگ آج بھی یاد کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی موت کا دن پہلے سے ہی بتا دیا تھا۔ تایا جی 105 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ ماموں جی اور تایا جی کا آپس میں روحانی رابطہ رہتا تھا۔ ٹیلی پیتھی یا روحانی وائرلیس سے یہ آپس میں رابطہ کرتے تھے۔

ماموں جی اور تایا جی کی روحانی توجہ کے ساتھ ساتھ مجھے والد صاحب اور تایا جی کے بزرگ دوست بابا جمال دین کا بہت فیض ملا۔

Marfat.com

بابا جمال دین صاحب قصور شہر میں رہتے تھے اور اکثر ہمارے گھر آتے تھے۔ بابا جمال دین قوالی کے دیوانے تھے حال پڑ جاتا۔ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اکثر مجھے اپنا جھوٹا کھلاتے ٹافیاں دیتے بابا جمال دین دست غیب کے عامل تھے۔ ان کی جیب ہمیشہ نوٹوں سے بھری رہتی۔ بابا جمال دین اور ماموں جی اکثر ایک مست بابا جی کے پاس جاتے تھے جو دریا کنارے رہتے تھے۔ بابا مست نے بہت ساری بلیاں اور بطخیں پال رکھیں تھیں اور وہ پرانے موٹر سائیکل ٹھیک کرتے رہتے تھے صاحبِ کرامت تھے۔

بابا جمال دین مجھے اکثر بابا مست کے پاس لے جاتے تھے۔ بابا مست دریا میں نہار ہے ہوتے تھے بابا جمال دین مجھے دریا میں بابا مست سرکار کی طرف اچھال دیتے اور میں بابا مست کے ساتھ اکثر نہاتا تھا۔ میں بچپن سے ہی تیراکی کا ماہر ہو گیا تھا۔

بابا جمال دین ایک باغ میں جاتے تھے۔ وہاں مختلف اقسام کے پھلوں والے درخت تھے وہاں جو بابا جی ڈیوٹی پر تھے اتنے طاقتور بزرگ تھے کہ کئی چیزیں غیب سے منگوا لیتے تھے میں شوق سے باغ میں جاتا تھا۔

بابا جمال دین اکثر نہر کنارے جھونپڑی میں بھی جاتے وہ بابا جی سب کو قہوہ اور رس پیش کرتے۔ مجذوب تھے جو کہتے وہ ہو جاتا۔ بیٹھ بیٹھ کے کبڑے ہو گئے تھے۔ ولی کامل تھے۔ جب میں نے پرائمری تعلیم حاصل کی تو مجھے اوکاڑہ میں حکیم ماموں جی کے گھر بھیج دیا گیا۔ ماموں مجھ سے بہت پیار کرتے وہ مجھے اکثر ایک بزرگ جو قریبی نہر کے کنارے پر رہتے تھے۔ جنہوں نے لوہے کے سنگل پہنے ہوتے اور بہت کم بولتے تھے کے پاس لے جاتے۔ ان سے میرے حق میں دعا کرواتے تھے۔ ماموں اکثر ایک سنیاسی بابا کے پاس جاتے جو حکمت کا بادشاہ تھا۔ سونا چاندی اور کشتے بناتا ہر چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا۔ نیک بزرگ تھے غریبوں کی مدد اور بچیوں کی شادی کرنے کے لیے اکثر خیرات کرتے لیکن اپنا بھید کسی کو نہیں دیا۔

ہمارے خاندان میں ایک صوفی عبدالمالک صاحب تھے جو سورۃ یٰسین کے عامل تھے۔ آخری عمر میں بیماری میں جب ایکسرے کیا تو ایکسرے میں سورۃ یٰسین آ گئی جوان کی مشہور کرامت تھی۔ لوگ آج بھی ان کو یاد کرتے ہیں وہ پیدل انتہائی برق رفتاری سے سفر کرتے وہ سیر الارض کے عامل تھے۔ چند لمحوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے۔ ماموں جی اکثر ان سے ملنے جاتے تھے۔ میں ان کے ہمراہ ہوتا۔ ماموں جی ایک مجذوب کے پاس بھی لے جاتے تھے۔ جو زخمی ہوتا آپ ان کی پٹی کرتے وہ عالم غیب سے شربت پھل اور زردہ کھلاتے ماموں جی ان سے راز و نیاز کی باتیں کرتے۔ بابا جی کا پورا جسم زخموں سے چور ہوتا۔ لیکن صاحب امرو کرامت تھے۔ ابھی میں ماموں کے گھر ہی تھا کہ بابا جی کا وصال ہو گیا۔

بچپن کی یہ مختصر یادیں ہیں جو میرے لاشعور میں محفوظ ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ میرے ماموں جی نے جو خود صاحبِ کرامت تھے مجھے شعوری طور پر سلوک کے اس راستے کا مسافر بنا دیا۔

Marfat.com

راہِ سلوک کی مسافت

(Journey into the realm of Mysticism)

راہِ سلوک کے ہر طالب کو سب سے زیادہ یہ سوال بے چین کیے رکھتا ہے کہ اس راستے کی مسافت وہ کیسے طے کرے۔ کیونکہ قدم قدم پر بھٹکنے (go astray) کے خطرات موجود ہیں تزکیہ نفس کو بنیاد بنا کر اس سفر کا آغاز کیا جاتا ہے اور شریعتِ محمدیؐ اسکی راہبر ہے۔ لفظ شریعت کا مادہ (origin; root)۔ ش۔ ر۔ ع ہے اور اس کا لغوی معنی (literal meaning; denotation) ہے وہ سیدھا راستہ جو واضح ہو۔ یعنی ''بندوں کے لیے زندگی گزارنے کا وہ طریقہ جسے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا اور بندوں کو اس پر چلنے کا حکم دیا۔ (جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جملہ اعمالِ صالحہ)''۔ لغت کی ایک کتاب ''مختار الصحاح'' میں شریعت کے اصطلاحی معنی (intended meaning; connotation) یہ درج ہیں۔ ''شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بطور ضابطہ حیات جاری فرمائے ہیں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ شرع اور شریعت سے مراد دین کے وہ معاملات و احکامات ہیں جو اللہ نے بندوں کے لیے بیان فرما دیئے اور جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ ضابطہ حیات (code of life) سے ثابت ہیں۔ شریعت سے اوامر و نواہی، حلال و حرام، فرض، واجب، مستحب، مکروہ، جائز و ناجائز اور سزا و جزا کا ایک جامع نظام استوار ہوتا ہے۔ شریعت ثواب و عذاب، حساب و کتاب کا علم ہے۔ شریعت کے اعمال دین کے اندر ظاہری ڈھانچے اور جسم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''شریعت دراصل قرآن و سنت پر مبنی اوامر و نواہی کا وہ نظام ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے عمل کو منظم اور منضبط (systematise) کرتا ہے۔''

طریقت (mysticism) درحقیقت شریعت (religious law) ہی کا باطن (interior; reality) ہے۔ شریعت جن اعمال و احکام کی تکمیل کا نام ہے ان اعمال و احکام کو حُسنِ نیت اور حُسنِ اخلاص کے

Marfat.com

کمال سے آراستہ کر کے نتائج شریعت کو درجۂ احسان پر فائز کرنے کی کوشش علم الطریقت اور تصوف کی بنیاد ہے۔ شیخ احمد سرھندی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ''شریعت وحقیقت ایک دوسرے کا بالکل عین (replica) ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہیں۔فرق صرف اجمال وتفصیل، کشف واستدلال، غیبت و شہادت اور عدم وتکلف کا ہے۔'' اس کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھ لیجیے: اگر کوئی شخص ظاہری شرائط وارکان کے مطابق نماز ادا کرتا ہے تو فرضیت کے اعتبار سے اس کی نماز ادا تو ہو جائے گی لیکن اس کے باطنی تقاضے پورے نہیں ہوں گے اس لیے نماز میں جس طرح اس کا چہرہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ اس کے قلب وروح کا قبلہ بھی رب کعبہ کی طرف ہو اور جسم کے ساتھ ساتھ اس کا قلب اور روح بھی خالقِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو یہ قلبی اور باطنی کیفیات ہیں جس سے بندے کو روحانی مشاہدہ (religious experience) نصیب ہوتا ہے اور ایمان اور اسلام دونوں کو جلا ملتی ہے۔تصوف کا منشا انہی روحانی کیفیات کو اجاگر کرنا ہے۔ اس روحانی ترقی اور فروغ کے لیے جو طریقے وضع کیے گئے انہیں طریقت کہتے ہیں۔ان طریقوں کو اصطلاحاً علم التزکیہ وعلم التصوف بھی کہتے ہیں وہ بزرگ ہستیاں جنھوں نے قلب و باطن کی تطہیر اور اصلاح وتصفیہ کی خیرات اخلاقی وروحانی تربیت سے امتِ مسلمہ میں تقسیم کی وہ صوفیا کرام اور اولیا اللہ کہلاتے ہیں۔شریعت کے بغیر طریقت کی راہ پر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دین میں ملحد وزندیق ہیں۔ایسے فرد یا افراد کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ شریعت اور اسلام میں کسی شخص کے لیے کوئی استثنیٰ اور چھوٹ نہیں۔علم باطن وہی قابلِ قبول ہے جو شرعی علم ظاہر کا پابند ہو۔ظاہر باطن (appearance and reality) لازم وملزوم ہیں۔مثلاً جب کوئی چوری کرتا ہے تو وہ گناہ ایک سیاہ نقطے کی طرح اس کے قلب پر لگ جاتا ہے اور اس کا جو نقش انسان کے دل اور روح پر ثبت ہوتا ہے اور کیفیات اس کے اندر مرتب ہوتی ہیں اسے باطن سے تعبیر کرتے ہیں۔اس سے پتا چلا کہ باطن ظاہر سے نکلا ہے۔اسی طرح جب ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، حج اور عمرہ ادا کرتے ہیں۔الغرض جو بھی نیک عمل کرتے ہیں اس کا اثر قلب وروح پر ہوتا ہے اور اس کا عمل ایک نور بن جاتا ہے۔جس سے اس کا دل منور (illuminated) ہو جاتا ہے۔یہی اس عمل کا باطن ہے، اس سے ظاہر اور باطن کے تعلق کا پتا چلتا ہے اگر ظاہر ہی نہ ہو تو باطن کہاں سے آئے گا۔علم دین کا ظاہر ہو یا باطن یہ سارے چشمے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے اتباع سے پھوٹتے (spring) ہیں۔جس علم کا ماخذ، منبع اور چشمہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں پھوٹتا وہ باطل و مردود ہے۔صرف وہی دین قابلِ قبول ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک سے صادر (sanctioned) ہو۔سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کے احکام کی عملی تفسیر ہے اور قرآن و سنت پر مبنی اوامر ونواہی کا نظام ہی تو شریعت کہلاتا ہے۔قرآن مجید نے کئی مقامات پر واضح طور پر بیان فرما دیا۔

Marfat.com

''جو کچھ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لیا کرو اور جس سے منع فرمادیں اس سے رک جاؤ۔'' اس لیے ایسی شریعت جس میں شریعت کا اتباع نہ ہو یا جو شریعت سے ہٹ کر ہو وہ باطل اور نا قابل قبول ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شریعت کا علم رکھنے والا شخص، شیطان کے مقابلے میں ایک ہزار عبادت گزاروں سے افضل ہے۔'' اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''جس نے فقہ یعنی علم ظاہر حاصل کیا مگر تصوف کو چھوڑ دیا وہ فاسق (sinful) ہوا جس نے علم باطن کو لے لیا اور فقہ وشریعت کے ظاہری علم کو چھوڑ دیا وہ زندیق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا پس اس نے حق کو پالیا۔''

احسان اور تصوف کا عقیدے سے تعلق ایسے ہی ہے جیسے عقیدے کا عمل سے یا جسم کا روح سے تعلق ہے۔ اسلام اگر ایک عقیدہ (creed) ہے تو احسان (compassions; fellow-feeling) اس کی عملی صورت کا نام ہے۔ عقیدہ جب تک عمل کا روپ نہ دھارے وہ ایک بے جان لاشے کی مانند ہے۔ اس کی حقیقت وہم سے زیادہ نہیں۔ ہمارا ایمان وعقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے وہ وحدہ لاشریک ہے، اگرچہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے لیکن اس کا بار بار اظہار کر کے بھی ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک یہ عقیدہ ہمیں عملاً اللہ کے سوا ہر چیز کے خوف سے بے نیاز نہ کر دے لیکن روزمرہ زندگی میں ہمارا عمل اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ ہم اللہ کے سوا ہر چیز سے ڈرتے ہیں۔ ہم سرمایہ ودولت اور جاہ ومنصب کے پجاری ہیں۔ ہمارے اندر سے اللہ کا خوف رخصت ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود ہم شرک کا انکار بھی کرتے ہیں ظاہر و باطن اور قول وفعل کے اس تضاد سے عقیدہ اور قوتِ عقیدہ محض خام خیالی کے سوا اور کچھ نہیں؟ دراصل عقیدہ یا ایمان صرف اسی وقت زندہ قوت بنتا ہے جب وہ عمل کے سانچے میں ڈھل جائے اور ایسا ہونا قوت یقین کے بغیر ممکن نہیں۔ واضح رہے کہ یقین مشاہدے سے آتا ہے اور ایمان کو مشاہدہ حق کے مقام تک پہنچا دینا ''مرتبہ احسان'' کہلاتا ہے، جس کے حصول کا ذریعہ تصوف وطریقت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ صرف تصوف ہی مذہبی (religious experience) واردات کی وہ صورت ہے جو تعلیماتِ اسلامی اور کیفیاتِ ایمانی کے عملی روحانی تجربہ سے نمو حاصل کرتی ہے، یہی مشاہدہ کا وہ نظام ہے جس سے عقائد کی کیفیات کا باطنی مشاہدہ ہوتا ہے۔ تصوف ہی وہ علم ہے جو عقیدہ اور ایمان کی عملی تصدیق کرتا ہے۔ جب تصوف کے ذریعے مشاہدہ عقیدے کی تصدیق کر دے تو عین الیقین کے نتیجے میں وہ عمل وجود میں آتا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت مضمحل اور نابود (enervate and eliminate) نہیں کرسکتی۔ احسان کی دو قسمیں ہیں۔ احسان مع الخالق (خالق کے ساتھ احسان کا تعلق) احسان مع الخلق (مخلوق کے ساتھ احسان کا تعلق) جب بندے کا اللہ کے ساتھ بندگی کا تعلق حسین ہو جائے اور وہ اللہ کے نازل کردہ احکامات اور فرائض وحقوق کو بدرجہ احسن ادا کرے۔ جب بندہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ کی رضا (the will of Allah) کے لیے اپنا تعلق حسین بنالے، اللہ کے بندوں کے ساتھ اس کا معاملہ حسنِ عمل پر مبنی ہو، وہ

Marfat.com

سراپا ایثار و قربانی بن کر ہمیشہ دوسروں کے کام آئے۔ اس کے ہاتھ اور زبان سے کبھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے، وہ اپنے جان و مال اور رزق و دولت، علم و عمل سب کچھ اللہ کی مخلوق کی خدمت کے لیے وقف کر دے، اپنا سکھ چین قربان کر کے دکھی انسانیت (the suffering humanity) میں سکھ بانٹے تو بندے کا اللہ کے بندوں کے ساتھ ایثار کا یہ عمل ''احسان'' کہلاتا ہے اور اسے ہی احسان مع المخلوق کہتے ہیں۔ احسان کے فضیلت کے اعتبار سے دو درجے ہیں۔ 1- اعلیٰ درجہ۔ 2- ادنیٰ درجہ۔

احسان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جب بندہ اپنے خالق کے ساتھ اپنا تعلق بندگی حسین بنا لے اور اللہ کے ساتھ اپنے معاملے کو حسنِ تعلق اور حسنِ عمل پر استوار کر لے تو وہ احسان کے اونچے درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس درجے کی بھی آگے دو قسمیں ہیں۔ مرتبہ اولیٰ جس کو حدیث جبریل میں حالت مشاہدہ (observation) قرار دیا گیا ہے اور دوسرا مرتبہ حالت مراقبہ (meditation) کا ہے۔ جب بندہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اپنا تعلق حسین بنا لے تو وہ بھی صاحبِ احسان ہوتا ہے۔ یہ احسان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ ''احسان'' وہ عظیم فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت زیادہ پسندیدہ اور محبوب ترین عمل ہے۔ احسان پر مبنی تعلق خواہ اللہ کے ساتھ ہو یا اس کی مخلوق کے ساتھ دونوں اعتبار سے ایک عظیم عمل ہے۔ دراصل یہ ایک ایسا حسین عمل ہے جس میں حسن کی کوئی حد اور مقدار مقرر نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی احسان کرنے والوں کا اجر بھی بے حد اور بے اندازہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہے۔'' اس لیے اہلِ ایمان و اسلام کے لیے تو جنت انہار اور جنت عدن کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور کامل مومنوں کے لیے جنت رضوان کا لیکن احسان کی روش پر چلنے والوں کے باب میں قرآن مجید نے فرمایا۔ ''اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے بلکہ (اس پر) اضافہ ہے اور نہ ان کے چہروں پر (غبار اور) سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت و رسوائی (ignominy)، یہی اہلِ جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' تمام مفسرین قرآن اور آئمہ محدثین نے الحسنیٰ سے جنت قربت مراد لی ہے اور یہ دوسرے درجے پر فائز احسان والوں کا اجر ہے اور اعلیٰ درجہ کے احسان پر قائم لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے لیے اس سے اور بھی زیادہ ہے یعنی جنت تو ملے گی ہی مگر ایک نعمت اس جنت سے بھی بڑھ کر ملے گی اور وہ دیدارِ الٰہی ہے جس کا کوئی بدل (substitute) نہیں اور وہ صرف اللہ کا فضل و احسان ہے۔ احسان اور تصوف دراصل ایک ہی حقیقت کے دو رخ اور ایک ہی موضوع کے دو عنوان ہیں۔ احسان قلب و باطن کی وہ روحانی کیفیت ہے جو مقصودِ عبادت ہے اور اسے حاصل کرنے کا طریقہ 'تصوف' کہلاتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ احسان جس کیفیت کا اجمالی (in a nutshell) ذکر ہے تصوف اس کی تفصیل ہے۔ تصوف کو سلوک بھی کہتے ہیں اور اس راستے پر چلنے والے کو سالک کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

راہِ سلوک کی منازل

اب راہِ سلوک کی کچھ منازل (stages) کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے کیونکہ جب تک ہم معرفت الٰہی، تصوف، طریقت، اتباع مرشد، مرشد حق اور ذکر و فکر وغیرہ جیسی اصطلاحوں کے مطالب نہیں سمجھیں گے بات واضح نہیں ہو گی۔ مطمئن رہیے میں آپ کو فلسفیانہ موشگافیوں (complications and intricacies) میں الجھا کر اپنی نام نہاد علمیت کی دھاک بٹھانے نہیں جا رہا بلکہ اپنے ناقص مطالعے اور سب سے بڑھ کر قرآن و حدیث سے کچھ حوالے لے کر آپ کو اس دنیا کے کچھ اسرار سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

یہ ہماری بدقسمتی ہی ہے کہ مادہ پرستی کے اس دور میں روحانی تصرفات (benefits) و مشاہدات کا انکار کیا جا رہا ہے اور بزرگان دین اولیائے کرام و فقرائے محمدی کے مشاہدات کو ایک وہم (superstition/illusion) قرار دیا جاتا ہے۔ بعض علماء ظاہر بھی اس پر معترض ہوئے ہیں اور انہوں نے ان مشاہدات حضوری و تصرفات کو خلافِ شریعت گمان کیا ہے۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ اس علم سے بے بہرہ ہیں یا پھر وہ بغض، عناد اور حسد کے باعث اس کا انکار کر بیٹھے ہیں اور ضد نے انہیں حق کی طرف رجوع کرنے سے روک رکھا ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ مولانا اللہ یار خان دامت فیوضہم نے ''اسرار الحرمین'' میں بیان فرمایا ہے کہ کیا ہی اچھا تھا کہ نور معرفت اور اسرار فقر سے بے بہرہ لوگ ضد و حسد میں اعتراض کرنے کے بجائے اپنی علمی بے بضاعتی (intellectual inadequacy) کا اعتراف کر لیتے۔

علمی ناواقفیت کی بنا پر جو لوگ منکر ہوئے، امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ کریم معاملہ روشن فرما دیں تو شاید رجوع کر لیں۔ لیکن صلحاء سے حسد تو ایک ایسا مرض ہے جس کا علاج ہی ممکن نہیں۔ آخر اس بات کا کیا علاج ہو جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں مرد کو کیوں نوازا ہے اور ہمیں کیوں نہیں نوازا۔ حسد کی آگ ہمیشہ انہیں جلاتی رہے گی۔ جیسا کہ صاحب فتح الملہم نے اس کے صفحہ 74 جلد نمبر 1 میں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ یہ اللہ کا فضل ہے جس کے چاہے شامل حال کردے۔

"ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْ تِیۡہِ مَنْ یَّشَاءُ"

بہرکیف زبان طعن تو اللہ تعالیٰ کے مقبول و برگزیدہ (distinguished and dignified) پیغمبروں پر بھی دراز ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ میرے خلاف بنی اسرائیل کی زبان بند فرما دے کہ اس کے شر سے محفوظ رہوں۔ حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ جب ان کی زبانیں میں نے اپنی مخالفت میں بند نہیں کیں تو تمہارے لیے کیسے بند کردوں۔

ابن تیمیہ وغیرہ کا بعض عارفین واولیائے کرام پر اعتراض قبیل حسد ہی سے ہے ان حاسدین کی مجلس و صحبت اور ان کے وعظ سے بچنا چاہئے۔ انہیں ان کمالات کا عرفان ہی نہیں اور کیونکر ہو کہ علامہ شعرانی لواقع الانوار جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 7 پر تحریر فرماتے ہیں کہ ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے۔ اسی لیے ایک ولی دوسرے ولی پر زبان طعن دراز نہیں کرتا۔ "ولی را ولی می شناسد۔"

معترضین (detractors) کی عبرت کے لیے بہت سے واقعات و مشاہدات ہیں۔ انہی میں سے ایک واقعہ نسیم الریاض جلد نمبر 4 کے صفحہ نمبر 494 پر منقول ہے کہ بعض مشائخ نے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کھڑے ہو کر اس آدمی کا شکوہ کر رہے ہیں جس نے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ پر طعن (taunt) کیے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ پس جب وہ مضروب بیدار ہوا تو کوڑوں کا اثر اس کے بدن پر تھا۔

طبقات کبریٰ جلد نمبر 1 صفحہ 17 پر علامہ شعرانی رحمتہ اللہ علیہ نے اور مرات الجنان صفحہ نمبر 409 پر حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ "غوث وقت سید احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کو زندیق (atheist) کہا گیا۔ ابراہیم البتی نے حضرت سید احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا۔ آپ نے قاصد ہی سے پڑھوایا تو اس میں آپ کو کانا، دجال (anti-Christ)، بدعتی (heretic) اور عورتوں اور مردوں کو جمع کرنے والا لکھا تھا۔ اس پر حضرت سید احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ نے قاصد سے جواب لکھوایا اور جب وہ خط ابراہیم مذکور کے پاس پہنچا تو وہ بد بخت منہ کے بل گرا اور پھر پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا یعنی ذلیل ہو کر گم ہو گیا۔"

انہی میں سے ہیں حضرت عبداللہ بن جمرہ رحمتہ اللہ علیہ جن کا ذکر علامہ شعرانی رحمتہ اللہ علیہ نے طبقات الکبریٰ کے صفحہ نمبر 14 پر کیا ہے اور شیخ ولی اللہ بن محمد بن جمرہ رحمتہ اللہ علیہ بڑی شان رکھتے تھے اور شریعت مطہرہ کے بے حد پابند تھے۔ علوم باطنی سے ان کا باطن مزین تھا۔ اوصاف جلالیہ کا رنگ ان پر غالب (dominant) تھا۔ دونوں بیان فرماتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آرا

Marfat.com

سے بیداری میں مشرف ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ علما ظاہران پر طعن کرنے کے لیے مجلس قائم کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمتہ اللہ علیہ اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ بھی ظاہری علما کے طعن سے نہ بچ سکے۔ طریق فقر سے ناآشنا علما ظاہر کے فتووٴں (edicts) اور مطاعن (condemnations) کی یہ چند مثالیں تھیں جو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں مقبول فقراء حضرات پر صادر کیے لیکن صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ فقراء طالبانِ راہ حق کی آنکھوں کا نور ہیں اور ان کی مقبولیت کے چرچے محض اللہ کے اس اعلان سے ہیں جو وہ اپنے فرشتوں کی زبان سے اپنے اولیا کے بارے میں چار دانگ عالم میں کرواتا ہے۔

طالبانِ راہِ حق کو جاننا چاہئے کہ اولیا اللہ کا دامن تھام لینے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور ان کی مخالفت کرنے سے خاتمہ ایمان کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حکم دیا ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کے قرب کا وسیلہ تلاش کیا جائے۔ اولیائے کرام مقرب بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں۔ ان کی تابعداری اور عقیدت ومحبت اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کا باعث ہوتی ہے اور ان کی مخالفت کا حاصل سوائے محرومی کے کچھ نہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

علامہ اقبال نے انسان کی دنیا میں آمد کا مقصد ''بندگی'' بیان فرمایا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

یہ بندگی ہے جو انسان کو ''معرفت الٰہی'' عطا کرتی ہے۔ اسی لیے تو علامہ اقبال نے فرمایا:

مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

یہ بات نصِ قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت (recognition) کے لیے پیدا کیا ہے۔

معرفت دو قسم کی ہے۔ (1) معرفت صفات (attribute) الٰہیہ (2) معرفت ذات (person) الٰہیہ۔

معرفت صفات دونوں جہان میں وجود کا حصہ ہے اور معرفت ذات آخرت (hereafter) میں روح قدسی (پاکیزہ روح یا روح الٰہی) کا نصیبہ ہے۔ چنانچہ فرمان ایزدی ہے کہ ''ہم نے اس کی روح القدس

Marfat.com

سے مدد کی۔'' (القرآن)

یہ دونوں معرفتیں (معرفت ذات و صفات) بغیر ان دو علوم ظاہری اور باطنی کے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''علم دو طرح کا ہے'' (1) علم جس کا تعلق زبان سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حجت (دلیل) ہے، اپنے بندوں پر۔ (2) علم جس کا تعلق دل سے ہے۔

یہ علم حصولِ مقصد کے لیے نفع بخش (beneficial) ہے۔ انسان کو پہلے علم شریعت کی ضرورت ہے تا کہ بدن عالم معرفت صفات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکے اور وہ درجات ہیں۔ اس کے بعد باطنی علم کی ضرورت ہے تا کہ روح کو عالم معرفت میں معرفت ذات حاصل ہو جائے اور شریعت اور طریقت کے خلاف عقائد کو ترک کرنے کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا حاصل ہونا ایسا نفسانی اور روحانی مشقیں اور ریاضتیں اختیار کرنے سے ہے جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے ہوں، کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے نہ ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ كان يرجو القاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احداهO (القرآن الحکیم)

''پس جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

روح قدسی سے مراد انسان حقیقی ہے جو دل کی گہرائیوں میں ودیعت (امانت) رکھا گیا ہے۔ اس کے وجود کا ظہور توبہ، یقین اور کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ کا اول زبان سے دائمی ذکر کرنے سے ہوتا ہے۔ اس طور پر دل زندہ ہو جانے کے بعد زبان حال سے کلمۂ توحید کا ذکر کرے۔ اس وقت صوفیائے کرام اپنی اصطلاح (terminology) میں اس کا نام طفل المعانی (یا فرزند نوری یا اولاد لطفی، جسد نوری یا شخص اکبر) رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ معانی قدسیہ اور صفات باطنیہ سے ہویدا ہوتا ہے اور اس کا نام طفل المعانی چند وجوہ سے ہے۔

اول یہ کہ قلب انسانی میں اس کی پیدائش بعینہٖ (exactly) ایسے ہی ہوتی ہے جیسے کہ ماں کے بطن (womb) سے بچہ ہوتا ہے اور باپ اس کی پرورش کرتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ بڑا ہو کر سن بلوغت کو پہنچتا ہے۔

دوئم یہ کہ بچوں کو عموماً ظاہری تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی طرح اس بچے کو بھی معرفت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

سوئم یہ کہ جس طرح (دنیوی) بچہ ظاہری گناہوں کی میل کچیل سے پاک صاف کیا جاتا ہے اسی طرح یہ طفل بھی شرک (polytheism)، غفلت اور جسمانیت (یعنی بشریت) کے میل سے پاک کیا جاتا ہے۔

چہارم یہ کہ بچے کی اس پاک صورت کی مانند طہارت و پاکیزگی میں بڑھ جاتا ہے تو خوابوں میں مطلوب و مقصود کی صورت پر فرشتوں کے مانند دکھائی دیتا ہے۔

پنجم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نتائج جنت (paradise) کو طفولیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمان

Marfat.com

باری تعالیٰ ہے۔

"وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ." (القرآن الکریم)

"اوران کے لیے (اہل جنت کے) گرد لیے پھریں گے۔ (خدمت کے لیے) ہمیشہ رہنے والے لڑکے۔"

ششم یہ کہ اس کا یہ نام اس کی پاکیزگی (روح القدس وطفل المعانی) اور لطافت کے لحاظ سے ہے۔

ہفتم یہ کہ بدن کے ساتھ تعلق ہونے کے اعتبار سے اور بشری صورت کے لحاظ سے اس پر اس نام (یعنی طفل) کا اطلاق محض مجاز کے طور پر ہے۔ یہ اطلاق اس کی ملائمت (اچھی اور خوب صورت) کے باعث ہے۔ نہ اس کے فقر وغنا (asceticism) اور صفائی باطن کی وجہ سے ہے اور اس کے ابتدائی حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ انسان حقیقی ہے۔ کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسی نسبت ہے کہ جسم اور جسمانی (انسان بشریٰ) صورت میں عقل مجرد کے حامل اس کے حال سے واقف نہیں۔ بموجب ارشاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام:

ترجمہ: "میرے لیے اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے اور نہ کسی نبی مرسل کی (پہنچ) گنجائش ہے۔"

اس سے مراد بشریت (humanity) جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ملک مقرب سے مراد ایسی روحانیت (spirituality/divinity) ہے جو نور جبروت سے پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ فرشتہ بھی نور (light) سے پیدا کیا گیا ہے۔ بالخصوص جبرائیل علیہ السلام کا نام عالم جبروت کا مظہر ہے اور اسی لیے آپ جب عالم جبروت کے آخری کنارے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، تو آگے غیر مخلوق میدان لاہوت جو کہ مظہر جمال احدی بشکل حقیقت محمدی ہے، وہاں پر نہ جاسکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "عنقریب تم اپنے پروردگار کو دیکھوگے، جیسے کہ چودھویں کا چاند دیکھتے ہو۔"

لہٰذا اگر فرشتہ یا جسمانی یعنی انسان معہ اپنی بشریت کے اس عالم لاہوت میں داخل ہو تو جل جائیگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے۔

ترجمہ: "اگر میں اپنے انوار عظمت وجلال ظاہر کردوں تو ہر شے جہاں تک میری نگاہ پہنچے جل کر (راکھ ہو جائے) گی۔"

معرفتِ حق کے اسرار کو حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

"مشائخ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بزرگ کا قول ہے۔ "روح جسم میں اس طرح ہے جیسے کوئلے کے اندر آگ۔ آگ مخلوق ہے اور کوئلہ مصنوعی چیز۔" قدم (supremacy) صرف ذاتِ حق کے لیے ہے۔ ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے روح سے متعلق بہت کچھ کہا ہے۔ بقول ان کے ارواح کے لیے دس مقامات ہیں:

Marfat.com

-1 مخلصین کی ارواح جوظلمت(darkness/gloom) میں مقید ہیں اور اپنے انجام سے ناواقف ہیں۔

-2 پارساؤں کی ارواح جن کا مقام آسمانوں پر ہے اور وہ اپنے اعمال کے اجر پر خوش ہیں اپنی طاعت سے مطمئن ہیں اور اسی کی قوت سے گامزن ہیں۔

-3 مریدان صادق کی ارواح جو چوتھے آسمان پر لذت صدق اور اپنے سایہ اعمال میں ملائکہ کے ساتھ ہوں گی۔

-4 اہلِ مروت واحسان کی ارواح جوعرش کی نورانی شمعوں میں شامل ہوں گی۔رحمت حق ان کی غذا اور لطف وقربت حق ان کا شرب ہے۔

-5 اہلِ وفا کی ارواح جوصفا کے پردوں میں بلندی کے مقام پرخوش وخرم ہیں۔

-6 شہداء کی ارواح جو باغ خبان میں طیور کے پوٹوں میں مقیم ہوں گی اور ہرجگہ آزادی کے ساتھ اڑتی پھریں گی۔

-7 مشتاقوں کی ارواح جوانوارصفات کے پردوں میں بساط ادب پرقیام پذیر ہوں گی۔

-8 عارفوں کی ارواح جوقرب حق میں صبح وشام کلامِ حق سے گوش آسودہ ہیں اور دنیا وجنت میں ان کا مقام ان کی نظر کے سامنے ہے۔

-9 دوستوں کی ارواح جومشاہدہ جمال میں مقامِ کشف پر مستغرق (lost in thought!) ہیں بجز حق ان کی کوئی آرزو نہیں اور بجز حق انہیں کسی چیز سے اطمینان نہیں۔

-10 درویشوں کی ارواح جومقامِ فنا(self-denial) پرقرار پذیر ہیں۔ان کے اوصاف واحوال مبدل ہوچکے ہیں۔

مشائخ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ارواح کو متشکل دیکھا ہے۔یہ ممکن ہے کیونکہ جیسے اوپر بیان ہوا روح موجود ہے اور جسیم ہے اللہ جس شکل میں چاہے دکھا سکتا ہے۔میں (علی بن عثمان الجلابی) کہتا ہوں کہ ہماری زندگی حق تعالیٰ کی عطا ہے۔پائندگی(eternity) صرف اسی ذات پاک کے لیے ہے۔ہمیں زندہ رکھنا فعل حق ہے ہم اس کی قدرت سے بحیثیت مخلوق زندہ ہیں۔اس کی ذات(person)،صفات(attributes) میں شامل نہیں ہے۔روحیان کی تعلیم قطعاً باطل ہے۔قدم روح کا عقیدہ صریح غلطی ہے اور اس گمراہی میں صرف غلط رو مبتلا ہوتے ہیں۔مختلف الفاظ تراشی محض الحاد(atheism) کو چھپانے کے لیے کی جاتی ہے۔روح و مادہ،نور وظلمت یا بھٹکے ہوئے گروہ صوفیا کی اصطلاحات فنا وبقا،جمع وتفرقہ سب کفر والحاد کو لپیٹ کر پیش کرنے کا ذریعہ اظہار ہیں۔صحیح تصوف کے علمبرداران سے بیزار ہیں کیونکہ اثبات ولایت اور محبتِ حق کی حقیقت کا انحصار

Marfat.com

معرفت پر ہے۔ جو قدم وحدت میں تمیز نہیں کرسکتا وہ محض مجہولانہ گفتار کا مرتکب ہوتا ہے اور جہلا کی گفتگو پر اہل دانش کان نہیں دھرا کرتے۔ ان دو باطل گروہوں سے متعلق جو ضروری تھا بیان کر دیا۔ اگر کوئی اس سے زیادہ چاہے تو میری دوسری کتابوں میں تلاش کرے۔ اس جگہ ہمارا مقصد کتاب کو طول دینا نہیں۔

اب میں کشف حجابات کی طرف توجہ دیتا ہوں اور اہلِ تصوف کے معاملات اور حقائق و براہین ظاہرہ کی روشنی میں بیان کرتا ہوں تاکہ حصولِ مقصد کا راستہ ہموار ہو جائے اور وہ منکر لوگ جو صاحبِ بصیرت ہوں راہ راست پر آئیں۔ میرے ثواب کے لیئے دعا گو ہوں۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

کشفِ حجاب اول، معرفت حق

حق تعالیٰ نے فرمایا: مَاقَدَرُوا اللّٰہ حَقَّ قَدْرِہٖ. ''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا۔''

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ عَرَفْتُمُ اللّٰہَ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ لَمَشَیْتُمْ عَلَی الْبُحُوْرِ وَ زُلزِالَتْ بِدُعَائِکُمُ الْجِبَال.

''اگر تم اللہ کو جاننے کی طرح جانو تو پانی پر چل سکتے ہو اور پہاڑ تمہارے حکم پر حرکت میں آسکتے ہیں۔''

معرفت حق (divine knowledge) کی دو صورتیں ہیں:

1- معرفت علمی۔ 2- معرفت حالی۔

معرفت علمی دنیا و عقبیٰ کی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور آدمی کے لیے ہر حال میں اور ہر مقام پر اہم ترین چیز ہے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن.

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔''

یعنی یہ کہ مجھے پہچانیں۔ بیشتر لوگ اس فرض سے غافل رہتے ہیں۔ صرف وہی لوگ بروئے کار لاتے ہیں جنہیں حق تعالیٰ منتخب فرمائے اور جن کے دلوں کو وہ اپنے نور سے منور کر دے اور جو اس کے فضل و کرم سے دنیا کی تاریکیوں سے نجات پالیں جس طرح حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لیے باری تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَمْشِی بِہٖ فِی النَّاسِ.

''ہم نے اس کے لیے نور بنایا جس میں وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔'' اور

کَمَنْ مَثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ.

Marfat.com

''اور کیا وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو ظلمت میں ہے۔''

یعنی ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ۔ معرفت دل کی حیات ہے اور ماسوائے اللہ سے منہ پھیرنے کا نام ہے۔ ہر شخص کی قدر و قیمت معرفت سے ہے اور بغیر معرفت کوئی شخص قابلِ منزلت نہیں۔

علماء اور فقہاء خداوند عز و جل کے صحیح علم کو معرفت کہتے ہیں۔ اہلِ تصوف صحت حال کو معرفت کا نام دیتے ہیں اور اسی بناء پر معرفت کو علم سے فاضل تر سمجھتے ہیں کیونکہ صحتِ حال بجز صحت علم نہیں ہوتی مگر صحتِ علم صحتِ حال کی ضامن نہیں ہوتی۔ یعنی عارف عارف ہی نہیں ہوتا جب تک وہ عالم حق نہ ہو مگر یہ ہو سکتا ہے کہ عالم عارف نہ ہو۔ جو اس نکتہ سے نابلد (unaware) تھے۔ باہم بے کار مناظرے (debate) کرتے رہے اور دوسرے کی تردید کرتے رہے۔ اب میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہوں تاکہ دونوں گروہ مستفید ہو سکیں۔ انشاءاللہ العزیز۔

اللہ تجھے سعادت دے تو یہ چیز سمجھ کہ لوگوں میں معرفتِ حق اور صحتِ علم کے معاملے میں بہت اختلاف ہے۔ معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ معرفت حق کی بنیاد عقل (intellect) پر ہے اور بدون (sans; without) عقل معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ دیوانے جو حلقۂ اسلام میں ہوں، معرفت کے حامل ہو سکتے ہیں اور بچے جو عاقل نہ ہوں صاحبِ ایمان تصور ہو سکتے ہیں۔ اگر معرفت کی کسوٹی عقل ہی ہوتو ان کو معرفت کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا اور اسی طرح صاحبِ عقل کفار دائرہ کفر میں نہیں رہ سکتے۔ اگر عقل ہی معرفت کی علت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ ہر صاحبِ عقل عارف ہوتا اور ہر بے عقل معرفتِ حق سے عاری ہوتا مگر اس پر اعتبار کرنا مشکل ہے۔

ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ معرفت حق کی علت (cause) استدلال ہے اور سوائے استدلالیوں کے کوئی معرفت حق سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ یہ قول بھی باطل ہے۔ ابلیس کو دیکھو کہ بہشت دوزخ، عرش، کرسی اور دیگر آیات دیکھنے کے باوجود معرفت سے بے نصیب رہا۔

باری تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیں، مردوں کو تکلم دے دیں ہر شے کا حشر ان کے روبرو بیان کر دیں اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

اگر ان چیزوں کی رویت اور استدلال علت معرفت حق ہوتا تو۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک صحت عقل اور رویت آیت معرفت کا سبب ہو سکتے ہیں، علت نہیں ہو سکتے۔ علت صرف مشیت ایزدی ہے کیونکہ اس کی عنایت کے بغیر عقل اندھی ہے۔ عقل کو خود اپنا علم نہیں کسی اور کا علم تو درکنار۔ ہر قسم کے ملحد استدلال کو بروئے کار لاتے ہیں اور بیشتر معرفتِ حق سے بے بہرہ (bereft; devoid) ہوتے ہیں۔ مشیت حق شاملِ حال ہو تو بندگانِ حق کی سب حرکات نشانِ معرفت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا استدلال (syllogism)

Marfat.com

''طلب'' اور ترک استدلال ''تسلیم'' ہوتا ہے۔ کمال معرفت کے لیے تسلیم، طلب سے بہتر نہیں کیونکہ طلب کے اصول کو کسی حالت میں بھی پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا اور ''تسلیم'' اصولاً فقدان اضطراب (absence of unrest) کی دلیل ہے۔ تاہم یاد رہے کہ ان دو اصولوں کی حقیقت بھی معرفت نہیں۔ صحیح راہنما اور دل کشا صرف ذاتِ حق ہے۔ عقل و دلائل کا وجود امکان ہدایت کو روبکار نہیں لاتا۔ اس کی واضح تر دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اگر کفار بار دیگر بھی دنیا میں آجائیں تو اپنے کفر کی طرف جائیں گے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے معرفت سے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ''میں نے اللہ کو اللہ سے پہچانا اور جو ماسواء اللہ تھا اسے اللہ کے نور سے پہچانا۔'' اللہ نے جسم کی تخلیق کی اور اس کی زندگی روح کے سپرد (entrust) کردی۔ اس نے دل پیدا کیا اور اس کی زندگی کو اپنی تحویل (custody; possession) میں رکھا۔ جب عقل، انسانی صفات اور آیات، جسم کو زندگی نہیں دے سکتیں روح کو زندگی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کیا۔'' یہاں حیات کو اپنی طرف منسوب کیا۔

پھر فرمایا:

ترجمہ: ''ہم نے اس کے لیے نور بنایا۔ جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔''

یعنی نور کا پیدا کرنے والا میں ہوں۔

پھر فرمایا:

ترجمہ: ''جس کا سینہ اسلام کے لیے کھولا وہ اپنے رب کی طرف سے نور میں ہے۔''

دل کے کھولنے اور بند کرنے کو بھی اپنی طرف نسبت دی اور فرمایا:

ترجمہ: ''ان کے دلوں اور ان کے کانوں کو مہر کردیا اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔''

پھر فرمایا:

ترجمہ: ''اور اس کا اتباع مت کرو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا۔''

پس ثابت ہوا کہ دل کی بست و کشاد، شرح اور ختم باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ قطعاً محال ہے کہ اس کے سوا کوئی راہنما ہو۔ جو کچھ ماسواء اللہ ہے وہ علت اور سبب سے زیادہ نہیں اور علت اور ہر سبب بجز رضائے مسبب راہنما نہیں ہو سکتے۔ حجاب کی حیثیت رہزن (highway man) کی ہوتی ہے، راہنما (leader) کی نہیں۔

Marfat.com

نیز باری تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کیا۔''

یہاں زینت اور محبت کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ تقویٰ عائد ہونا جسے حقیقتِ معرفت کہنا چاہئے اسی کی عطا ہے۔ متقی کو راہ تقویٰ اختیار کرنے یا چھوڑ دینے پر اختیار نہیں ہوتا اس کی تعریف وتوصیف کے سوا معرفت کا حصہ انسان کے لیے بجز عجز کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کے سوا کوئی دلوں کا راہبر نہیں۔ طالب علم صرف صحت بندگی کے لیے ہے۔ یاد رکھو مخلوقات میں کسی کو طاقت نہیں کہ حق تعالیٰ تک رسائی بہم پہنچا سکے۔ استدلال پر تکیہ کرنے والے ابوجہل سے زیادہ صاحب فہم نہیں ہو سکتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی راہنما نہیں ہو سکتا۔ مگر چونکہ ابوجہل کی شقاوت (callousness) کا حکم لگ چکا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی سے وہ مستفید نہ ہو سکا۔ استدلال کا پہلا قدم اللہ سے روگردانی (deviation) ہے۔ کیونکہ پہلے خیال غیر اللہ کی طرف جاتا ہے۔ برخلاف اس کے معرفت ماسوا اللہ سے کلیتہً منہ پھیر لینے کا نام ہے بالعموم ہر مطلوب شے استدلال کے دائرے میں سما جاتی ہے مگر معرفت حق عمومی مطلوبات میں شامل نہیں۔ معرفت (divine knowledge) عقل کی لامتناہی حیرت (boundless wonder) سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانی اکتساب کو اس میں دخل نہیں۔ بجز ذات حق کوئی راہنما نہیں۔ معرفت شرح قلوب ہے اور خزانہ غیب سے ملتی ہے۔ ہر غیر اللہ چیز محدث ہے۔ ایک محدث دوسرے کو پا سکتا ہے مگر خالق کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ جب کوئی چیز حاصل کرنے والا غالب سمجھا جاتا ہے اور حاصل کو مغلوب خیال کیا جاتا ہے یہ کوئی کرامت نہیں کہ عقل استدلال سے معتدل کے وجود کو غافل ثابت کردے۔ کرامت یہ ہے کہ ولی نورحق کے سامنے اپنی ہستی (existence) کی نفی کرے پہلی صورت میں معرفت صرف منطق ہے۔ دوسری صورت میں دلی کیفیت ہے۔

عقل کو معرفت کی علت سمجھنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ عقل ان کے دل میں حقیقت معرفت کا کیا تصور پیدا کرتی ہے؟ معرفت دراصل ہر اس چیز کی نفی ہے جسے عقل ثابت کرے یعنی ذاتِ حق ہر اس تصور سے بالاتر ہے جو عقل کے دائرہ امکان میں آسکے۔ ان حالات میں عقل کا استدلال کس طرح ذریعہ معرفت بن سکتا ہے؟ عقل اور وہم دونوں ہم جنس ہیں اور جہاں جنس ثابت ہوئی معرفت کی نفی ہوگئی۔ عقلی دلائل سے اللہ کی ہستی کو ثابت کرنا تشبیہ سے زیادہ نہیں اور اسی قسم کی منطق سے اس کا انکار کرنا تعطیل کے برابر ہے۔ عقل ان دونوں صورتوں سے باہر نہیں جاسکتی اور دونوں صورتیں معرفت کے معاملے میں انکار حقیقت کے برابر ہیں کیونکہ مشبہ اور معطلہ دونوں غیر موحد ہیں۔

Marfat.com

جب عقل امکانی کوشش کر چکتی ہے اور اس کے چاہنے والوں کو اس کی تلاش کا سودا دامن گیر ہوتا ہے تو وہ درگاہ عجز پر سرنگوں ٹھہر جاتے ہیں۔ مضطرب الحال ہو کر یہ گریہ وزاری سے دستِ طلب دراز کرتے ہیں اور دلہائے مجروح کے لیے مرہم کی آرزو کرتے ہیں۔ وہ حتی المقدور کوشش کر کے تھک جاتے ہیں تو قدرتِ حق ان کی ہمت افزائی کرتی ہے اور وہ اس کی عنایت سے اس کا راستہ پا لیتے ہیں۔ اذیت فراق ختم ہو جاتی ہے اور وہ ریاض معرفت میں باریاب ہو کر آسودہ ہو جاتے ہیں۔ جب عقل دلوں کو اس طرح کامران اور بامراد دیکھتی ہے تو اپنا تصرف کرنا چاہتی ہے مگر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ ناکام ہو کر متحیر ہوتی ہے اور متحیر ہو کر بے کار ہو جاتی ہے۔ جب بے کار ہو جائے تو حق تعالیٰ اسے لباس بندگی پہنا کر فرماتا ہے: ''تو جب تک آزاد تھی۔ اپنے تصرف اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مستور تھی۔ جب تیرا تصرف اور تیری طاقت لوٹ گئی۔ تجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ناکام ہو کر تجھے کچھ حاصل نہ ہوا۔'' پس دل کو قرابت اور عقل کو بندگی نصیب ہوئی۔ حق تعالیٰ انسان کو اپنی معرفت خود عطا کرتا ہے اور یہ معرفت کسی انسانی طاقت سے منسلک نہیں ہوتی۔ انسان کی اپنی حیثیت سراسر بے حقیقت ہوتی ہے۔ اہلِ معرفت کے لیے خودستائی (self-praise) خیانت کے برابر ہے۔ وہ یادِ حق سے کسی حالت میں بھی غافل نہیں ہوتے ان کا ہر لمحہ مقدس ہوتا ہے۔ معرفت ان کے لیے خالی الفاظ تراشی نہیں بلکہ صحیح کیفیت قلبی ہوتی ہے۔

کچھ اور لوگ ہیں جو معرفت کو الہامی (intuitive) تصور کرتے ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ معرفت کی صداقت و بطلان کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور اہلِ الہام کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک کہتا ہے میں الہاماً جانتا ہوں کہ حق تعالیٰ ''مکان'' میں محدود ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں الہاماً سمجھتا ہوں کہ وہ ''لامکان'' ہے۔ ان میں صرف ایک بات درست ہو سکتی ہے اور دلیل کا سہارا الہام کا بطلان ہے۔ یہ عقیدہ براہمہ اور الہامیہ کا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ اس زمانے کے کچھ لوگ اس معاملے میں نہایت درجہ مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور پارسائی (piety) کا جامہ پہنے پھرتے ہیں سب گمراہ ہیں اور ان کا عقیدہ ہر صاحبِ عقل کے لیے کافر ہو یا مسلمان قابلِ مذمت ہے۔ دس مدعیان الہام دس متناقض چیزوں کا دعویٰ کرتے ہیں ایک ہی بات پر۔ سب غلط ہوتے ہیں اور کسی میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہوتی۔ گر کوئی یہ کہے کہ الہام (intuition) وہی ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہو تو کہنے والا سخت غلطی میں مبتلا ہے۔ جب حکم شریعت ہی الہام کے صدق و کذب کی کسوٹی ہے تو معرفت شرعی، نبوتی اور ہدایتی، الہامی ہونے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو معرفت کو فطری (فروری) سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے اگر معرفت فطری طور پر حاصل ہو سکتی تو سب اہلِ دانش کو برابر طور پر اہلِ معرفت ہونا چاہئے تھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے اہلِ دانش حق تعالیٰ کی ہستی ہی کے منکر ہیں اور شبیہ اور تعطیل ایسے عقائد کے علم بردار ہیں۔ علاوہ ازیں اگر معرفت حق تعالیٰ

Marfat.com

فطری (ضروری) ہوتی تو ''تکلیف'' بے کار تھی۔ کیونکہ جب کسی چیز کا علم فطری (ضروری) ہو تو اس کی معرفت کے معاملے میں تکلیف چہ معنی دارد۔ انسان کا اپنی ذات سے متعلق علم، آسمان اور زمین، دن اور رات، مسرت اور غم وغیرہ کا علم ایسا ہے جس سے کوئی ذی شعور بے بہرہ نہیں ہو سکتا اور کسی کو بھی اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی اگر کوئی چاہے بھی کہ ان چیزوں کے علم سے منہ پھیر لے تو نہیں پھیر سکتا۔ البتہ کچھ صوفیائے کرام نے اپنے ایقان کے پیشِ نظر معرفتِ حق کو فطری (ضروری) قرار دیا۔ ان کے دلوں میں کوئی شک یا وسوسہ موجود نہ تھا۔ انہوں نے اپنے یقین کا نام ضرورت (فطرت) رکھ دیا۔ بنیادی طور پر وہ غلط نہیں تھے مگر عبارتاً خطا کر گئے کیونکہ فطری (ضروری) علم صرف ایک طبقے کے لیے مختص نہیں ہو سکتا۔ تمام اہلِ دانش کی حیثیت یکساں تسلیم کرنا پڑے گی۔ علاوہ ازیں فطری (ضروری) علم دل میں بے سبب و بے دلیل پیدا ہوتا ہے اور معرفتِ حق بلاسبب حاصل نہیں ہوتی۔

استاذ ابوعلی دقاق، شیخ ابوسہل صعلوکی اور اس کے والد جو نیشاپور کے رئیس اور امام تھے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ابتدا معرفت کی بنیاد استدلال ہے اور انتہا معرفت فطری (ضروری) ہو جاتی ہے جیسے کہ فنی و صنعتی علم شروع میں اکتسابی (acquired) ہوتا ہے اور بالآخر فطری (ضروری) ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ بہشت میں معرفت حق فطری (ضروری) ہوگی اگر وہاں ضروری ہو گیا تو کیا وجہ ہے کہ اس دنیا میں ضروری نہ ہو۔ پیغمبران صلوات اللہ علیہم نے جب پیغامِ حق سنا بالواسطہ یا بلاواسطہ (directly or indirectly) تو اسے فطری (ضروری) سمجھا۔ میں کہتا ہوں کہ اہلِ بہشت کی معرفت فطری ہوگی۔ کیونکہ وہاں شرعی تکلیف کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔ پیغمبران صلوات اللہ علیہم مامون العاقبت ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ سے ان کا سلسلہ منقطع ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے لیے معرفت اہل بہشت کی طرح فطری (ضروری) ہوتی ہے۔ ایمان اور معرفت کی خوبی یہ ہے کہ ان کا تعلق (غیب) سے ہوتا ہے اگر مدعائے ایمان و معرفت سامنے ہے تو ''جبر'' کی صورت پیدا ہوگئی اور ''اختیار (free-will)'' معدوم ہو گیا۔ شرعی احکام کی کوئی دقعت نہ رہی۔ اصول الحاد معطل ہو گیا۔ بلعم باعور، ابلیس اور برصیصا کی تکفیر بے معنی ہوگئی۔ کیونکہ وہ عارف تو تھے جیسا کہ ابلیس سے متعلق باری تعالیٰ نے بیان فرمایا اور اس کے رد رجم کا ذکر کیا۔

بقول حق تعالیٰ ابلیس نے کہا:

ترجمہ: ''مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔''

ظاہر ہے کہ مکالمہ معرفت کی سند ہے۔ عارف جب تک عارف ہے حق تعالیٰ سے منقطع نہیں ہوتا۔ منقطع ہونے کی صورت بھی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معرفت میں زوال (decline) رونما ہو۔ علم ضرورتی (فطری) میں زوال ناممکن ہے۔ یہ مسئلہ عام لوگوں کے لیے بہت پیچیدہ ہے۔ یہ کافی ہے کہ تو صرف اس قدر

Marfat.com

ذہن نشین کر لے کہ بندہ کو علم اور معرفت حق بجز ہدایت خداوندی حاصل نہیں ہوتی۔ انسان کے دل میں یقین معرفت کم وبیش ہوسکتا ہے مگر حقیقت معرفت کم وبیش نہیں ہوتی کیونکہ کمی اور بیشی دونوں نقصان معرفت کا پیش خیمہ (harbinger) ہیں۔ کورانہ تقلید (blind submission) کو معرفت حق میں دخل نہیں۔ اس کی شناخت اسی کی صفات کمال سے ہوتی ہے اور محض اس کی رعایت اور عنایت سے حاصل ہوتی ہے۔ دلیل اور عقل اسی کی ملکیت ہیں اور ہر چیز پر اسی کا تصرف ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنے کسی فعل کو بھی انسان کے لیے دلیل راہ بنا دے اور اسے منزل آشنا کر دے اور اگر چاہے تو اسی فعل کو حجاب کی شکل دے دے اور انسان منزل سے بھٹک جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جماعت کے لیے راہبر معرفت تھے اور دوسری جماعت کے لیے حجاب معرفت۔ ایک جماعت نے ان کو بندۂ خدا سمجھا اور دوسری نے ابنِ خدا۔ بت، آفتاب، چاند وغیرہ اسی قبیل میں شامل ہیں۔ کچھ لوگ ان کو دیکھ کر راہ معرفتِ حق پا لیتے ہیں اور کچھ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اگر استدلال ہی معرفت کی بنیاد ہوتا تو ہر منطقی کو عارف ہونا چاہئے تھا۔ یہ سراسر غلط ہے۔ باری تعالیٰ ایک شخصیت کو چن لیتا ہے اور باقیوں (cause) کی راہنمائی اس کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ اسی کے سبب منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ راہنما سبب بنتے ہیں۔ علت معرفت نہیں ہوتے۔ مسبب الاسباب کی نظر میں ایک دوسرے سبب پر فوقیت نہیں رکھتا۔ عارف کے لیے اثبات سبب اللہ کے لیے عدیل (tantamount) تلاش کرنے کے برابر ہے اور غیر اللہ کی طرف التفات شرک کے مترادف ہے۔

(مَـنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَه'.) ''جس کو اللہ گمراہی میں مبتلا کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔'' جب لوح محفوظ پر رقم ہو کہ کسی شخص کا مقدر بجز شقاوت نہیں۔ دلیل واستدلال کس طرح اسے راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔ جس کسی نے غیر اللہ کی طرف توجہ دی وہ معرفت میں تعدیل کا مرتکب ہوا۔ جو انسان قہر خداوندی میں پراگندہ اور غلطاں ہو اس کی کون راہنمائی کر سکتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دن کے وقت غار سے باہر نکلے تو انہوں نے کسی چیز کی طرف التفات نہیں کیا حالانکہ دن کی روشنی میں بیشتر براہان ودلائل رونما ہوتے ہیں اور بزرگ صاحب کرامت لوگوں کے لیے بین آیات موجود رہتے ہیں رات ہوئی تو آپ نے ''ستاروں کو دیکھا'' اگر ان کی معرفت کا انحصار دلائل پر ہوتا تو ظاہر ہے دن کے وقت بیشتر دلائل روبرو تھے۔ مختصر یہ کہ حق تعالیٰ جس کو بھی چاہے جس طرح بھی چاہے اپنا راستہ دکھا دیتا ہے اور اس کے لئے اپنی معرفت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ یہاں تک کہ معرفت کا وہ مقام میسر آ جاتا ہے کہ خود حقیقت معرفت ہی غیر (the other) نظر آنے لگتی ہے۔ صفت معرفت آفت ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ معروف سے محجوب ہو جاتا ہے۔ اس عالم میں حقیقت معرفت کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ معرفت بجائے خود ایک کھوکھلا (hollow) دعویٰ نظر آتی ہے۔ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''ہوشیار! معرفت کا دعویٰ نہ کر۔''

Marfat.com

ایک شعر ہے:

عارف معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں میں اقرار جہل(ignorance) کرتا ہوں یہ میری معرفت ہے۔ تجھے چاہئے کہ معرفت کا دعویٰ نہ کرے مبادا وہ تیری ہلاکت(downfall) کا باعث بن جائے۔ معرفت کی حقیقت سے تعلق پیدا کر، تا کہ تجھے نجات نصیب ہو۔ جب کسی کو جلال حق کے کشف کا اعزاز ملتا ہے اس کی ہستی وبال ہو جاتی ہے اور اس کی تمام صفات اس کے لیے آفت کا سرمایہ بن جاتی ہیں جس کا اللہ ہو اور وہ اللہ کا ہو، وہ دونوں عالم کی کسی چیز سے تعلق نہیں رکھتا معرفت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بادشاہی حق تسلیم کی جائے جب اس کی بادشاہت تسلیم ہو اور بادشاہت غیر کے تصرف سے پاک سمجھی جائے تو مخلوق سے کیا تعلق؟ خلقت عارف اور اللہ کے درمیان کیوں حائل ہو؟ یہ حائل ہونے والے حجابات جہل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جب جہل اٹھ گیا تو حجاب ختم ہو گئے اور دنیا و عقبیٰ میں کوئی فرق نہ رہا۔

مشائخ کرام رحمہم اللہ نے اس معاملے میں بہت سے رموز بیان فرمائے ہیں۔ حصولِ فائدہ کے لیے کچھ اقوال بیان کئے جا رہے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ''معرفت کسی چیز پر متعجب نہ ہونے کا نام ہے۔'' کیونکہ تعجب اس وقت ہوتا ہے جب کوئی کام کرنے والا اپنے مقصد سے تجاوز کر جائے۔ حق تعالیٰ قادر مطلق ہے اس لیے اس کے کاموں پر صاحبِ معرفت کو کسی حالت میں تعجب نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ چیز قابلِ تعجب ہے کہ اس نے ایک مشت خاک کو وہ سرفرازی عطا فرمائی کہ وہ اس کے احکام کے قابل ہو گئی۔ ایک قطرۂ خون کو وہ منزلت عطا کی کہ وہ اس کی محبت اور اس کی معرفت کا ذکر کرنے لگا۔ اس کے دیدار کا طلب گار اور اس کے قرب کا مشتاق ہوا۔

ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''معرفت درحقیقت وہ علم ہے جو حق تعالیٰ اپنے لطائف انوار کے دلوں میں ودیعت (bless) کرے۔'' یعنی جب تک حق تعالیٰ اپنی عنایت بے غایت سے انسان کے دل کو روشنی نہیں بخشتا اور اسے آفات سے محفوظ نہیں فرماتا یہاں تک کہ دنیا مافیہا کی قدر و قیمت اس کے سامنے رائی کے دانے کے برابر ہو جائے۔ اس وقت تک باطنی اور ظاہری اسرار کے مشاہدہ کا غلبہ نہیں ہوتا اور جب ہوتا ہے تو غیب و شہود کا تفرقہ ختم ہو جاتا ہے۔

شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا: ''معرفت دوام حیرت کا نام ہے۔'' حیرت دو قسم کی ہے:

1- حیرت ہستی سے متعلق ہے۔ 2- حیرت کیفیت سے متعلق ہے۔

حیرت ہستی سے متعلق شرک اور کفر کے برابر ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی ہستی سے متعلق عارف کو کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ حیرت کیفیت لازماً ہونی چاہئے کیونکہ ذاتِ حق کی کیفیت کو سمجھنا عقل کی مجال سے برابر ہے۔ اس واسطے کسی نے کہا ہے۔ ''اے متحیر دلوں کے راہنما! میری حیرت کو اور زیادہ کر۔'' یہاں پہلے ہستی حق اور کمال

Marfat.com

صفات کا اقرار ہے اس بات کے علم کا اظہار ہے کہ اس کی ذات پاک مقصود خلق ہے۔ وہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے وہی متحیروں کو حیرت دینے والا ہے اس کے بعد زیادتی حیرت کی التجا کی گئی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ راہ مطلوب میں عقل کے لیے بجز حیرت و سرگردانی کوئی شریک کار اور کوئی مقام نہیں۔ یہ نکتہ نہایت لطیف (subtle) ہے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ عرفان ہستی حق انسان کو اپنی ہستی سے متعلق عرض حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ جب بندہ اللہ کو پہچانتا ہے۔ اپنے آپ کو اس کی قدرت مطلق کے حلقہ اختیار میں دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسان کا عدم و وجود و سکون و حرکت سب اس کے قبضۂ اختیار میں ہے تو وہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور سوچتا ہے۔ ''میں کون ہوں اور کیا ہوں؟'' اسی واسطے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے آپ کو پہچانا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا۔'' یعنی جسے اپنی فنا کا علم ہوتا ہے اسے بقائے حق کا عرفان ہوتا ہے۔ فنا، عقل اور دیگر انسانی صفات کو ختم کر دیتی ہے اور جب کسی چیز کی حقیقت مفقود ہو جائے تو وہاں حیرت کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''معرفت اس بات کا علم ہے کہ انسانی سکون وحرکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔'' یعنی اس کے حکم کے بغیر اس کی بادشاہت میں کسی کو دخل نہیں۔ جب تک وہ کسی کام کے کرنے کی توفیق عطا نہ کرے اور دل میں کام کرنے کا ارادہ مرحمت نہ فرمائے تو کوئی آدمی کچھ نہیں کرسکتا۔ حقیقت اسی کے کرم سے حقیقت ہے۔ اثر اسی سے اثر ہے۔ صفت اسی سے صفت ہے۔ ساکن اسی سے ساکن اور متحرک اسی سے متحرک ہے۔ ہر انسانی فعل مجازی ہے اور حقیقت کو نسبت اسی کی ذات پاک سے ہے۔

محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ عارف سے متعلق فرماتے ہیں: ''عارف وہ ہے جس کا کلام مختصر ہو اور حیرت دوامی ہو۔'' کیونکہ بیان اسی چیز کا ہوسکتا ہے جو معرض بیان میں آسکے۔ اصولاً بیان ایک حد تک ہی ہوسکتا ہے اور اگر وہ جس کا بیان کرنا مقصود ہے، غیر محدود ہے تو محدود بیان کس طرح کامیاب ہوسکتا ہے۔ جب بیان سے مقصد حاصل نہ ہو تو انسان بےبس ہوتا ہے اور سوائے دائمی حیرت واستعجاب کے چارہ نہیں ہوتا۔

شبلی نے فرمایا: ''حقیقی معرفت معرفتِ حق سے معذوری کا نام ہے۔'' جس چیز کے عرفان سے بندہ عاجز (unable) ہو اس کے ادراک کا دعویٰ بےکار ہوتا ہے۔ عجز بدون طلب ہوتا ہے۔ جب تک طالب خود کو آلہ کار سمجھتا ہے اور صفات بشری پر قائم ہے لفظ ''عجز'' کا اطلاق (application) اس پر نہیں ہوسکتا۔ جب یہ ''آلیت و صفات'' ختم ہو جائیں تو وہ عجز نہیں بلکہ فنا کا مقام ہوگا۔ بعض مدعی صفات بشری کا اثبات (affirmation) بھی کرتے ہیں۔ صحت خطاب کی ذمہ داری بھی تسلیم کرتے ہیں۔ قیام حجت حق کے بھی قائل ہیں اور بھی اعلان کرتے ہیں کہ معرفت عجز ہے۔ ہم عاجز ہو گئے ہیں اور کسی چیز کو حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ ضلالت اور خسران (loss) ہے۔ میں پوچھتا ہوں کس چیز کی طلب میں عاجز ہو گئے ہو۔ ''عجز'' کے دو نشان ہیں اور دونوں میں سے تمہارے پاس ایک بھی نہیں۔ ایک نشان تو طلب اور ذریعہ حصولِ طلب کی فنا ہے اور دوسرا

Marfat.com

اظہار تجلی ہے۔ جہاں ذریعہ حصولِ طلب فنا واقع ہو جاتی ہے وہاں عبارت آرائی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ عجز پر عبارت آرائی اظہار عجز کے سوا کیا ہوگی؟ جہاں اظہار تجلی ہو وہاں سب نشان مٹ جاتے ہیں اور کوئی تفرقہ باقی نہیں رہتا۔ عاجز یہ نہیں جانتا کہ یہ عاجز ہے اور جو کچھ اس سے منسوب کیا جاتا ہے اس کا نام ''عجز'' ہے ورنہ ''عجز'' بذات (in itself) خود غیر ہے اور اثبات غیر معرفت نہیں ہوتی۔ جب تک دل میں غیر کے لیے جگہ ہے معرفت صحیح نہیں ہوتی۔ عارف جب تک غیر سے کنارہ کش (delink) نہ ہو عارف نہیں ہوسکتا۔

ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جب مجھے معرفت نصیب ہوئی حق و باطل کا گزر میرے دل میں ختم ہو گیا۔'' جب کوئی ہوس و ہوا (avarice) میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنے دل کی طرف رجوع کرتا ہے دل اس کی راہنمائی نفس کی طرف کرتا ہے جو محل باطل ہے۔ اسی طرح جب دلیل معرفت میسر آتی ہے، انسان دل کی طرف رجوع کرتا ہے اور دل اس کو روح کی طرف لے جاتا ہے جو منبع حق و حقیقت ہے۔ اگر دل میں کسی غیر اللہ کا گزر ہو اور عارف اس کی طرف مائل ہو تو یہ بطلان (rejection) معرفت ہے۔ القصہ دلیلِ معرفت کا مقام دل ہے اور اسی طرح ہوس و ہوا کی منزل دل ہے۔ اہلِ معرفت ہوا و ہوس سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ دل کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ بجز حق کسی چیز سے راحت حاصل نہیں کرتے اور ان کا رجوع ہمیشہ دل کی طرف نہیں بلکہ حق کی طرف ہوتا ہے اور یہی شان دلیلِ معرفت ہے۔ بہت فرق ہے دل کی طرف رجوع کرنے والے میں اور حق کی طرف راجع ہونے والے میں۔

ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جس نے حق تعالیٰ کو پہچانا اور ہر چیز سے منقطع ہوا بلکہ گونگا اور مفلوج ہو گیا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہم تیرے اوصاف شمار نہیں کر سکتے۔''

جسے معرفت حاصل ہوئی وہ عبادات کے معاملے میں گونگا ہوا اور اپنے سب اوصاف سے فانی ہوا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے فصیح ترین سردار تھے۔ چنانچہ فرمایا: ''عرب اور عجم میں کوئی میری فصاحت (eloquence) کی برابری نہیں کر سکتا۔'' جب آپ حضورِ حق باریاب ہوئے تو اقرار کیا: ''میری زبان کو تیری ثناء (praise) ادا کرنے کا یارا نہیں۔ میں کیا ہوں؟ میری زبان معذور ہے۔ میں حال سے بے حال ہوں۔ تو خود ہی میری گفتار ہے۔ اگر میں اپنی طرف خطاب کروں تو میری گفتار ہی میرا حجاب ہے۔ اگر روئے سخن تیری طرف ہو تو تیری قربت کی حقیقت پر حرف آتا (stigmatized; discredited) ہے۔ کیسے زبان کھولوں۔'' حکم ہوا: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ثنا گو ہے۔ میں تمام اجزائے عالم کو تیرا نائب بناتا ہوں کہ وہ میری ثنا کریں اور وہ ثنا تیری طرف سے شمار ہو۔'' واللہ اعلم بالصواب!

(بحوالہ کشف المحجوب ص 368 تا 383)

Marfat.com

تصوف کیا ہے؟

''تصوف کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنے ہیں؟'' ماہرین و مؤرخین السنہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے قواعد و لغات (grammar) زبان کے وجود میں آنے سے عرصہ دراز کے بعد رفتہ رفتہ معین و مدون ہوئے ہیں۔ یہ امر بھی مسلم ہے کہ ہر زبان میں کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو اہلِ لغت کی نظروں سے بچ گئے ہیں اور بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جو قواعد کے حدود سے باہر ہیں۔

عربی زبان کے متعلق اکثر علما کا یہ خیال ہے کہ یہ دنیا کی سب سے پہلی زبان ہے اور ام الالسنہ (the mother of all languages) ہے لیکن عربی قواعد کے متعلق مورخین کا خیال ہے کہ ابوالاسود المتوفی 69ھ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکم سے مرتب کئے۔ گویا یہ دنیا کی سب سے پہلی خدا کی عطا کردہ عام زبانوں کی ماں ہزاروں برس تک بغیر تدوین قواعد لغت کے نوع انسان کے کام آتی رہی مسلم اور غیر مسلم تمام محققین نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ عربی نہایت وسیع زبان ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

(زبان و قلم صفحہ ۲۸ جید برقی پریس دہلی 1941ء مصنفہ صارم) عربی زبان میں ایسی وسعت (vastness; richness) ہے کہ اس کا احاطہ نبی کے سوا سے ممکن نہیں۔

ڈاکٹر جان نے تمدن عرب میں لکھا ہے۔ (زبان و قلم صفحہ ۲۸ جید برقی پریس دہلی 1941ء مصنفہ صارم)

تصوف کے معنے بہت سے بیان کئے گئے ہیں سب کا خلاصہ (epitome) یہ ہے کہ تزکیہ نفس و تصفیۂ قلب کا نام تصوف ہے۔ اور احسان کا نام تصوف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے ازالتہ الخفاء میں تحریر فرمایا ہے:

''بعد فقۂ اعظم علوم و علم احسان، تصوف، ست، اعنی آنچہ امروز باسم علم سلوک مسمی شود و قوت القلوب واحیا العلوم دران مصنف شدہ است۔'' اسلئے یہ ثابت ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور یہ اس علم کا نام ہے جو آدمی کو

Marfat.com

زہد (asceticism) کی تعلیم دیتا ہے۔

صوفی کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنے ہیں۔ صوفی کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اصحاب صُفّہ کی نسبت سے ہے اور عربی لفظ ہے۔

اصحاب صُفّہ وہ صحابی کہلاتے ہیں جو مسجد نبوی میں رات دن ایک چبوترہ (platform) پر رہتے تھے اور ریاضت وعبادت و تعلیم میں مشغول رہتے تھے یہ لوگ جہاد کے سوا کہیں نہ جاتے تھے۔ لیکن لغوی اعتبار سے صُفّہ سے صفوی ہونا چاہئے تھا۔ نہ کہ صوفی۔ بعض کا قول ہے کہ صف سے ہے چونکہ قربِ الٰہی میں سب سے اوّل صف میں ہیں۔ اس لئے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں صفوی تھا۔ کثرت استعمال سے صوفی ہوگیا۔ علامہ ابنِ خلدون نے لکھا ہے کہ صوفیہ صوف (wool) پہنتے تھے اس لئے صوفی کہلائے یہ خیال اس لئے صحیح نہیں کہ صوفیائے کرام کے یہاں صوف پہننا لازمی نہیں ہے امام الصوفیہ امام قشیری رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں:

''پشمینہ پہننا اس فرقے کی خصوصیت نہیں''۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں یونانی لفظ (سوف) سے بنا ہے جو بمعنی حکمت (wisdom) ہے۔ چونکہ صوفیا میں اشراقی حکما کا سا اندازہ پایا جاتا تھا اس لئے یہ صوفی مشہور ہوگئے۔ اور اہلِ عرب اسے (ص) سے لکھنے لگے۔ میرے نزدیک یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے حضرات صوفیائے کرام میں ہرگز اشراقی حکما کا سا انداز نہ تھا۔ ان کو اشراقی حکما کے طور طریق سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کیونکہ حقائق اشیاء کو جانچنے کی چار گروہ مدعی ہیں:

(1) صوفی۔ یہ نور نبوت، اتباع رسولؐ ریاضات ومجاہدات وعقل سلیم (good sense) سے دیکھتا ہے اس کے بانی انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کی ترقی کی کوئی حد نہیں ہے۔

(2) الشراقی۔ ذاتی کشف وعلم وعقل پر بھروسہ کرتا ہے اس کا بانی افلاطون تھا سوانح نوریہ سے آگے ان کی ترقی نہیں ہے۔

(3) متکلمین۔ یہ فرقہ علم دین ومنطق (logic) پر اعتماد کرتا ہے اس کے بانی علمائے منطق ہیں۔

(4) مشائین۔ عام علوم وعقل پر مدار کار رکھتا ہے ان کا طریقہ قیاس و استدلال و استقرا (induction) ہے ان کا بانی ارسطا طالیس ہے۔ اس تفصیل پر نظر کرنے سے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے کہ صوفی اور اشراقی میں عظیم الشان فرق ہے بعض نے لکھا ہے کہ صوفی آل صُوف کی طرف منسوب ہے۔ عہدِ جاہلیت میں ایک گروہ تھا جو ترکِ (renunciation) دنیا کر کے عبادت کرتا، اور خانہ کعبہ کی خدمت کرتا تا فتح اسلام کے بعد اس گروہ کا خاتمہ ہوگیا۔

کتاب اللمع میں ہے کہ قبل از اسلام ایک صوفی مکہ میں طوافِ کعبہ کیلئے آیا کرتا تھا۔ کتاب اخبار مکہ

Marfat.com

میں ہے کہ لفظ صوفی عرب میں اسلام سے پہلے سے رائج (current) تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ عرب میں ایک گھاس ہوتی تھی۔ اس کو صوفانہ کہتے ہیں چونکہ زمانہ جاہلیت میں رہبان اور درویش جو جنگلوں میں رہتے ہیں وہ اس کو کھاتے تھے اس لئے ان کو صوفی کہا جاتا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی کے اولاد نہ ہوتی تھی یا زندہ نہ رہتی تھی تو وہ منت مانتا کہ اب جو بچہ پیدا ہو گیا اس کو کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جائے گا۔ جب بچہ پیدا ہوتا تھا اس کے سر پر اُون لگا کر اس کو کعبہ میں رکھ دیتے تھے۔ مجاورین کعبہ اس کی پرورش کرتے تھے قبل از اسلام ایک عورت نے بھی منت مانی اور اس کے لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام غوث بن مّرہ بن او بن طابنجہ رکھا گیا چونکہ حسبِ دستور اس پر اون لگائی گئی تھی اس لیے اس کا لقب صوفہ ہوا۔ اس کی اولاد آل صوف سے کرنا بروئے قواعد کچھ صحیح نہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ صوفی صوفتہ القضا کی طرف منسوب ہے۔ سر کے پچھلے حصہ (mane) (گدّی) کے بالوں کو صوفتہ القضا کہتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے گدّی کے بال پکڑ لئے جائیں تو وہ مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے چونکہ صوفی عبادت الٰہی پر مجبور ہے اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کو گدّی کے بال پکڑ کر مجبور کیا گیا ہے اور خدا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صفاء سے مشتق (derived) ہے۔ میرے نزدیک یہ رائے صحیح ہے اگرچہ قاعدہ کے خلاف ہے چونکہ صوفی صفائی ظاہر و باطن سے آراستہ ہوتا ہے اس لئے یہی مناسبِ حال ہے اور یہ لفظ بھی انہیں قدیم الفاظ میں سے جو قواعد کی تدوین (compilation) سے پہلے رائج ہو چکے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فتاوائے حدیثیہ میں لکھا ہے جو خدا کی یاد میں مشغول رہے۔ اور غفلت سے اپنے قلب کی محافظت کرے۔ اس کا نام صوفی رکھا گیا۔ یہ امر قبل دو سال ہجری کے واقع ہوا۔

مولوی عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے۔ (معارف اپریل 1953ء) اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ (nascent) لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہلِ بغداد کی ایجاد ہے۔ قرون ثلاثہ میں اسلام کے قدیم زمانے میں جو چیز رائج ہو اس کو نوزائیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک حدیث سے صوف کا لفظ پیش کیا جا چکا ہے۔ کتاب اللمع میں ہے (قبل از اسلام ایک صوفی مکہ میں آیا کرتا تھا) کتاب اخبار مکہ میں ہے (کہ لفظ صوفی عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھا) حافظ ابن حجر کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ کتاب تصوف اسلام میں پر حضرت امام حسن بصری کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے ایک صوفی کو طواف (circumambulate) کرتے دیکھا۔ امام حسن بصری نے قرن اول کے آخر 110ھ میں وفات پائی۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ صوفی کا لفظ امام حسن بصری اور امام سفیان ثوری کے اقوال میں ہے۔ ڈاکٹر زبیدہ احمد ایم اے لیکچرار عربی فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی نے لکھا ہے (یہ لفظ تصوف) حسن بصری المتوفی 110ھ کے زمانہ میں رائج ہو چکا تھا۔ کیونکہ ان کے اور سفیان

Marfat.com

ثوری کے اقوال میں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے۔ امام سفیان ثوری کے استاد ابو ہاشم کوفی تھے جن کی ۱۶۱ھ میں وفات ہوئی۔ پس یہ ثابت ہے کہ یہ لفظ عرب میں قبل از اسلام موجود تھا اور مسلمانوں میں قرن اول سے رائج تھا۔ اس لئے اس کو نو زائیدہ کہنا صحیح نہیں۔

علامہ لطفی جمعہ مصری نے اپنی کتاب فلاسفۃ الاسلام میں لکھا ہے کہ صوفی یونانی کا زسوفیانہ سے متعلق ہے جس کے معنی حکمتِ الٰہی کے ہیں صوفیائے کرام نے اس علم کا اظہار اس وقت تک نہیں کیا اور نہ خود کو اس صفت سے متصف کیا جب تک کہ یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں نہ ہو چکا تھا علامہ موصوف کا یہ خیال صحیح نہیں۔ یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ ابو ہاشم کوفی ۱۶۱ھ صوفی مشہور تھے جب تک کہ انہوں نے مسائل تصوف کا اظہار نہ کیا ہوگا اس وقت تک اس لقب سے کیونکر شہرت پائی ہوگی۔ تصانیف تصوف میں امام حسن بصری کے رسالہ اخلاص کا یہی نام ہے۔ یہ تصوف اور صوفی کا لقب دوسری صدی ہجری کے ربع اول میں رائج ہوا اور صوفی کا لفظ عربی ہے اس لئے اس کو کسی یونانی زبان سے مشتق سمجھنا اور صوفیانہ خیالات کو یونانی تصوف سے ماخوذ سمجھنا غلط ہے۔ اس زمانے تک یعنی دوسری صدی ہجری کے ربع اوّل تک کسی یونانی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا، عہدِ عباسیہ میں تراجم کی کثرت(abundance) ہوئی جن کتابوں کا ترجمہ ہوا ان کی فہرستیں مرقوم(recorded) ہیں، ان میں کوئی بھی تصوف کی کتاب نہیں ہے۔

صحابہؓ کے بعد تابعین میں صحابہ جیسی جامع ہستیاں کم تھیں اس لئے اکثر علما و صالحین نے خدمت دین کے لئے ایک ایک شعبہ کو اپنے لئے مخصوص(dedicate) کر لیا تھا۔ اور وہ اپنے فن کی نسبت ہی سے ملقب تھے۔ ایک گروہ حدیث کی تعلیم دیتا ہے یہ محدثین کہلائے جاتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم دینے والے قُراء، تفسیر کا شغل رکھنے والے مفسّرین، مسائل کے استنباط(inference) کرنے والے فقہا مشہور تھے۔ ایک گروہ ایسا تھا جو ریاضت و عبادت میں لگا رہتا تھا۔ اور ارکان اسلام و حسنِ اخلاق و خدمت خلق کی عملی تعلیم دیتا تھا۔ یہ لوگ زُہّاد (زاہد) عُبّاد (عبادت گزار) نساک (نفس کش) بکائین (کثیر البکاء) وغیرہ القاب سے مشہور تھے۔ جب گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور انہوں نے تحریف و تلبیس (distortion and impersonation) شروع کی اور ریاضت شاقہ کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا تو انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ زہاد و عباد ہم ہیں۔ اس لئے اہلِ حق نے تلبیس سے بچنے کیلئے اپنے زہاد کو صوفی کہنا شروع کر دیا۔ یہ لقب قرن اول میں دو ایک بزرگوں کو دیا گیا۔ مگر کثرت کے ساتھ سے اس کو اہلِ بغداد نے زہاد و عباد و اہلِ حق کیلئے استعمال کیا چنانچہ امام قشیری نے لکھا:

''پرہیز گار عبادت گزار لوگ زہاد و عباد کہلائے جاتے ہیں۔ جب گمراہ فرقے والوں نے اس لقب کو اختیار کر لیا(adopt) تو اہلِ حق نے اپنے بزرگوں کو صوفی کہنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے ابو ہاشم کوفی المتوفی ۱۶۱ھ صوفی مشہور ہوئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ صابر بن حبان کو سب سے پہلے یہ لقب دیا گیا یہ دونوں بزرگ ہم عصر (contemporaries) تھے۔ لیکن امام حسن بصری نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک صوفی کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اس صورت میں اگر ابو ہاشم یا جابر کی عمر سو برس ہوئی ہو تو ممکن ہے کہ انہیں دونوں میں سے کوئی ہو۔ ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان سے پہلے یہ لقب کسی اور بزرگ کا بھی تھا۔

☆......☆......☆

کسی چیز کی تاریخ تلاش کرنے سے پہلے اس کی تعریف کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ میں نے تصوف اور صوفی کی تعریف معلوم کرنے کیلئے بزرگانِ متقدمین اور اولیائے کرام اور صاحب تصانیف صوفیا اور بزرگان سلاسل کے ملفوظات، تذکرۃ الاولیا مصنفہ شیخ فرید الدین عطار و عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی و سفینۃ الاولیا مصنفہ شہزادہ داراشکوہ سے نقل کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کسی دوسری کتاب سے کچھ لیا ہے تو حوالہ لکھ دیا ہے ترتیب باعتبار سن وفات قائم کی ہے ہر نام کے ساتھ سنِ وفات لکھ دیا ہے۔

خواجہ شیخ معروف کرخی: تصوف حقائق کا حصول اور خلائق (public) کے مال و متاع سے یاس ہے۔ تصوف ایک ایسا اسم جسے فقر و زہد کے معانی حاصل ہیں۔

خواجہ ذوالنون مصری: ظاہری افعال کو گناہوں سے اور باطنی حالت میں فضول کام سے اپنے کو آلودہ (pollute) نہ کرنا اور خداوند کریم کے احکام کے مطابق مستقل رہنے کا نام تصوف ہے۔

خواجہ شیخ ابو سلیمان داری: تصوف یہ ہے کہ آدمی پر جو کچھ بھی گزرے اسے خدا کی طرف سے جانے اور خدا کے ساتھ اس طرح رہے کہ اس کے سوا کسی کو نہ جانے۔

خواجہ ابراہیم سمان سمرقندی (ہمعصر خواجہ فتح موصلی المتوفی): تصوف یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو پہچانے۔

خواجہ سری سقطی: تصوف تین معنی کا نام ہے ایک یہ کہ اس کی معرفت نورِ ورع کو نہ بجھائے۔ دوسرے علم باطن کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے کتاب ظاہر کا نقص لازم آتا ہو۔ تیسرے وہ کام کرے کہ لوگ حرام (unlawful acts) سے محفوظ رہیں۔

خواجہ بایزید بسطامی: اپنے اوپر آسائش کا دروازہ بند کرنا اور محنت اختیار کرنا تصوف ہے۔

خواجہ ابو حفص حدّاد: تصوف سراسر ادب ہے۔

خواجہ سہیل بن عبداللہ تستری: تصوف کم کھانا اور حق تعالیٰ کے ساتھ آرام پانا ہے۔

خواجہ ابو سعید خزاز: اپنے خدا سے صاف ان کے انوار سے بہرہ ور (blessed) اور اس کے ذکر

Marfat.com

سے پرلذت رہنا تصوف ہے۔

خواجہ شیخ ابوالحسن نوری: تصوف نہ رسوم میں ہے نہ علوم میں، لیکن اخلاق میں ہے۔ اگر رسم ہوتا تو کوشش سے پاسکتے۔ اگر علم ہوتا تو سیکھ کر حاصل کرسکتے بلکہ (تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ) ہے۔ یعنی خدا کے سے اخلاق (morals) اختیار کرو۔ تصوف آزادی اور جوانمردی اور ترکِ تکلف ہے۔ تصوف نفس کے حصوں کو ترک کرنا حق کے حصے کے واسطے، اور دشمنی دنیا سے، دوستی مولیٰ سے۔

خواجہ جنید بغدادی: پاک کرنا دل کا مراجعت (recourse) خلق سے، دور کرنا طبعی اخلاق کو دنائیت سے صفات بشریت کو نفسانی خواہشات (carnal desires) سے روا رکھنا۔ پیدا ہونا صفات روحانی کا، ترقی کرنا علومِ حقیقی کی طرف، عمل میں لانا ان چیزوں کا جو تا ابد کام آئیں، نصیحت کرنی خلائق کو باوقار رہنا حقیقت حال پر اور متابعت رسول اللہ ﷺ تصوف ہے۔ ہمارا یہ علم کتاب وسنت کا پابند ہے جس نے قرآن نہیں پڑھا اور حدیث نہیں سیکھی اس کو اس علم میں گفتگو کرنی مناسب نہیں۔ (رسالہ فی السماع والرقص نمبر ۵۹۲)

خواجہ صمنون بن لجب: تصوف یہ ہے کہ نہ تو کسی چیز کے قبضہ (control) میں ہو اور نہ کوئی چیز تیرے قبضے میں ہو۔

خواجہ ممشاد دینوری: اسرار کی صفائی اسرارِ شریعت میں مغالطہ نہ کھانا، راضی بر رضا رہنا تصوف ہے۔ دانائی بتلانا اور نادانستگی اختیار کرنا تا کہ خلق کو معلوم ہو جائے اور نکمے کاموں سے دست بردار ہونا یہ بھی داخل تصوف ہے۔ تصوف حقائقِ اسرار میں سے ہے اور اس پر عمل کرنا رضائے جبار ہے اور لوگوں کے ساتھ محبت رکھنا۔

خواجہ محمد ادہم: تصوف افعال پر ثابت قدم رہنا ہے تصوف نفس کا اللہ کے ساتھ اس کی مرضی پر چھوڑ دینا ہے۔

خواجہ ابوعبداللہ جلد: تصوف ایک فقر ہے جو اسباب سے مجرد ہے اور افعال حسنہ پر ثابت قدم رہنا بھی داخل تصوف ہے۔

خواجہ ابوالحسن یوسف: تصوف نام ہے کوتاہی اصل اور دائمی عمل کا زہد تصوف ہے۔

خواجہ ابومحمد الجریری: تصوف ہر نیک خصلت سے مزین (endowed) ہونا اور تمام بری باتوں سے دل کا خالی ہونا ہے۔

خواجہ ابوعلی قزوینی: تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔

خواجہ محمد بن القصاب: تصوف اخلاقِ حسنہ کا نام ہے۔

خواجہ ابوبکر کتانی: خلق میں جس کا جتنا زیادہ اچھا خلق ہے اتنا ہی اس کو تصوف حاصل ہے۔

خواجہ ابوعلی بن محمد الرودباری: تصوف یہ ہے کہ صوفی صوف پہنے نفس کو جفا و بلا کا مزہ چکھائے، دنیا کو

Marfat.com

سچ سمجھے، طریقہ سنت پر حضرت رسول کریم ﷺ کی تابعت کرے۔

خواجہ شبلی: تصوف ضبط حواس ہے اور نگاہ رکھنا حواس کا، تصوف ضبطِ قوٰی اور مراعات الناس ہے۔

خواجہ ابو محمد ترتعش: تصوف حسن خلق ہے۔

خواجہ ابو عمر تخیل: امر و نہی (do's and don'ts) پر صبر کرنا تصوف ہے۔

خواجہ ابو العباس نہاوندی: آخر فقر، اول تصوف ہے اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا اور اپنے مرتبہ اور عزت کو مسلمان بھائی پر ایثار (sacrifice) کر دینا تصوف ہے۔

خواجہ ابو عثمان سعید ابن سلام: قطع علائق، ترک خلائق، اتصال بحائق تصوف ہے۔

خواجہ ابو الحسن بن ابراہیم الحضرمی: تصوف دل کی صفائی ہے، کدورت (grudge; malice) و مخالفت سے۔

شیخ اسماعیل بن نجیب: امر و نہی پر صبر کرنا تصوف ہے

امام الصوفیا امام ابو القاسم قشیری: ہمارا طریقہ کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول کی پابندی ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

امام غزالی: میں جب صوفیوں کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کو قطع کرنا، خلائق اور صفات خبیثہ سے پاک اور منزہ (bereft) ہونا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الٰہی سے آراستہ کیا جائے۔

حضرت غوث الاعظم: تصوف کی بنیاد ان آٹھ چیزوں پر ہے۔ سخاوتِ ابراہیمؑ۔ رضائے اسحاقؑ۔ صبر ایوبؑ۔ مناجات زکریاؑ۔ غربت یحییٰؑ۔ خرقہ پوشی موسیٰؑ، سیاحت و تجرد عیسیٰؑ اور فقر محمدؐ (فتوح الغیب)

خواجہ شہاب الدین سہروردی: خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان تمام بیانات کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تصوف نام ہے قولاً و فعلاً و حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول کا، تصوف کل صدق ہے اور کل جد ہے۔ بعض صوفیا کا قول ہے کہ تصوف سراسر خُب ہے اس میں کوئی چیز ہذل و بے ہودگی (drollery and vulgarity) کی نہ ملاؤ۔

امام الصوفیہ امام عبد الوہاب شعرانی: صوفیوں کا طریقہ کتاب و سنت کے موافق ہے جو ان کے مخالف ہو راہِ راست (the right path) سے دور ہے۔ (انوار القدسیہ)

علامہ ابنِ خلدون نے مقدمہ تاریخ میں جو ۷۹۸ھ کی تصنیف ہے تصوف کے متعلق لکھا۔

(تصوف) یہ فن دینی ہے جو بعد میں جاری کیا گیا ہے مگر اس کی اصل ابتدائے زمانہ دین ہی سے ہے کیونکہ نام ہے عبادت و ذکر و شغل میں لگے رہنے کا برائیوں سے بچنے کا اور خلوت (seclusion) گزینی کا۔ اور یہ تمام باتیں صحابہؓ میں تھیں۔ مگر جب دوسرے قرن میں لوگ دنیا کی طرف بہت مائل ہونے لگے تو جو

Marfat.com

لوگ عبادت وغیرہ میں مشغول (engaged) تھے ان کا نام صوفی ہو گیا۔

اولیائے کرام میں سے ان بزرگوں کے اقوال نقل کئے ہیں جو تمام سلاسل طریقت کے پیشوا ہیں۔ ان تمام اقوال پر نظر کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تصوف نام ہے۔ اخلاص سے خدا کی عبادت کرنا، خلق کی خدمت کرنا، اخلاقِ حسنہ کے ساتھ دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنا، بندگانِ خدا کی ظاہری باطنی ترقی کی طرف رہنمائی کرنا، تمام اخلاق ذمیمہ اور حب دنیا وغیرہ سے پاک رہنا۔ حسنِ اخلاق کا مفہوم عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آدمی میں مروت سخاوت وحلم (tolerance) وغیرہ صفات ہوں اور خندہ پیشانی (with a good grace) سے پیش آتا ہو۔ بلاشبہ یہ اوصاف حسنِ اخلاق سے ہیں۔ انبیائے علیہم السلام اور ان کے متبعین، صادقین واولیائے کبار کے حالات واقوال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسنِ اخلاق کے یہ معنی ہیں کہ خداوند کریم نے جس قدر قُوی اور قوتیں انسان کو دی ہیں ان کو رضائے الٰہی کے موافق خدمتِ خلق میں اخلاص کے ساتھ صرف کرے۔ عقل کی روشنی میں علوم وحقائق اشیاء پر غور کر کے مخلوق کی فائدہ رسانی (benevolence) کی صورتیں پیدا کرے اور اپنی تمام قوتوں کو برمحل صرف کرے۔

غلام دستگیر ایم اے لکھتے ہیں۔ (قمس مصنوی صفحہ ۲۶۱) مسلک تصوف کی بنیاد اور حقیقت کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں ابتدائے زمانہ سے پیدا ہوئیں۔ مستند اصحاب طریقت اور ارباب معرفت اس پر متفق ہیں کہ تصوف اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کیا جائے ایک غیر مسلم نے تصوف کی یہ تعریف کی ہے۔ (خلاصہ کلید تھیا صوفی صفحہ ۷ مؤلفہ میڈم ایچ بی پلیوٹسکی ترجمہ ابناس چندر بسواس مطبوعہ نکار پریس لدھیانہ بار اول ۱۸۲۹ء)

سب سے اعلیٰ اصول خودی اور خودغرضی کو ترک کرنا اس پر (صوفی پر) لازم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کا خیال بالکل بھول جائے اور غرور اور خود بینی (self-conceit) کو ترک کر کے تن من دھن (heart and soul) سے اپنے ہم جنسوں کی مدد اور ہمدردی میں مستعد رہے۔

رسالہ تھیا صوفی کا مصنف لکھتا ہے۔ (شائع کردہ انبالہ برانچ The Theosophical Society) تھیا صوفی علم الٰہی یا علم روحانی کا دوسرا نام ہے۔ تھیا صوفیکل سوسائٹی (the theosophical society) اس انجمن کو کہتے ہیں جس میں انسان دوست پرہیزگار لوگ شامل ہوتے ہیں اور جو علم روحانی پھیلانے میں امن قائم رکھتے ہیں۔ بنی نوع انسان میں محبت اور ہمدردی بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی تدبیر سوچتے ہیں جس سے انسانوں میں باہمی اختلاف، بغض وحسد اور کینہ وغیرہ خصائل زبوں قطعی طور سے نابود (eliminate) ہو جائیں تا کہ ہر ایک انسان آسانی سے روحانی ترقی حاصل کر سکے۔

غرض غیر مسلموں نے بھی تصوف کی وہی تعریف کی ہے جو ہمارے بزرگوں کے اقوال سے ثابت

Marfat.com

ہے۔ جب ہمیں تصوف کی تعریف معلوم ہوگئی تو اب یہ امر بہت آسان ہے کہ ہم اس کی تاریخ معلوم کریں کہ یہ مسلک دنیا میں کب سے ہے اور اس پر آج تک کیا کیا دور گزرے ہیں۔

عقل سلیم اس طرف راہبری کرتی ہے کہ خداوند ذوالجلال نے اس مخلوق کو پیدا کر کے شتر بے مہار (wayward) کی طرح نہ چھوڑ دیا ہوگا بلکہ اس کے زندگی بسر کرنے اور دنیا میں ظاہری و باطنی ترقی کرنے کیلئے اس کے واسطے کوئی قانون بنا کر بھی اس کے حوالہ کیا ہوگا۔

اس امر کے لئے کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں کہ اخلاق کی درستی کا سب سے بہتر ذریعہ قانون الٰہی ہی ہوسکتا ہے اسلئے خداوند ذوالجلال نے جو قانون بھی عطا فرمایا ہوگا وہ اخلاق فاضلہ کا معدن و منبع (source) ہوگا۔ وہی عین تصوف ہے اور اس قانون کے حامل و متبع صوفی ہیں یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں اور وہی سب سے پہلے نبی ہیں اور خداوند ذوالجلال نے ان پر صحائف (the scriptures) نازل فرمائے لہٰذا آدم علیہ السلام سب سے پہلے صوفی تھے اور ان کے صحائف تصوف کی سب سے پہلی کتاب تھے خواجہ یحییٰ تستری اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں۔ (مکتوب بائیسواں)

قاعدہ تصوف دیرینہ است واعمال انبیاؤ صدیقاں بودہ است۔

حضرت خواجہ گیسودراز فرماتے ہیں:

''اس عالم میں سب سے پہلے صوفی حضرت آدم تھے۔'' (جوامع الکلم دیباچہ صفحہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن) ایک غیر مسلم کی بھی یہی رائے ہے۔

جب اولادِ آدم کی مردم شماری (census) بڑھ گئی تو مختلف طبائع اور مختلف خیال کے آدمی جمع ہوگئے بعض راستی پسند تھے اور بعض ایسے تھے کہ حب جاہ و حب دنیا نے ان کے قلوب و دماغ کو مغلوب (over-awe) کر دیا تھا اور وہ اپنے مقصد و خواہشات کو ہر جائز و ناجائز طریقہ (by hook or by crook) پر حاصل کرنا چاہتے تھے چونکہ قانونِ الٰہی ان کے راستہ میں حائل تھا۔ اسلئے انہوں نے قانون کی خلاف ورزی شروع کی اور اپنی منشا کے موافق قانون میں تغیر و تبدل (amendment) کر دیا۔ جب اس قسم کی شرارتوں نے زور پکڑا تو قدیم اصولوں کو رائج کرنے اور لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے خداوند کریم نے انبیا رسل مبعوث کئے۔ ہر نبی اور رسول نے وہی اصول پیش کئے جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے تھے۔ اس لئے تمام انبیاؤ رسل صوفی تھے۔ اور ان کی کتابیں تعلیم تصوف کی کتابیں تھیں۔ جو لوگ ان پر ایمان لائے اور استقلال کے ساتھ ان قواعد پر عمل کیا وہ بھی صوفی تھے۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی حالت ایسی ناگفتہ بہ (miserable) ہوگئی تھی کہ روئے زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا نہ رہا تھا۔ شر و فتن اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ عصیان و طغیان کا طوفان برپا تھا اور انبیا کی

Marfat.com

تعلیم کو لوگوں نے مسخ کر دیا تھا تو خداوند کریم کو اشرف المخلوقات کی اس زبوں حالی پر رحم آیا اور اس نے حضور ختم الرسل محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا جس میں انسان کی اخلاقی اصلاح کے سبب سے اعلیٰ اور مستحکم اصول ہیں۔

انبیا علیہم السلام کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے کلیتہً خلق سے کنارہ کشی اختیار کی ہو۔ یا ایسی ریاضتیں کی ہوں جو نفس پر غایت درجہ شاق ہوں اور جن سے اتلاف حقوق لازم آتا ہو، نہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہے۔ بلکہ ان کو سب سے زیادہ خیال اصلاح خلق کا تھا۔ اسی پر وہ اپنا زیادہ وقت صرف کرتے تھے اور لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کی طرف مائل (attract) کرتے تھے۔ لوگوں کی راحت رسانی اور دنیا کی ترقی کیلئے خداوند ذوالجلال نے جو لاتعداد مخلوق پیدا کی ہے اس کے خواص سے فائدہ اٹھانے کی سعی کرتے تھے اور لوگوں کو اس طرف توجہ دلاتے تھے۔ چنانچہ زراعت تعلیم و تربیت، پارچہ بافی (garments) وغیرہ بہت سی صنعتیں حضرت آدم علیہ السلام کی ایجاد ہیں۔ علم طب حضرت لقمان علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ علم فلکیات (astronomy) وغیرہ حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ لوہے کی صنعت حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قسم قسم کے کارخانے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند چیزیں ایجاد کیں اور ان کو سب سے پہلے یہ فکر ہوئی کہ بنی اسرائیل کو فرعون (pharaon) کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔

غرض انبیا علیہم السلام کے کارناموں اور سوانحِ حیات پر نظر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی سعی صرف امور ذیل کیلئے ہوئی تھی۔

1- قیام توحید و اقامت دین۔ 2- ترویج اخلاقِ حسنہ۔ 3- اشاعتِ علم۔ 4- قیامِ حکومت الٰہیہ۔ 5- دنیا کی مادی ترقی۔

کسی نبی کی جدوجہد ان امور کے قیام سے خالی نہیں روزِ اول تا آخیر وہ سب اسی سعی میں مشغول رہے۔ یہی تعلیم انبیا کی کتابوں میں ہے۔ یہ تھا حقیقی تصوف اور یہ عمل تھا سچے صوفیوں کا۔

تشتت

حضرت آدم علیہ السلام ہی کے عہد میں گناہوں اور نفسانیت (sensuality) وغیرہ کی بنیاد پڑ گئی تھی اور صالحین کے مقابلہ میں طالحین کا گروہ موجود ہوگیا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے اپنی بدکرداریوں (misdeeds) پر پردہ ڈالنے (cover up) کے لئے مذہب کی آڑ پکڑنی شروع کی اور شریعت انبیا کے

Marfat.com

مسائل کو مسخ کر کے عمل پیرا ہونے لگے۔ اس صورت کا قیام اسی وقت ممکن تھا جب اس کے علمبر دار تقدس کا جامہ پہنیں اسلئے گمراہ کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوگئے جو ریاضت و مجاہدہ کر کے جہلا اور عوام کو اپنی طرف مائل کرتے تھے اور پیچیدہ مسائل گھڑ گھڑ (fabricate) کر لوگوں میں شائع کرتے تھے۔

تصوف عہد اسلام میں

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی دنیا کی تاریخ میں بدترین زمانہ تھا۔ دنیا کا کوئی مذہب و مسلک اپنی اصلی صورت پر نہ رہا تھا۔ انبیا کی تعلیمات کو مسخ (distort) کیا جا چکا تھا توحید و اخلاق حسنہ، علم صناعت و تجارت ہر چیز برباد ہوگئی تھی۔ بدامنی، جہالت، بیکاری و فواحش (immodesties) نے حسنات (virtues) کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ ان دونوں صدیوں کی حالت کے متعلق تین جید محققین مذاہب غیر کی رائے نقل کرتا ہوں۔

(بحوالہ تاریخ القرآن صفحہ ۴ مصنفہ قاضی عبدالصمد سیوہاروی مطبوعہ برقی پریس دہلی ۱۹۵۱ء)

1- چھٹی صدی اپنے آخری سالوں کے ساتھ دنیا کی جہالت پر خون کے آنسو رو رہی تھی (ڈی ایم کے اومنبرا)

2- حضرت مسیح کے بعد دنیا کی اخلاقی حالت تباہ ہوگئی تھی (جان ڈیون پورٹ)

3- چھٹی صدی عیسوی میں دنیا پر قومی امتیازات اور نسلی تفریق کی حکومت تھی۔ حالت ایسی دردناک تھی کہ بیان کرتے ہوئے قلم بھی روتا ہے۔ (سوامی لکشمی رائے) اشرف المخلوقات کی انتہائی زبوں حالی دیکھ کر خداوند کریم کا بحر رحمت موجزن ہوا۔ اور دنیا کی اصلاح کیلئے حضرت مصلح اعظم محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث برسالت فرمایا اور آپ پر وہ کتاب نازل (reveal) فرمائی جو تمام اصلاحات و علوم و فنون کا منبع و معدن ہے جس سے بہتر اور بڑھ کر اخلاقی تعلیم دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔ حضرت محمدؐ نے خود ارشاد فرمایا ہے ''میں مکارم اخلاق (graceful morals) کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں''۔

آپ کے اس دعوے کی تائید قرآن مجید میں بھی ہے۔ ''تو آپؐ کو بہترین اخلاق پر پیدا کیا گیا ہے''۔ قرآن مجید کی اخلاقی ہمہ گیری (universality) اور خوبیوں اور ظاہری و باطنی اصلاحات اور دینوی ترقی کے اعلیٰ اصول کی مدح انصاف پسند محققین غیر نے بھی کی ہے۔

(تاریخ القرآن صفحہ ۲۰۷ لغایت صفحہ ۱۲۲)

1- اخلاقی احکام جو قرآن مجید میں ہیں اپنی جگہ پر کامل ہیں۔ (ڈاکٹر آرنائر)

Marfat.com

2- قرآن ایک فصیح بلیغ اور عجیب وغریب کتاب ہے جو سرچشمہ علوم اخلاق ہے۔ (یہودی فاضل ڈاکٹر ہاورڈ)

3- قرآن جو اخلاقی برائیوں اور دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش ہوا جبکہ ہر طرف جہالت کی تاریکی چھائی (prevail) ہوئی تھی۔ زمین پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو سیدھے راستے پر چلتی ہو۔ قرآن نے عالمِ انسانیت کی زبردست اصلاح (reform) کی اور وحشیوں کو انسانِ کامل بنادیا۔ جن اشخاص نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی بھی شاخ لے لیجئے ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیمات راہنمائی نہ کرتی ہوں۔ میرا یہ خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھ دار آدمی بیک وقت دنیاوی اور روحانی ترقی حاصل کرسکتا ہے۔ اگر ان اخلاق کو لیجئے جو شرف انسانیت ہیں۔ مثلاً راستبازی (veracity)۔ پرہیز گاری۔ رحم وکرم عفت وعصمت تو قرآن میں یہ سب ہدایات موجود ہیں اور اگر ان اخلاق کو لے لیجئے جن کا تعلق دنیاوی ترقی سے ہے مثلاً محبت وشفقت، عزم واستقلال، شجاعت تو ان ہدایتوں سے بھی قرآن معمور (replete) ہے۔ بہر کیف وہ ایک حیرت انگیز قانونِ ہدایت ہے۔ (پروفیسر ہربرٹ وائل)

4- مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اس میں پرہیز گاری کا ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں پایا نہیں جاتا۔ (سروليم ميور)

5- میں قرآن کی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی تعلیم کا سچے دل سے مداح ہوں۔ (لالہ راجپت رائے)

6- قرآن ایک عام مذہبی تمدنی، ملکی، تجارتی، دیوانی، فوجداری وغیرہ کا ضابطہ ہے۔ اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ مذہبی عبادت سے لیکر رات دن کے کاروبار روحانی تک، نجات سے لیکر صحت جسمانی تک، جماعت کے حقوق سے لے کر حقوق افراد تک اخلاق سے لے کر جرائم تک اور دنیوی سزا سے لے کر دینی سزا و جزا (reward and punishment) وغیرہ تک کے تمام احکام قرآن میں موجود ہیں۔ اس میں سیاسی اصول بھی ہیں جن کی بنا پر حکومت کی بنا پڑی۔ اور انہیں سے ملکی قوانین اخذ کئے جاتے ہیں۔ روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی کا فیصلہ کیا جاتا ہے قرآن ایک بے نظیر قانونِ ہدایت ہے اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں۔ (ہنری آف ورلڈ)

7- ہم پر اس امر کا اعتراف واجب (expedient; necessary) ہے کہ علوم طبیہ، فلکیہ، فلسفۂ وریاضات وغیرہ جو قرن دہم میں یورپ تک پہنچے وہ قرآن سے منقبس ہیں اور اسلام کی بدولت ہیں۔ (پروفیسر ڈیون پورٹ)

8- پیغمبر عرب نے جو تعلیمات دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کی ہیں وہ روحانی اور مادی ہر دو

Marfat.com

ریاضتوں کو اپنے اپنے ٹھکانے پر کھلنے والی اور دونوں کے درمیان بہترین توازن قائم رکھنے والی ہیں۔ (بدھ عالم چینی لیڈر فن چن)

9- اللہ تعالیٰ کا تخیل بلحاظ صفات وقدرت وعلم وعالم ربوبیت اور وحدانیت قرآن میں موجود ہے۔ اس بنا پر قرآن بہترین تعریف وتوصیف کا مستحق ہے۔ (ڈاکٹر راڈویل)

10- قرآن وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی پاکیزگی، نفاست، جلال (grandeur) اور جبروت (omnipotence) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں۔ (پروفیسر ایڈورڈ مونٹ)

11- رسول عربی نے سب سے پہلے دنیا کے سامنے وحدانیت (oneness) کی تعلیم پیش کی۔ (ہندو فاضل چپلونکر)

12- اعلیٰ سے اعلیٰ توحید کا مذہب جو دنیا میں پایا جاتا ہے اسلام ہے۔ (ارنسٹ ہیگل جرمنی)

توحید اور اخلاقِ حسنہ یہ دو ہی چیزیں عین تصوف اور تصوف کی روح رواں (heart and soul) ہیں۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ یہ دونوں امور اسلام سے بہتر کسی مسلک و مذہب میں نہیں ہیں۔ اس لئے جو مذہب ومسلک اسلام کے خلاف ہیں وہ صاحبِ تصوف نہیں۔

جب انبیا علیہم السلام صوفی تھے اور ان کا مذہب ومسلک جو انہوں نے پیش کیا تصوف تھا تو جو لوگ ان کے پیروکار تھے وہ سچے صوفی تھے اور ان کا مسلک صحیح تصوف تھا۔ اب ہمیں تاریخِ عالم میں یہ دیکھنا چاہئے کہ حضور رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب وتابعین وتبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا عمل تھا۔ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں عزلت نشیں ہو گئے تھے کیا انہوں نے ایسا توکل اختیار کیا تھا کہ بغیر کسب واکتساب رزق حاصل ہو گیا تھا کیا انہوں نے اپنی عمریں تجرد (celibacy) میں گزاری تھیں اور کیا موجودات عالم سے انہوں نے کوئی کام نہیں لیا تھا؟

جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں ہر شخص جنرل بھی تھا، معلم بھی تھا اور عابد وزاہد بھی تھا۔ انہوں نے روم وایران جیسی عظیم الشان سلطنتوں کے تختے الٹ (overthrow) دیئے۔ انہوں نے افریقہ اور یورپ میں فتوحات حاصل کیں لیکن وہ ہمیشہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام وتوسیع اور دنیا میں امن وامان قائم کرنے میں ساعی رہے وہ علوم فنون اور صنعت وتجارت کو فروغ دیتے رہے۔ غرض رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے حالات واقوال سے جو سراسر تصوف کے مسائل ونکات ہیں ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو چاہئے دنیا میں علوم وفنون میں ترقی کرے۔ عدل وانصاف کے ساتھ امن وامان کا حامی رہے۔ حبِ زر، حبِ جاہ اور تمام اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف رہے۔ تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف

Marfat.com

رہے۔دنیا کی ترقی میں اس طرح جدوجہد کرے کہ ذاتی مفاد (vested interest) کا خیال تک نہ ہو بلکہ خلق اللہ کی راحت وفوائد پر نظر ہو۔دین وعلوم کی اشاعت (spread) پر کمربستہ ہو اگر احقاق حق کی خاطر حرب و ضرب کی ضرورت ہو تو ایک مستعد سپاہی کی طرح سینہ سپر ہو۔محنت مزدوری یا کوئی پیشہ کر کے کما کر کھائے۔ لوگوں پر بار (liability) نہ ہو۔جو حقوق اس کے ذمہ عائد ہیں ان کو کشادہ دلی اور تن دہی سے ادا کرے۔حق خلق اللہ حق وطن، حق قوم، حق مذہب، حق ہمسایہ، حق اقارب، حق اہل وعیال، حق نفس، ان حقوق کو باحسن وجوہ سرانجام دے۔ان میں سے بعض امور کی تشریح امام الصوفیہ امام شعرانی نے کی ہے جن کو ہم صوفی کی تعریف میں نقل کریں گے۔

دنیا کو اس طرح چھوڑنا کہ اس سے کوئی تعلق نہ رہے قانونِ قدرت کے خلاف ہے اس کا نام رہبانیت (monasticism) ہے۔حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔آپ کا ارشاد ہے۔''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔''

خداوند ذوالجلال نے اپنے کلام پاک میں جو بہترین دعا ہم کو تعلیم فرمائی ہے اس میں بھی عاقبت سے پہلے دنیا کی بھلائی کی التجا ہے۔''اے رب ہم کو دنیا وآخرت کی خوبیاں عطا فرما اور آگ کے عذاب سے بچا۔'' اس لئے دنیا سے بالکل بے تعلق ہونا صوفی کیلئے مناسب نہیں ہے۔بلکہ دنیا میں رہ کر یادِ الٰہی میں مشغول رہنا اور امر ونواہی کی پوری پابندی کرنا۔خلق اللہ کی اصلاح میں کوشش کرنا یہ بڑی بات ہے اور یہی شان ہے مسلمان صوفی کی یہی معنی اور طلب ہے۔اس اصطلاح کا جو حضرات نقشبندیہ کا دستور العمل ہے۔(دل بیار و دست کار) حضور ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو اپنی آخرت دنیا کے لئے نہ چھوڑے اور نہ دنیا کو آخرت کیلئے ترک کرے اور نہ دوسروں پر بار ہو۔''ارشاد ہے کہ''دنیا سے اسی طرح تعلق رکھ کہ جیسے یہاں سے کبھی جانا نہیں۔اور دنیا سے اس طرح الگ رہ کہ یہ سمجھ لے کہ اس سانس کے بعد شائد دوسرا سانس نہ آئے۔''

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آدمی اپنے علم واعمال حسنہ اور حسنِ تدبیر وغیرہ سے ترقی کے ساتھ دُنیوی تعلقات کو مستحکم کرے جو اس کے بعد آئندہ نسلوں (posterity) کی ترقی اور خوش حالی کا باعث ہوں لیکن اس طرح کہ اس میں ایسا شغف نہ ہو جائے کہ اس کی طلب میں اوامر کی خلاف ورزی کر گزرے اور حسنات کو بھول جائے اور خودغرضی اور نفع ذاتی کے جال میں پھنس جائے۔بلکہ یہ تعلقات دوسروں کی نفع رسانی کے خیال سے ہوں۔اگر ایسا عمل ہوگا تو بے لوث اور حب دنیا سے دل پاک رہے گا۔قوم کی تعمیر کا اور اخلاق حسنہ کی ترویج کا انحصار و دار و مدار ظاہری ترقی پر ہے بغیر ظاہری ترقی کے عمومیت کے ساتھ باطنی ترقی کا شیوع اور استحکام مشکل ہے۔یہ امر قرآن مجید کی تعلیم سے اس طرح ثابت ہے کہ قرآن مجید میں کل (۶۶۶۶) آیتیں ہیں۔ان

Marfat.com

میں سے (۵۰۰) آیتوں سے مسائل کا استنباط (inference) کیا گیا۔ ان تمام مسائل میں دنیوی مسائل بھی ہیں اور خالص دینی بھی۔ اور (۷۵۰) آیتوں سے دنیوی علوم کا استنباط کیا گیا ہے۔ قاضی ابوبکر المعروف بہ ابن العربی صوفی نے لکھا ہے۔

ستر ہزار علوم کا استنباط قرآن سے ہوا ہے اس کی تائید پروفیسر ڈیوزٹ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کو ہم گزشتہ صفحے پر نقل کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر مورس فرانسیس نے لکھا ہے:

''یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق (superior) ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کیلئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان میں سب سے بہتر کتاب یہ ہے۔'' اس کے نغمے (carols) انسان کی خیر و فلاح کے لئے فلاسفۂ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے۔ قرآن علماء کے لئے ایک علمی کتاب ہے۔ شائقین علم لغت کے لئے ذخیرہ لغات، شعرا کیلئے عروض (prosody) کا مجموعہ اور شرائع اور قوانین کا عام انسائکلو پیڈیا ہے۔ مسلمانوں کو اس کتاب کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت انہیں سارے جہان کی فصاحت و بلاغت سے بے نیاز کئے ہوئے ہے۔ یہ کتاب واقعیت (factuality) پر مبنی ہے اور اس کی واقعیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشا پرداز اور شاعر اس کتاب کے آگے جھک گئے ہیں۔ اس کے عجائب ایسے ہیں جو روز بروز نئے نکلتے رہتے ہیں۔ اور اس کے اسرار ایسے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتے۔

قرآن مجید میں جابجا ارشاد ہے کہ اگلی امتوں کے حالات دیکھو آسمان، زمین، جبال و اشجار و نجوم، انسان و حیوان، نباتات و جمادات کے احوال و افعال و خواص میں غور کرو اور عقل سے کام لو۔ اس طرح حقائق اشیاء پر عبور حاصل کر کے خلق اللہ کو ظاہری و باطنی ترقی کا راستہ دکھاؤ مخلوق کی راحت و رونق اور حکومتِ الٰہیہ کے استحکام میں سعی کرو۔ حضور علیہ السلام نے اور آپ کے صحابہ نے تعمیر قوم اور دنیا کی ظاہری و باطنی ترقی کے لئے پوری جدوجہد کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے اور رات دن صرف نوافل و وظائف میں لگے رہتے تو نہ دنیا میں منشور حق شائع ہوتا اور نہ دنیا ترقی کی اس منزل تک پہنچتی۔ قدرت نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جو خزانے اشیائے عالم میں ودیعت رکھے تھے۔ وہ وہیں کے وہیں مدفون (buried) رہتے ریاضت و مجاہدہ جو تصوف کا اعلیٰ ترین اصول ہے اور جس پر صوفی کی باطنی ترقی کا دارومدار ہے، اس کی حقیقت صرف اسی قدر نہیں ہے کہ صوفی ہر وقت اوراد اور نوافل میں مشغول رہے۔ بلکہ حصولِ علم میں محنت و تکلیف برداشت کرنا، قوم کی رعایت کرنا، نوعِ انسانی کی مشکل کشائی کرنا، دفع ضلال و شرار اور قیام حق ۔۔۔۔ امن کے لئے مستور رہنا۔ دینی و دنیوی، سیاسی و ملکی معاملات میں حق کے موافق دنیا کی راہنمائی کرنا۔ یہ سب سے بڑی ریاضت اور عظیم الشان مجاہدہ ہے جس نے

Marfat.com

اس میں کامیابی حاصل کر لی وہ سچا اور پکا صوفی ہے اور صادق ولی ہے کیونکہ حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کبار کا یہی طرز عمل تھا۔ اور آپ ؐ کی تعلیم کا زیادہ تر یہی مفہوم ہے۔

خلفائے راشدین اور جلیل القدر صحابہ کی اشاعت اسلام تعمیر قوم واستحکام حکومت الٰہیہ، ترویج علوم وفنون، قیامِ امن وقیام تہذیب پر مصروف تھی۔ وہ اس قدر ذکر وشغل کرتے تھے لیکن ان امور سے غافل نہیں تھے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترویج علوم وتہذیب وامن میں بعض کفار اور عوام بھی جدوجہد کرتے ہیں لہٰذا صوفی میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ لیکن اہلِ نظر جب واقعات عالم اور انقلابات زمانہ وغیرہ پر غور کرتا ہے تو اس پر منکشف (dawn on) ہو جاتا ہے کہ غیر مسلم اور عوام کی جدوجہد، جاہ طلبی، شہرت اور نفع ذاتی کیلئے ہوتی ہے۔ وہ اپنی تحقیق سعی میں جائز وناجائز کا لحاظ نہیں کرتا جس سے بعض لوگوں کے حقوق کا اتلاف (loss) ہوتا ہو یا کسی کو آزار پہنچتا ہے۔ اس کا قدم ڈگمگا بھی جاتا ہے اور اس کی سعی سے اچھے منافع مرتب نہیں ہوتے کیونکہ اس کا بھروسہ اپنے علم وتدبیر وقوت پر ہوتا ہے۔

صوفی کی جدوجہد میں عزم واستقلال واستقامت ہوتی ہے۔ وہ اوامر ونواہی کا پابندی ہوتا ہے جس میں کسی کو مضرت کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اس کا دل ذاتی اغراض سے خالی ہوتا ہے وہ خدا کے بھروسے اور توکل پر کام کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے خداوند ذوالجلال کے تمام احکام جو ظاہری وباطنی ترقی کے کفیل تھے کھول کر سب کو سنا دیئے اور تمام صحابہ کو تعلیم فرما دیئے آپ ؐ نے کوئی بات کسی سے نہیں چھپائی۔ اس لئے اسلام اور اسلامی تصوف مین کوئی بات ایسی نہیں جو خفیہ ہو یا عقل وفطرت کے خلاف ہو۔ ایسا عقدہ (puzzle; riddle) ہو جس کے سمجھنے سے اکثر عقول عاجز ہوں۔ علم باطن جس کو کہا جاتا ہے وہ کوئی خفیہ چیز نہیں ہے وہ علم شریعت کا دوسرا نام ہے چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیا العلوم میں اس طرح تصریح فرمائی ہے۔

رسول کریم ﷺ کے دستِ حق پرست پر جن لوگوں نے بیعت کی تھی وہ سب صوفی تھے۔ یہ لوگ قرآن وحدیث کے سوا کسی چیز پر عمل نہ کرتے تھے۔ اس دور کا ہر فرد عابد وزاہد بھی تھا اور معلم بھی جج بھی تھا اور جنرل بھی ان میں عزت نفس وخودداری (self-restraint) کا یہ عالم تھا کہ کسی سے سوال کرنا یا کسی پر بار ہونا عار سمجھتے تھے۔ گھوڑے پر آراستہ چلتے چلتے اگر ہاتھ سے کوڑا (whip) گر گیا تو خود اتر کر اٹھا لیا کسی سے سوال نہیں کیا کہ ہمارا کوڑا اٹھا دو۔ بڑے بڑے ممالک فتح کئے، صوبوں کے گورنر رہے، خزانوں پر حکمران رہے مگر حب زر سے اس قدر بیزار تھے کہ ان کی ملکیت میں مصلیٰ، عصا اور کاسہ ان تین چیزوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا، خود تکلیف اٹھاتے تھے دوسروں کو راحت پہنچاتے تھے۔ انہیں کی قوتِ بازو سے دنیا میں حق انصاف وعلوم وفنون، امن وامان کا سمندر موجزن ہوا، آج جتنی بھی محیر العقول ایجادات کا انبار ہمارے سامنے ہے جو ہمارے آرام و

Marfat.com

تعیش کا ساماں ہیں سب انہی صوفیوں کی ہمت وتوجہ کا نتیجہ ہے وہ ہر وقت احقاق حق، وابطال باطل اور خدمت خلق کے لئے کمر بستہ رہتے تھے۔ محنت وایثار کا یہ عالم تھا کہ تاریخ عالم کسی قوم اور کسی زمانے میں ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ جب رسول اکرم ﷺ نے رحلت فرمائی تو اس وقت اسلام، ہند، شام، مصر، چین اور افریقہ میں پہنچ چکا تھا۔ ملک عرب تقریباً تمام کا تمام حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ وہ عرب جہاں ہر وقت فضا مشتعل رہتی تھی وہ عرب جس کے باشندے غایت درجہ کے لڑاکو جھگڑالو (truculent) تھے۔ وہ عرب جہاں دختر کشی، قمار بازی، شراب خوری، زنا، استحصال بالجبر وغیرہ ذمائم کثرت سے رائج تھے اور یہ محاسن میں شمار کئے جاتے تھے۔ جہاں جہالت کی تاریکی سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جو اسلام کے بعد امن تہذیب، حسنِ اخلاق اور علم وعدل کا گہوارہ (cradle) بن چکا تھا۔ وہاں قوم کا تعمیری آلام اعلیٰ منزل تک پہنچ چکا تھا۔ توحید کی تعلیم سے سینے منور ہو چکے تھے۔ وہاں ایک بڑی جماعت تیار تھی۔ جو دنیا کی معلم اور راہبر بننے کے قابل تھی اور جنہوں نے اس خدمت کو بوجہ احسن انجام دیا تھا۔

یہ تھا وہ تصوف اور تصوف کی تعلیم کا نتیجہ جو انبیا علیہم السلام کا مسلک جو توحید و مذہب وحسن اخلاق کا ضامن تھا۔ اگر اس مسلک کے علاوہ کوئی اور مسلک تصوف ہے تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ خدا کے یہاں مقبول ہی نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔ غرض توحید اور حسنِ خلق یہ دو چیزیں تصوف کی روح (spirit) بتائی جاتی ہیں یہ دونوں چیزیں اعلیٰ درجہ پر اسلام میں موجود ہیں اور اسلام سے بہتر کسی مذہب ومشرب میں نہیں۔ اس لئے متبعین اسلام کے سوا جو کوئی تصوف کا دعویٰ (claim) کرے وہ لاف وگزاف (bluster) ہے۔

Marfat.com

تصوف قرنِ اوّل میں

امیر معاویہ کے بعد زمامِ حکومت اکثر ظالم اور عیش پرست حکمرانوں کے ہاتھ رہی یہ حکومت اپنے عیش و آرام اور استحکام و توسیع حکومت کے سوا دینی امور سے کم دلچسپی رکھنے والے تھے۔ اس لئے اب جو اصحاب رسول اور تابعین تھے وہ تفسیر، حدیث، فقہ، قرآن ۔۔۔ ظاہری و باطنی کی خدمات بطور خود انجام دیتے تھے۔ بیعت چونکہ امر خلافت میں تبدیل ہوگئی تھی اس لئے بزرگانِ دین میں بیعت لینے کا رواج نہ تھا۔ صرف محبت و تلمذ کا نور تھا لیکن باوجود امرائے نااہل (incompetent) کی حکومت کے اصحاب و تابعین جنگ و جہاد میں برابر شریک ہوتے تھے۔

تابعین امرا کو نصائح بھی کرتے تھے سیاسی معاملات میں بھی دخل دیتے تھے باوجود امرا کی سخت گیری (cruelty) کے حق گوئی سے باز نہ رہتے تھے۔ یزید اور حجاج بن یوسف جیسے ظالموں کے آگے بھی اظہارِ حق سے نہ رکے حضرت عبداللہ تابعی جنہوں نے حضرات عمر و عثمان و علی سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور جو تمام سلاسلِ طریقت کے سرحلقہ ہیں ہمیشہ جہادوں میں شریک رہتے تھے۔ اور اکثر عَلم جہاد ان ہی کے ہاتھوں میں ہوتا تھا اسی وجہ سے ان کا لقب عَلم بردار ہوگیا تھا۔

خلیفہ ولید اول نے اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے معزول (depose) کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا خوشامدی مصاحبوں (sycophant courtiers) نے ہاں میں ہاں ملائی لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سر دربار خلیفہ سے صاف لفظوں میں کہا کہ آپ کے بیٹے سے سلیمان بہتر ہے، خلیفہ نے ناراض ہوکر ان کو قید کر دیا۔ تین برس کے بعد چھوڑا پھر جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا تو شیخ رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ آپ کا بیٹا اس لائق نہیں ہے اپنے چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیز کو منتخب کیجئے۔ شیخ کی حق گوئی کا خلفیہ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اس مشورہ کو قبول کر لیا۔ قرنِ اول میں نہ تصوف کے نام سے کوئی

Marfat.com

مسلک قائم ہوا نہ اس مسلک کے نام سے کوئی کتاب تصنیف ہوئی۔ حضرات تابعین کا وہی طرز عمل تھا جو صحابۂ کرام کا تھا۔ البتہ بعض خوارج اپنے عقائد کی تائید کیلئے حدیثیں گھڑتے تھے۔ اور طرفداران بنی امیہ و بنی عباس بھی اپنی تائید کیلئے یہی عمل کرتے تھے۔ امام حسن بصریؒ کے قول سے ثابت ہے کہ اس عہد میں دو ایک بزرگوں کو صوفی کہا گیا ہے۔

تصوف قرنِ ثانی میں

تابعین اپنے اساتذہ صحابہ کے قدم بقدم چلتے تھے ان کا مذہب ان کا مسلک اور ان کا طرزِ عمل سب کچھ شیوخ کے موافق تھا۔ ان میں جو ہستیاں صحابہ کی طرح جامع صفات تھیں وہ رفتہ رفتہ کم ہوتی (die out) جاتی تھیں۔ گمراہ (misguided) فرقوں کی سرگرمی بڑھتی جاتی تھی۔ قرآن کے معانی و مطالب اور حدیثوں میں تدلیس و تلبیس کی جاتی تھی۔ نئی نئی حدیثیں وضع کی جاتی تھیں نئے نئے عقائد و مسائل گھڑے جاتے تھے۔ گمراہ فرقوں کے علما زہد و تقوٰے کے لباس میں عوام کو اپنی طرف متوجہ کر کے گمراہ کرتے تھے۔ اس وقت بڑی ضرورت اس بات کی تھی کہ علوم دینیہ کی نگہداشت کی جائے۔ اس لئے مختلف طور پر بزرگوں نے مختلف شعبوں کو سنبھالا بعض تعلیم قرآن میں مصروف ہوگئے یہ قرا مشہور ہوئے۔ بعض تدوین و تعلیم حدیث میں مشغول (engaged) ہوئے یہ محدث کہلائے۔ بعض نے قرآن کے معانی و مطالب کی تعلیم کا درس قائم کیا یہ مفسرین مشہور ہوئے۔ بزرگوں اور اماموں کی جماعت ظالم امرا اور عیش پرست رئیسوں اور خود غرض حکام کو ان کے ناروا طرزِ عمل پر زجر و توبیخ (reprove) بھی کرتی تھی اور ان کے بعض مقاصد میں خلل انداز بھی ہوتی تھی۔ اس لئے ظالم حکمران، محدثین و فقہا پر قسم قسم کی سختیاں کرتے تھے۔

قرنِ اول میں اور اس قرن میں بھی صحابہ و تابعین شہید اور قید کئے گئے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قید خانہ ہی میں انتقال ہوا۔ ان حالات پر نظر کر کے بعض بزرگ درس و تدریس، تعلیم و تعلم اور وعظ و پند وغیرہ امور سے دست کش ہو گئے اور انہوں نے صرف ذکر و شغل عبادت و ریاضت کو اختیار کر لیا۔ یہ جماعت زہاد و عباد کے نام سے مشہور تھی۔ یہ لوگ سیاسی اور ظاہری اصلاحی امور سے علیحدہ رہ کر اپنے پاس آنے جانے والوں کو صرف اذکار و اشغال کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ عوام کی رجوعات ان کی طرف زیادہ تھی۔ یہ دیکھ کر گمراہ فرقے والوں نے اپنے فرقے کے عابدوں کو زہاد و عباد کہنا شروع کر دیا۔ اہلِ حق نے اس تلبیس سے بچنے کیلئے اپنے زہاد کو صوفی کا لقب دیا۔ اور ان کی تعلیمات کو تصوف کہنے لگے۔ تصوف اصل میں اس تعلیم و عمل کا نام ہے جس کو اصطلاح شرع

Marfat.com

میں احسان کہتے ہیں سیاسی وعلمی واصلاحی کاموں سے زہادعباد کی ایک کثیر جماعت نے علیحدگی اختیار کرلی تھی، یہ وہ لوگ تھے جن کی جہتیں پست ہوگئی تھیں یا جو حکام کے جور و جفا (high-handedness) کی تاب نہ لاسکتے تھے یا ان امور پر توجہ کرنے کے لئے ان کو حسبِ دل خاطر خواہ مواقع حاصل نہ تھے مگر سب کا یہ حال نہ تھا کچھ صاحب ہمت بزرگ ایسے بھی تھے جو برابر ان خدمات کو انجام دیتے رہے اور صحابہ وتابعین کی تقلید میں پوری پوری سعی کرتے رہے اس قسم کے صوفیوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔ ۱۲۲ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں خلفا امرا کی امور دین کی طرف بے رغبتی (disgust) دیکھ کر امام زید بن علی بن امام حسینؓ نے خلیفہ کے خلاف خروج (revolt) کیا۔ جنگ کرنے کیلئے ہزاروں شیعان علی نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن میدان جنگ میں شیعان علی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو انہوں نے فرمایا ''تم نے مجھے چھوڑ دیا'' اس وقت تک شیعہ مذہبی فرقہ نہ بنا تھا۔ ایک سیاسی جماعت تھی۔ امام زید کے ساتھ صرف دوسو آدمی رہ گئے تھے انہوں نے اس قلیل جماعت کے ساتھ خلیفہ کی فوج کا مقابلہ کرکے جامِ شہادت نوش (martyrdom) فرمایا۔ امام زید کے متبعین زیدیہ مشہور ہوگئے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے عہد میں مذہبی ابتری (chaos; disorder) پر نظر کر کے محمد عرف نفس زکیہ بن عبداللہ حسن مثنیٰ بن امام حسن نے خروج کیا اور شہید ہوئے۔ پھر ان کے بھائی ابراہیم نے علم جہاد بلند کیا وہ بھی شہید ہوگئے خلیفہ نے ابوحنیفہ کو قید (imprison) کردیا۔

اسی قرن میں راوندیہ، میمونیہ اور قرامطہ فرقے پیدا ہوئے جو اپنے عقائد کو مکر وحیل کے ساتھ شائع کرتے رہے۔ سچے صوفی صرف عبادات واشغال کی تعلیم فرماتے تھے ان کا مسلک کتاب وسنت کی پابندی تھا۔ اس وقت تک تصوف کے نام سے کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ اس قرن کے آخر میں تصوف صرف عبادت وریاضت کا نام رہ گیا تھا۔ صوفیہ نے تمام ملکی وملی خدمات سے دست کشی (withdraw) اختیار کرلی تھی اور تحصیل علوم پر بھی ان کی توجہ کم ہوگئی تھی لیکن سب ایسے نہ تھے بعض سچے صوفی صحابہ وتابعین ہی کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

تصوف قرنِ ثالث میں

زہاد وعباد کا گروہ جسے صوفی کہا جاتا تھا صرف عبادت وریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ یہ لوگ سیاسی اور ظاہری اصلاحی امور سے علیحدہ رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں علم کی کمی بھی ہوتی گئی بہت سے کم علم اور بے علم زاہد وصوفی پیدا ہوگئے لہذا قرامطہ وغیرہ گمراہ فرقے والوں کو ان میں اپنے اعمال وعقائد کے پھیلانے کا موقع

Marfat.com

ملا۔ کیونکہ کم علمی کی وجہ سے یہ لوگ ہر اس بات کو حسنِ ظن (good opinion) سے قبول کر لیتے تھے جو رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرام کی طرف منسوب کی جاتی تھی۔ یہ اصول روایت و درایت (higher criticism) سے واقف نہ تھے اور گمراہوں کی سرگرمیوں سے عزلت نشینی کی وجہ سے بے خبر تھے۔ دوسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے سماع رائج ہو گیا۔ کیونکہ قرامطہ وغیرہ کے وہ عبادت گزار جو صوفی بنے ہوئے تھے عوام کو اپنی طرف رجوع کرنے کیلئے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے تھے۔ اور امرا کی رضا جوئی کیلئے غیر شرعی امور پر دارو گیر نہ کرتے تھے بلکہ خلافِ شرع رسوم و عادات کو ابھارتے تھے۔ اس لئے علمائے اہلِ حق اور محدثین وغیرہ اس گروہ کے مخالف ہو گئے تھے بلکہ اپنے حسن سلوک سے معاملات نمٹاتے تھے۔

انہیں حالات پر نظر کر کے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ (صفوۃ الصفا صفحہ ۴ یہ قول ابو نعیم نے امام شافعی کے حالات میں روایت کیا ہے)

''تصوف سستی پر مبنی ہے اگر کوئی شخص ابتدائے دن میں صوفی رہا اور اس حال میں ظہر کا وقت ہو گیا تو وہ بلا شبہ احمق ہے۔''

امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے اگر کسی حدیث کی روایت میں کوئی صوفی ہو تو اس سے ہاتھ اٹھا لو کیونکہ یہ لوگ بوجہ حسن ظن کے جرح و تعدیل (critical examination) پر نظر نہیں کرتے۔ لیکن ایسے ابتر حالات سب کے نہ تھے کچھ صوفی ایسے بھی تھے جو جادۂ مستقیم پر ہمت کے ساتھ قائم تھے۔ اور صحابہ و تابعین کی طرح تمام امور میں پابندی سنت کو لازم جانتے تھے۔ بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے خواجہ ذوالنون مصری نے تصوف کے مسائل میں کلام کیا۔ اس پر لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔ اور حاکم وقت نے ان کو سزا دی میں کہتا ہوں کہ خواجہ ذوالنون مصری کے اقوال عین شریعت ہیں۔ اگر اور کچھ ان کی طرف منسوب ہے تو وہ اتہام (slander) کرنے والوں اور تحریف کرنے والوں کی کارگزاری ہے۔ اس زمانہ میں مقدسین کو بدنام (discredit) کرنے اور ان کی طرف مسائل و تصانیف منسوب کرنے کا بہت رواج تھا۔ امام ابو حنیفہ وغیرہ پر کیسے کیسے الزام لگائے گئے اور ان کی طرف تصانیف و مسائل منسوب کئے گئے حکام وقت نے اکثر اہل حق کو ایسے ہی حیلوں سے سزائیں دیں۔

اس عہد تک ان مسائل و اصلاحات کا کچھ پتہ نہیں چلتا جو مروجہ تصوف میں رائج رہیں۔ عبادت و ریاضت اور اسمائے الٰہی پر غور و فکر کرنے کے سوا کسی نے خدا کی ذات میں غور و فکر نہیں کیا۔ وہ بزرگ ایسا کیوں کرتے جبکہ رسول کریمؐ نے فرما دیا تھا۔

''خدا کی ذات میں غور و فکر (deliberate) نہ کرو البتہ اس کی نعمتوں میں غور و فکر کرو'' اس ارشاد میں دو اشارے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی ذات پر احسانات (divine favours) الٰہی کا معائنہ کرو۔ تاکہ طبیعت

Marfat.com

شکر (gratitude; thankfulness) کی طرف مائل ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کی پیدا کردہ نعمتوں میں غور کرو کہ اس نے تمام مخلوق تمہارے فائدے کے لئے پیدا کی ہے تاکہ ان کے خواص و حقائق معلوم کر کے ترقی کی راہیں پیدا کرسکو۔ انبیا علیہم السلام اور بزرگانِ قرونِ ثلاثہ کے حالات سے ان معنوں کی تصدیق (confirmation) ہوتی ہے۔

Marfat.com

بعد کی صورتِ حال

امرا نے ظالمانہ احکام اور گمراہ فرقوں کی دجل (fraud) و تلبیس سے دین حق کی تمام شاخوں میں ایک طرح کا تزلزل (commotion; turbulence; tumult) پیدا ہو گیا تھا۔ دنیاوی حب جاہ کی وجہ سے مسلمانوں کو علوم دینی کی طرف کم رغبت رہ گئی تھی کیونکہ لوگ ان ذرائع کو تلاش کرتے تھے جن سے ان کو حکومت میں دخل اور حکام کا لقب حاصل ہو، اور جو لوگ اس قابل نہ ہوئے تھے وہ حصولِ زر کے لئے تجارت وغیرہ کے وسیع ذرائع اختیار کر کے ایسے منہمک ہو جاتے تھے کہ ان کو احکام شرعی سے بے پروائی ہو جاتی تھی۔ علم کے حاصل کرنے سے روپے کا حاصل کرنا مقدم سمجھا جاتا تھا اس طرح اہل حکومت و تجارت و صنعت و حرفت، علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تھے۔ اکثر صوفیوں نے صرف ذکر و شغل کو مطمع نظر قرار دے لیا تھا اس طرح ان کی بھی کثیر تعداد علوم دینیہ سے محروم تھی چونکہ گمراہ فرقے والوں کا قرآن پر داؤ نہ چل سکا لہٰذا انہوں نے حدیث پر حملہ کر دیا۔ نئی نئی حدیثیں اپنے مقصد کے موافق وضع کر لیں اور صحیح حدیثوں میں تغیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر ائمہ اہلِ حق نے ایسے اصول و ضوابط مدون (compile) کر دیئے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو گیا۔ ان گمراہ کرنے والوں کے لئے اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا کہ تصوف پر ہاتھ ڈالیں انہوں نے ریاضت ہائے شاقہ مصنوعی زہد و اتقا اور شعبدہ بازی (jugglery) سے لوگوں میں اثر پیدا کر کے خلافِ شریعت عقائد و اعمال کو پھیلانا شروع کر دیا تو ہم پرست، عجائب پرست، کم علم اور کم فہم لوگ (dim-witted) ان کے معتقد ہو گئے۔

غرض قرنِ ثانی کے آخر سے تصوف میں جو خرابیاں (flaws) ہونی شروع ہوئی تھیں وہ روز بروز ترقی کرتی رہیں۔ اور قرنِ ثلاثہ کے بعد حلول و اتحاد کا خیال صوفیوں میں پوری طرح حلول (penetrate) کر گیا۔ اور غلط عقائد اور خلافِ شریعت اعمال رکھنے والے صوفی پیدا ہو گئے۔ تصوف کا چشمہ صافی مکدر (turbid) ہو گیا۔ چنانچہ اہل حق کی جماعت میں اس فرقہ کا کوئی اعتماد نہ رہا خود اسی گروہ کے محتاط اور

Marfat.com

متدین بزرگ اس گروہ کے اقوال وافعال پر اعتماد نہ رکھتے تھے۔ اب تصوف وہ تصوف نہیں رہا تھا جس کو تصوف حق کہا جائے۔ خواجہ جنید بغدادی جو تمام سلاسل طریقت کے امام ہیں فرماتے ہیں۔ (انوار القدسیہ فی اسرار العبودیہ صفحہ ۱۷۱، ۱۱۶)

''اصلی اور سابق صوفیوں کو زمانہ حال کے برائے نام صوفیوں پر قیاس (compare) نہ کرو۔ اس وقت کے صوفی ان سے صرف نسبت کا تعلق رکھتے ہیں اور الفاظ متصوفانہ یاد رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت حال و اصلیت مآل سے عاری ہیں۔ زمانہ سابق کے صوفی متبع سنت، اسرار شریعت سے واقف تھے فرائض ظاہری کے پابند، پرہیزگار، نیکوکار، خداترس اور معرفت شناس تھے جو زمانہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے قریب تھا اس زمانہ کے صوفی واقعی باصفاء ہوئے تھے اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا لوگ رجعت قہقری (retrace one's steps) اور ترقی معکوس (retrogression) کرنے لگے چنانچہ حدیث خیر القرون اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے۔''

خواجہ ابوالحسن بوشنگی کا قول ہے:

آج تصوف کا فقط نام رہ گیا ہے مگر مسمّٰی ندارد ہے آگے تصوف تھا مگر نام نہ تھا۔

خواجہ ابوالعباس دینوری نے فرمایا ہے:

لوگوں نے ارکانِ تصوف کو توڑ دیا اس کے طریقوں کو تباہ کر دیا۔ اور اس کے معنوں کو بدل دیا۔

امام غزالی اپنے عہد کے صوفیوں کے متعلق احیائے العلوم باب دہم میں فرماتے ہیں:

''جو حال کے صوفی ہیں ان کا دستور یہ ہے کہ سچے صوفیوں کی طرح اپنا لباس، ہیئت، آداب اور مراسم واصطلاحات بناتے ہیں یہ لوگ ظاہری حالات میں ان کے موافق ہوتے ہیں۔ راگ سنتے ہیں حال کرتے ہیں اور نماز انہیں کی طرح بجالاتے ہیں مصلوں پر سر جھکا کر گریبان میں مُنہ ڈال کر متفکروں کی طرح بیٹھتے ہیں لمبے لمبے سانس لیتے ہیں بات کرتے ہوئے بہت پست آواز سے بولتے ہیں غرض جتنے شمائل اچھے صوفیوں کے ہوتے ہیں سب اختیار کرتے ہیں مگر اپنے نفس اور دل کی حفاظت نہیں کرتے اور ظاہر و باطن کو خفی و جلی راہوں سے پاک نہیں کرتے جو صوفیوں میں ادنیٰ درجہ کی باتیں ہیں ان سے بھی نہیں بچتے اور شبہات اور بادشاہوں کے مال پر گرتے ہیں۔''

شیخ ابن جوزی محدث نے لکھا ہے:

تصوف کا لفظ دوسری صدی سے پہلے پیدا ہوا اور جب قدما صوفیا نے اس لفظ کو پیدا کیا تو اس کے اوصاف بہتر الفاظ میں بیان کیے ان سب کا ماحصل (essence) یہ ہے کہ ان کے نزدیک مجاہدہ نفس اور ریاضت کا نام تصوف ہے جو اخلاق رذیلہ (base manners) سے روکتا ہے اور اخلاق

Marfat.com

فاضلہ (sublime manners) مثلاً زہد حلم، صبر، اخلاص اور صدق وغیرہ پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ حضرت جنید بغدادی سے تصوف کی حقیقت پوچھی گئی تو انہوں نے کہا ''ہر بری خلق (habit) سے الگ ہونا اور اچھی خلق اختیار کرنا تصوف ہے۔'' اس کے بعد ابلیس (The Old Nick) نے صوفیوں کو دھوکا دینا شروع کر دیا۔ اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اس کا فریب بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ متاخرین پر اس کا پورا تسلط ہو گیا۔ اس فریب کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس نے علم سے ان کو روک دیا اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ مقصد صرف عمل ہے اس لئے جب علم کا چراغ بجھ گیا تو وہ اندھیرے میں بھٹکنے (flounder) لگے۔

اس قسم کی کتابوں کی تصنیف کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ سنن اور آثار اسلام کا بہت کم علم رکھتے تھے۔ اور صوفیا کا جو طریقہ ان لوگوں نے پسند کر لیا تھا اس پر لگے ہوئے تھے۔ اس طریقہ کو لوگوں نے اس لئے پسند کیا تھا کہ زہد مسلمہ طور پر ایک قابلِ ستائش چیز تھی اور بظاہر ان لوگوں کو صوفیا کے حال سے بہتر کوئی حالت اور ان کے کلام سے لطیف تر کوئی دوسرا کلام نظر نہیں آتا تھا اس کے برخلاف سلف کی سیرتوں میں کسی قدر خشونت (severity) پائی جاتی تھی، عام طور پر مخلوق بھی اس قوم کی طرف مائل تھی کیونکہ اس طریقہ میں ظاہری طور پر نظافت و عبادت کے اجزا شامل تھے اور سماع کا سامان بھی تھا جس کی طرف طبیعتیں مائل (attract) ہوتی تھیں۔ محدث موصوف نے شرعی نقطۂ نظر سے صوفیا کی ان ریاضات و مجاہدات پر بھی اعتراضات کئے ہیں جو طریقہ سنت کے خلاف ہیں درحقیقت شرعاً اور عقلاً وہ اعتراضات صحیح ہیں لیکن سچے صوفیا اس قسم کی ریاضت نہ کرتے تھے۔ مگر اس کی تقسیم و امتیاز بہت مشکل ہے۔

علامہ ابن جوزی کے زمانے میں ابن عربی بھی موجود تھے۔ محدث موصوف نے صوفیا کی حکمت اور تمام ریاضات و معمولات و خیالات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مسئلہ وحدت الوجود (pantheism) کا ذکر نہیں کیا۔

اصل تصوف کے اعتبار سے یہ تمام حضرات صوفی تھے۔ اور خود معترض بھی صوفی تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حیات تک اس مسئلہ کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ پانچویں صدی کے آغاز سے تصوف کی عملی حیثیت نابود (extinct; non-existent) ہو گئی اور وہ علمی قالب میں ڈھال (mould) لیا گیا اس نے ایک مستقل فلسفہ کی صورت اختیار کر لی۔ تصوف کو فلسفہ بنانے کا کام شیخ الرئیس حکیم علی بن سینا نے شروع کیا۔

علامہ محمد مصطفےٰ حلمی اپنی کتاب تاریخِ اسلام میں لکھتے ہیں۔ ''اللہ ایک ہے وحدانیت نبی کی زندگی کا سرچشمہ تھا یہی آپ کی ساری ریاضت و مجاہدہ کا اصول تھا یہی وہ چیز تھی جو اسلام کے نبی نے ہمارے سامنے پیش کی پس جو تصوف اس روح سے دور رہا۔ وہ اسلام سے بھی دور رہا پھر بعد میں تصوف مختلف جامے پہنتا رہا اور اسلام کے علاوہ دوسرے عناصر بھی اس میں جگہ پاتے رہے۔ یہ ہندی تصوف ہے وہ فارسی ہے۔ یہ مسیحی تصوف ہے وہ یونانی ہے ان اجنبی عناصر کی فراوانی نے تصوف کو ایک ایسا مذہب بنا دیا جو گویا اسلام سے بالکل معارض و

Marfat.com

مخالف تھا یہ ناممکن ہو گیا کہ ان میں سے کسی کو ملتِ اسلامیہ کا جزو کہا جا سکے، حالانکہ اصل تصوف وہ ہے جو تعلیم نبی کا پرتو (reflection) ہو اور جو قرآن وسنت کے تابع (in line with) ہو۔ ''اسلام کا تصوف جب تک داعی اسلام کے سرچشمہ سے مستفیض (profit) ہوتا رہا اس وقت تک اس کی حیثیت بالکل جداگانہ (distinct) تھی۔'' ''اسلام کے تصوف کا صرف ایک مرکز اور ایک محور (axis) ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اور بس۔''

یہ خراب عقائد و حالات تمام صوفیا کے نہ تھے۔ ہر زمانہ میں سچے صوفی بھی ہوئے ہیں۔ جنہوں نے تبلیغ اسلام کی، اسلام کی عملی خدمات کیں۔ حکومتِ اسلامیہ کی سیاسی خدمات انجام دیں۔ اور جنگ و جہاد میں شریک رہے۔ ان کی ذات سے خلق خدا کو بہت راحت و نفع پہنچا ہے۔ اظہار حق میں وہ کسی حاکم اور بادشاہ سے نہیں ڈرے اور انہوں نے بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کئے۔ تمام بزرگوں کے حالات اور تمام واقعات کے لئے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر چند بزرگوں کے متعلق مختصر طور پر کچھ عرض کر رہا ہوں۔

Marfat.com

صوفیا کی سیاسی خدمات

1- خلیفہ عبدالملک کی طرف سے امام شعبی قیصر روم کے پاس سفیر بن کر گئے۔

2- ابو مسلم خراسانی نے جب بنی امیہ اور ان کے طرفداروں کو قتل کرنا شروع کیا تو امام ابراہیم بن میمون اس کے پاس گئے اور اس کو مسلمانوں کے قتل سے باز (refrain) رہنے کی ہدایت کی۔ ابو مسلم نے ان کو قید کر دیا علما کا ایک وفد ابو مسلم کے پاس گیا اور امام کو چھڑا لایا۔ انہوں نے پھر جا کر ابو مسلم کی سرزنش (reprove) کی تو اس نے امام کو قتل کر دیا۔ جب ان کی شہادت کی خبر امام اعظم تک پہنچی تو بہت روئے۔

3- خلیفہ منصور عباسی حج کو گیا اور امام سفیان ثوری کو بلا کر کہا۔ کچھ فرمایئے امام صاحب نے فرمایا خدا سے ڈر۔ دنیا تیرے ظلم وجور سے لبریز ہے۔ خلیفہ نے کہا کوئی حاجت ہو تو فرمایئے امام صاحب نے فرمایا جن لوگوں کی تلوار کے زور سے تو خلیفہ ہوا ہے ان کی اولاد بھوکی مر رہی (starve) ہے، خلیفہ نے کہا آپ کچھ اپنے لئے طلب کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا حضرت عمرؓ نے حج کیا تھا تو دس درہم سے کچھ اوپر خرچ ہوئے تھے تو اس قدر روپیہ لئے پھرتا ہے کہ بار برداری اس کی ...... نہیں ہو سکتی۔ آخر خلیفہ خاموش ہو گیا اور امام صاحب واپس تشریف لے آئے۔

4- یحییٰ بن عبداللہ بن امام حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ نے خلیفہ ہارون الرشید کے خلاف خروج کیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی (pitched battle) ہوئی آخر یحییٰ صلح پر مجبور ہو گئے۔ صلح نامہ لکھا گیا اس پر بہت سے علما وصلحا کی گواہیاں ہوئیں یحییٰ، وزیر فضل برمکی کے ساتھ دار الخلافہ آئے۔ کچھ دنوں تک مہمان نوازی رہی پھر بعض مصاحبوں کے مشورہ سے خلیفہ نے نقض (breach of contract) عہد کرنا چاہا تو امام محمد بن حسن انشیانی نے عقیدۂ خلق قرآن کا اعلان کیا اور علما کو اس پر قائم رہنے کی ہدایت کی۔ امام احمد بن حنبل اور دیگر بہت سے ائمہ اور بزرگوں نے مخالفت کی۔ خلیفہ نے سب کو سخت سزائیں دیں۔

Marfat.com

6- خلیفہ معتصم باللہ نے ایک بزرگ بشر بن الوحید بن خالد کندی کو عہدۂ قضاء پر مامور (appoint) کیا پھران سے کہا کہ مسئلہ خلق قرآن کے قائل ہو جائیں۔انہوں نے کہا میں ایمان فروش نہیں ہوں۔خلیفہ نے اس کو برخاست کر کے قید کر دیا۔

7- مصر میں شیخ بکار بن قتیب بن اسد بصری بڑے بزرگ تھے ان کو خلیفہ معتمد باللہ نے مصر کا قاضی بنا دیا گورنر مصر احمد بن طولون تنخواہ کے علاوہ ان کو کچھ روپیہ زائد بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا۔شیخ اس روپیہ کو علیحدہ جمع کرتے جاتے تھے خلیفہ کو اس کے ولی عہد الموفق نے قید کر دیا۔ابنِ طولون نے شیخ کو بلا کر کہا خلیفہ کو الموفق نے قید کر دیا ہے آپ الموفق کے بارے میں ولی عہدی سے معزول کا فتویٰ دے دیجئے شیخ نے کہا۔آپ نے میرے سامنے خلیفہ کا فرمان رکھ کر الموفق کی ولی عہدی پر دستخط کرائے تھے اب آپ اس کے خلاف چاہتے ہیں۔تو اس کی دست برداری کیلئے خلیفہ کا فرمان لائیے گورنر نے کہا خلیفہ اس وقت معذور (helpless) ہے شیخ نے کہا جب اظہارِ حق کے معاملہ میں وہ اس قدر معذور ہے تو مجھے بھی معذور سمجھئے۔گورنر نے کہا آپ کو شرم نہیں آتی کہ میں آپ کو تنخواہ کے علاوہ اس قدر رقم دیتا رہا ہوں شیخ نے کہا آپ کی رقم محفوظ ہے میں واپس بھیج دیتا ہوں۔

8- خلیفہ معتضد باللہ نے حکم دیا کہ امیر معاویہ پر برسر منبر لعن طعن (imprecate) کی جایا کرے۔امام ابو یوسف کو خبر ہوئی۔تو آپ نے خلیفہ کو سختی کے ساتھ منع کیا اور اس امر سے باز رکھا۔

9- خواجہ ابوالحسین نودی ایک کشتی میں سوار ہوئے اس میں بہت سے مٹکے رکھے ہوئے تھے خواجہ نے ملاح سے دریافت کیا۔ان میں کیا ہے اس نے کہا ان میں شراب ہے خلیفہ کے واسطے جارہی ہے یہ سن کر خواجہ نے سب مٹکے توڑ ڈالے جب خلیفہ معتضد باللہ کو خبر ہوئی تو خواجہ کو گرفتار کر کے بلایا اور دریافت کیا تو کون ہے؟ خواجہ نے فرمایا میں محتسب (ombudsman) ہوں۔

خلیفہ نے کہا تجھے کس نے محتسب بنایا ہے کہا جس نے تجھے خلیفہ بنایا ہے خلیفہ خاموش ہو گیا۔

10- خواجہ ابو محمد حریری جانشین خواجہ جنید بغدادی قرامطہ کے مقابلہ پر جہاد میں شریک ہوئے قرامطہ نے پانی بند کر دیا خواجہ شدت عطش (thirst) سے جاں بحق ہو گئے۔

11- خراسان کے بادشاہ محمد بن ملک شاہ سلجوقی کو امام غزالی نے ایک خط لکھا اس کا نام نصیحۃ الملوک ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''حقوق اللہ نماز روزہ حج اور زکوٰۃ معاف ہو سکتے ہیں،حقوق العباد معاف ہونے کی کوئی تدبیر نہیں۔حضرت عمرؓ باوجود کمال احتیاط،عدل وانصاف کے مواخذۂ (accountability) قیامت سے ڈرتے تھے مگر تیرا یہ حال ہے کہ تجھ کو رعایا کی کچھ پروا نہیں تیرا صرف یہی کام نہیں ہے کہ تو خود ظلم کرنے سے باز رہے بلکہ تو اس کا بھی ذمہ دار ہے کہ تیرے اعمال حکومت کسی پر ظلم نہ کریں جو معاملہ بھی تو دوسروں کے ساتھ کرنا چاہے

Marfat.com

پہلے یہ سوچ لیا کر کیا تو اس کو اپنے لئے بھی پسند کر سکتا ہے اگر اسے اپنے لئے پسند نہیں کرتا اور دوسروں کے ساتھ ایسا کرتا ہے تو تُو دغا باز اور خائن ہے۔"

12- خلیفۃ المقتضی لامراللہ کے زمانہ میں بغداد میں سلطان مسعود برادر زادہ سلطان سنجر نے بہت زور پکڑا اور حکومت کے تمام امور پر قابض ہو گیا بہت سے جزیہ وٹیکس قائم کئے۔لوگوں کو تکلیفیں دیں تو خواجہ ابن عبادؒ اس کے پاس پہنچے اور کہا تجھ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے تجھ کو یہ عروج (corrupt) دیا لیکن تو لوگوں کو تکلیف دیتا ہے اور تو نے بہت سے محصول قائم کر دیئے ہیں اور اس روپیہ کو بجائے خلق اللہ کی بہبودی کے لغو (absurd) اور عیش وعشرت کے کاموں میں صرف کرتا ہے اس کی نصیحت کا بڑا اثر ہوا اس نے محصولات میں تخفیف (reduction) کر دی۔

13- سلطان خوارزم شاہ نے بغداد پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کیا۔خلیفہ بغداد اور ناصر الدین نے سلطان کو سمجھانے کے لئے ایک وفد مرتب کیا اس سفارت کا امیر خواجہ شہاب الدین سہروردی کو مقرر کیا۔خواجہ صاحب تشریف لے گئے دیکھا کہ بڑے رعب داب کا دربار ہے تین لاکھ فوج شمشیر برہنہ کھڑی ہے۔خواجہ صاحب کسی امیر سے مرعوب نہ ہوئے۔اور سلطان کے حصہ میں پہنچ کر السلام علیکم کہا اور آلِ عباس کی تعریف کر کے بادشاہ کو خون ریزی (bloodshed) سے باز رہنے کی نصیحت کی بادشاہ کو یہ تمام امور ناگوار ہوئے۔اس نے خواجہ صاحب کی سفارت حقارت (contempt) سے ٹھکرا کے لشکر روانہ کر دیا۔خدا کی قدرت یہ لشکر راستے میں برف باری سے برباد ہو گیا اور سلطان سے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا اپنی جان بچا کر بھاگے۔

سلطان ابھی حدود عراق سے نکلنے نہ پایا تھا کہ دوسری آفت یہ آئی کہ چنگیز خان نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا۔خوارزم شاہ نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر بھاگا آخر اسی غم واندوہ میں مر گیا۔

14- خلیفہ معتصم باللہ کے عہد میں جب چنگیز خان نے نیشاپور پر حملہ کیا تو باوجود کہنہ سالی کے خواجہ فریدالدین عطار جنگ میں تشریف لے گئے اور چنگیزی سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے بالآخر ایک سپاہی نے ان کو شہید کر دیا۔

15- امام ابنِ تیمیہ سے لوگوں نے حاکمِ مصر کے ظلم وستم کی شکایت کی۔امام صاحب حاکمِ مصر کے پاس پہنچے تو اس نے مسکرا کر ازراہِ طنز (by way of joke) کہا آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود حاضر ہو جاتا۔امام صاحب نے کہا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلاموں کے برابر بھی نہیں ہوں۔حضرت موسیٰ تبلیغ حق کے لئے دن میں تین مرتبہ گئے۔تم فرعون سے بھی بڑھے ہوئے ہو پھر میں تمہارے پاس کیوں نہ آتا۔

16- وزیر حکومت نے چاہا کہ ولی لوگ بطور علامت سفید عمامہ باندھا کریں۔امام بن تیمیہ نے وزیر سے کہا یہ حکم خلافِ شریعت ہے اس کو منسوخ کر دو۔وزیر نے بہت حجت کی اور دھمکایا (intimidate)

Marfat.com

جب امام صاحب پر کچھ اثر نہ ہوا تو اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

17- قتلغ خاں گورنر دمشق نے بے حد ظلم و ستم کیے۔ تمام شہر پریشان ہو گیا کسی کی جان و عزت و آبرو محفوظ نہ تھی امام ابن تیمیہ، خواجہ نظام الدین اور محمود شیبانی نے متفق ہو کر ایک لشکر مرتب کر کے قتلغ خاں پر حملہ کر دیا اور اس کو شکست دے کر نکال دیا۔

18- ایک مرتبہ دمشقیوں اور مغل سپاہیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ مغل زن و مرد قید کر کے لے گئے۔ امام ابنِ تیمیہ ملک غازان کے پاس پہنچے اور اس کو سمجھایا بادشاہ نے تمام قیدیوں کو رہا (manumit) کر دیا۔

19- ملک غازان نے شاہ مصر بن قلادون پر حملہ کیا امام ابنِ تیمیہ بہت سے مجاہدین کو جمع کر کے مصر کی فوج میں شریک ہو گئے۔ بمقام مرج الصفر (اس کو شقحت بھی کہتے ہیں) جنگ ہوئی۔ مصری لشکر فتحیاب ہوا۔ امام شمس الدین جامع تذکرۃ الحفاظ کا قول ہے کہ مرج الصفر کی فتح امام ابن تیمیہ کی وجہ سے ہوئی۔

20- امام رازی اور خواجہ اجمیری نے سلطان غوری کے ساتھ اشتراکِ عمل (collaboration) کیا۔

21- سلطان محمد تغلق کو غصہ زیادہ تھا سلطان نے ایک مرتبہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی دعوت کی۔ جب کھانے سے فراغت ہو گئی تو سلطان نے خواجہ سے عرض کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے خواجہ نے فرمایا تمہارے مزاج میں درندوں (beasts) کا سا غصہ ہے اس کو ترک کر دو۔

22- سلطان شہاب الدین بادشاہ کشمیر نے پچاس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادہ فوج سے حدود سلطنت دہلی پر حملہ کیا۔ فیروز شاہ تغلق نے مقابلہ کیا اسی زمانہ میں کشمیر میں حضرت خواجہ امیر کبیر سید علی ہمدانی تشریف لائے چھ ماہ قیام کر کے وہ ہندوستان کی طرف چلے راستے میں فیروز پور قیام کیا۔ یہیں سلطان شہاب الدین خیمہ زن (encamp) تھا۔ سلطان خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خواجہ صاحب کو یہ امر ناگوار گزرا کہ دو مسلمان بادشاہ آپس میں لڑیں۔ خواجہ نے سلطان سے کہا کہ صلح کر لو۔ اس وقت سلطان کا پلہ بھاری (upperhand) تھا۔ مگر خواجہ کے فرمان پر اس نے صلح کر لی۔

23- مرزا شاہ رخ بن تیمور کی دست درازیاں (excesses) دیکھ کر خواجہ اسحاق ختلانی اور ان کے مرید سید نور بخش نے ختلان میں حکومت قائم کر لی اس پر جنگ ہوئی اور شاہ رخ فتحیاب ہوا۔

24- یعقوب شاہ بادشاہ کشمیر کے عہد میں کشمیر میں بے حد مظالم ہوئے۔ تو خواجہ یعقوب صیرنی، استاد حضرت مجدد صاحب، اور بابا داؤد خاکی نے آگرہ آ کر بادشاہ کو کشمیر پر فوج کشی (invasion) کی ترغیب دی اور شرائط ذیل پر لشکر کی راہنمائی اور امداد کا وعدہ کر کے فوج شاہی کے ساتھ آئے اور کشمیر فتح کرا دیا۔

(الف) حاکم وقت امور مذہبی اجناس اور نرخ باغات کے معاملات میں دخل نہ دے۔

(ب) اہلِ کشمیر کو غلام و کنیز نہ بنایا جائے۔

Marfat.com

(ج) اہلِ کشمیر ہر قسم کے ظلم وتعدی سے مامون رہیں۔

(د) امرائے کشمیر جو زمانہ طوائف الملو کی (anarchy) میں مصدر فتنہ وفساد ہوئے ہیں ان کو امور ملکی میں شریک نہ کیا جائے۔

25- جب اکبر بادشاہ نے اپنی پیغمبری کا سکہ جمانا (establish) چاہا تو بزرگانِ دین نے اس کی مخالفت کی اور بزرگوں کی طرح قاضی عبدالشہید سیوہاروی (کتاب یادگار صفحہ ۸ شمس المطابع مراد آباد) نے بھی بادشاہ کے خلاف وعظ تقریر کا سلسلہ قائم کیا۔ بادشاہ نے ان کا خاندانی اعزاز نوبت ونقارہ اور نصف جاگیر ضبط (confiscate) کرلی لیکن قاضی صاحب نے اس سلسلہ کو بدستور جاری رکھا۔

26- حضرت مجدد الف ثانی کو جہانگیر نے طلب کیا۔ حضرت تشریف لے گئے اور حسبِ قاعدۂ دربار سجدۂ تعظیم ادا نہ کیا۔ بادشاہ کو کچھ نصیحت بھی کی یہ امراس کو ناگوار ہوا۔ اور حضرت کو کئی سال تک نظر بند (detain) رکھا۔

27- سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے جب دکن پر چڑھائی کی تو سلطانی لشکر میں دو بزرگ یوسف اور شریف بھی شامل تھے ان کا مزار حیدرآباد میں ہے اور آج تک زیارت گاہ خلائق ہے۔

28- معظم بہادر شاہ ابن عالم گیر غازی کی بدعنوانیوں پر حضرت سید آدم بنوری خلیفۂ حضرت مجدد صاحب نے مخالفت کی بادشاہ نے ان کی گرفتاری کا حکم صادر کردیا۔

29- معزالدین جہاندار شاہ کے مقابلہ پر جب فرخ سیر نے خروج (revolt) کیا تو چونکہ جہاندار بہ نسبت فرخ سیر کے حکومت کے لئے زیادہ موزوں تھا اور عقائد واعمال کے اعتبار سے بھی اس سے بہتر تھا۔ تو خواجہ محمد سعید عرف میراں بھیک چشتی نے نواب ظفر خاں صوبیدار کو ہدایت کی کہ وہ فرخ سیر کا ساتھ دے۔

30- جب سکھوں نے مسلمانوں پر بے حد مظالم کئے تو حضرت سید احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید و شاہ عبدالرحیم نے جمعیت فراہم کر کے سکھوں سے جہاد کیا۔ اگرچہ یہ سب حضرات شہید ہوگئے۔ مگر سکھوں کی قوت پاش پاش (shatter) ہوگئی ۱۸۵۲ء میں جب انگریزوں نے دہلی وآگرہ کا قصد کیا تو دہلی کے ایک بزرگ صابر علی شاہ چشتی شاہ عالم ثانی کے پاس گئے اور انگریزوں پر جہاد کرنے کی ترغیب (persuade) دی۔ (رسالہ الصدیق ملتان)

صوفیائے کرام کی تبلیغی خدمات کو تمام مسلم اور غیر مسلم مورخین نے بالاتفاق (by consensus) تسلیم کیا ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت میں صوفیوں کا بہت زیادہ حصہ (contibution) ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام (The Preaching of Islam) میں دنیا کے ہر خطے کے متعلق ثابت کیا ہے کہ صوفیوں نے اسلام پھیلایا حضرت خواجہ جنید بغدادی، حضرت غوث الاعظم، حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ

Marfat.com

عبداللہ خفیف خواجہ شہاب الدین سہروردی اور بہت سے متقدمین و متاخرین صوفیا کے دست حق پرست پر لاکھوں آدمی اور والیان ملک مشرف بہ اسلام (embrace Islam) ہوئے۔ اور سچے صوفی ہمیشہ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح میں مشغول رہے اس مختصر میں اس قدر گنجائش (space) نہیں کہ میں ان بزرگوں کی تبلیغی خدمات کا اجمال کے ساتھ بھی بیان کرسکوں۔

خواجہ سدید الدین سید جلال المعروف بلبل شاہ آٹھویں صدی ہجری کے ابتدا میں کشمیر آئے۔ کشمیر کا راجہ رتن ان کے حالات و کرامات کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ راجہ کے بعد ہزاروں ہندوؤں نے حضرت کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

امیر کبیر سید علی ہمدانی کے ہاتھ پر کشمیر میں ہزاروں آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے صاحب زادے سید محمد صاحب نے تو ایسی حیرت انگیز کرامت دکھائی کہ جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی یعنی ان کے ہاتھ پر ایک دن میں دس ہزار سے زائد ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ اس امر کو ہندو مسلمان یوروپین تمام مورخوں نے لکھا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کو جہانگیر بادشاہ نے قید کردیا۔ تو آپ نے قید خانہ میں دو ہزار ہندو قیدیوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

حضرت مولانا سید شاہ احمد حسن محدث امروہوی چشتی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ نے نگینہ ضلع بجنور میں ایک جلسہ میں ڈھائی گھنٹے اسلام کے متعلق تقریر فرمائی۔ گیارہ ہندو مشرف باسلام ہوئے اس جلسہ کی کیفیت ایک ضخیم کتاب المجوب السفینہ فی مناظرۃ نگینہ میں شائع ہوچکی ہے۔

Marfat.com

صوفیائے کرام کی علمی خدمات

ابتدا سے آج تک صوفیائے کرام تالیف وتصنیف کے ذریعہ سے بھی اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ان کی علمی خدمات کے عشرِعشیر (cursory) بیان کے لئے ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔

امام سفیان ثوری نے تفسیر لکھی امام مالک، امام اعظم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور تمام ائمہ نے حدیث وفقہ کی خدمت کی اور اپنے علم واجتہاد سے ایک عظیم الشان فن یعنی علم فقہ (jurisprudence) کو پیدا کیا۔شیخ عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزہد تصنیف کی امام غزالی نے تفسیر لکھی اور احیائے العلوم تصنیف کی شیخ اکبر نے ۲۷۷ کتابیں تصنیف کیں دو تفسیر ہیں۔

خواجہ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش، حضرت غوث الاعظم، خواجہ جامی، خواجہ شہاب الدین سہروردی، خواجہ سعدی شیرازی، خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری اور بہت سے صوفی بڑے بڑے مصنف گزرے ہیں۔تفسیر بیضاوی کو قاضی بیضاوی نے اپنے مرشد (mentor) کے حکم سے تصنیف کیا صاحب فوز المرام لکھتے ہیں۔(فوز المرام صفحہ ۱۳۸ بحوالہ کواکب ظاہرہ)

قاضی ناصر الدین بیضاوی جو امام ہیں تفسیر (exegesis) اور فقہ اور علم کلام (scholasticism) اور علم اصول اور علم تصوف میں دیکھو ان کی تفسیر کو جو مشہور ہے بھری ہوئی ہے ساتھ تصوف کے۔

شاہ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز یہ تمام بزرگ صاحب تصنیف تھے۔تمام بڑے بڑے صوفیا حدیث وفقہ وتفسیر کا درس دیتے تھے۔شاہ کلیم اللہ نے اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو ایک مکتوب میں لکھا۔

''بمطالعہ کتب وحدیث وفقہ وسلوک چوں احیا وکیمیا وامثال ذالک وتواریخ مشائخ پیشین بہتر است یاران اہلِ علم رادرس تفسیر وحدیث وفقہ درمیان ظہر وعصر بعد از صبح بگویند۔''

Marfat.com

مولانا فخر الدین چشتی دہلوی برابر حدیث وتفسیر وفقہ کا درس دیتے رہے تمام قدیم بزرگوں کی خانقاہوں (monastries) میں مدارس اور کتب خانے تھے خواجہ گنج شکر کے کتب خانہ کا تذکرہ فوائد الفواد میں ہے۔سلطان المشائخ کے کتب خانے کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔کتب خانہ خانقاہ مسیح کثر واقع سہرام میں ایک لاکھ روپیہ کی کتابیں تھیں۔

خواجہ عبداللہ خفیف نے ہندوستان سے کوہستان جزیرۂ سراندیپ کا راستہ دریافت کیا۔(سفر نامۂ ابنِ بطوطہ)

غرض سچے صوفیوں نے ترویج علم وتہذیب، قیام امن وعدل، اشاعتِ اسلام، جہاد باللسان و جہاد بالسیف اور خلق اللہ کی ظاہری وباطنی ترقی میں پوری جدوجہد کی امراؤ سلاطین کو بلاخوف نصیحت کرتے رہے۔یہ لوگ پوری طرح تابع سنت تھے۔لیکن مصنوعی (quack) صوفیوں کی کثرت ہوتی جاتی تھی۔یہ جماعت علم سے بے بہرہ تھی۔اور العلم حجاب اکبر کو اپنی سند میں پیش کرتے تھے العلم حجاب اکبر کے متعلق ایک صوفی صاحب علم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ علم سے مراد علم ذات ہے یعنی اپنے وجود کا اس قدر علم کہ جس سے خودی پیدا ہو جائے حجاب اکبر ہے۔

مصنوعی صوفیوں پر زیادہ اثر ان کی کم علمی کی وجہ سے فرقۂ اباحیہ اور باطنیہ وغیرہ کا پڑا۔یہ لوگ ان کے دجل وفریب کو سمجھ نہ سکے۔لہٰذا ان میں بہت سی بدعات (heresies) اور خلافِ عقیدہ (unorthodox) امور شامل ہو گئے۔

جب حالات بہت ابتر (messy) ہو گئے تو امام غزالی نے پانچویں صدی ہجری کے آخر میں تصوف اسلام کو بصورت فن مرتب کیا۔احیائے العلوم وغیرہ اسی فن کے متعلق ہیں۔اکثر مصنفین نے لکھا ہے کہ مسئلہ سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا ظہور ہوا۔

صوفی کی تعریف

سرحلقۂ چشتیہ خواجہ عبدالواحد بن زید: جو اپنی عقل کو سنتِ رسول پر صرف کرتے ہیں اپنے قلوب کو اس پر متوجہ رکھتے ہیں اور اپنی خباثتوں (wicked deeds) سے رسول کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ان لوگوں پر صوفی کا اطلاق ہوتا ہے۔(نفحات الانس صف ۵۷۳)

خواجہ ذوالنون مصری: صوفی وہ ہے کہ اس کی گفتگو اس کے حال کے مطابق ہو اور ایسی کوئی بات نہ کہے جو خود اس میں نہ ہو۔جب خاموش ہو تو اس کا معاملہ اس کے حال کی تعبیر ہو۔قطع خلائق میں اس کا حال

Marfat.com

ناطق (categorical) ہو۔صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام چیزوں میں صرف خدا کو پسند کیا اور خدا نے تمام انسانوں میں ان کو پسند کیا۔

خواجہ بشر حافی: صوفی وہ ہے جو کدورت (ill-will) سے صاف ہو۔ تفکر سے بھرپور ہو۔ خدا کی خاطر بشریت سے علیحدہ اور زر وخاک اس کے نزدیک برابر ہوں۔

خواجہ ابوالحسن نوری: صوفی وہ ہے جس کی جان کدورت بشریت سے آزاد ہو۔ آفت نفس سے صاف ہو۔ خواہشات سے خالی ہو اور ماسوا اللہ سے بھاگا ہوا ہو۔ نہ وہ کسی کا مالک ہو نہ مملوک نہ وہ کسی کی قید میں ہو نہ کوئی اس کی قید میں ہو۔

خواجہ ابوحمزہ محمد ابراہیم: صوفی صادق وہ ہے جو عزت کے بعد خوار (disgraced) ہو، تونگری (opulence) کے بعد درویش ہو، ظاہر ہونے کے بعد پنہاں ہوا، صوفی مومن کامل ہوتا ہے۔

امام سلاسل التصوف خواجہ جنید بغدادی: صوفی وہ ہے جس کا دل ابراہیم علیہ السلام کی طرح دنیا کی دوستی سے پاک ہو۔ خدا کا فرمان بجالانے والا ہو، اس کی تسلیم ورضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ہو، اس کا اندوہ وغم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ہو، اس کا صبر ایوب (Job's patience) علیہ السلام کی طرح ہو، اس کا ذوق وشوق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو اور اس کی مناجات (supplications to Allah) میں اخلاص رسول اکرم ﷺ کی طرح ہو۔ تصوف اصطفاء سے ہے جو ماسوائے برگزیدہ ہو وہ صوفی ہے۔

خواجہ ابوعبداللہ محمد بن الفضل: صوفی وہ ہے کہ مبرا رہے تمام بلاؤں سے اور منزہ رہے تمام عطاؤں سے۔

خواجہ شبلی: صوفی وہ ہے جو تمام جہان کو اپنا عیال سمجھے، صوفی وہ ہے جو لوگوں سے منقطع (detach) ہو اور حق سے متصل (attach) ہو۔

خواجہ ابوعبداللہ محمد بن الحسین تروغندی: صوفی حق تعالیٰ سے اور زہد نفس سے ہوتا ہے۔

خواجہ ابوالحسن علی بن ابراہیم الحضرمی: صوفی وہ ہے جس کا دل جملہ کائنات سے الگ رہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ آرام وچین پکڑے اور اپنے کل کام اسی کو سونپ دے۔

خواجہ نورالدین جامی: صوفی را در زہد مرتبہ بود ورائے مرتبہ زاہد کو حظ نفس ازاں دور بود۔ (نفحات الانس ص ۵۷۳)

امام الصوفیہ امام عبدالوہاب شعرانی: صوفی متبع سنت، اسرار شریعت سے واقف۔ فرائض ظاہریہ کے پابند، پرہیز گار، نیکوکار اور معرفت شناس ہوتے ہیں۔

اور کامل صوفیوں میں کوئی نزاع واختلاف نہیں ہوتا، صوفی حتی الامکان (to one's utmost) کسی چیز کو جو شریعت سے خارج ہے نہیں کرتے۔ امام صاحب نے صوفیوں کی بہت سی علامات لکھی ہیں ان

Marfat.com

میں سے چند ایک کو نقل کیا جاتا ہے۔

1-وہ علوم ضروریہ کو حاصل کرتا ہے۔

2- وہ اپنے نفس سے لوگوں کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے یعنی لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنے نفس کے لئے خلقت سے مطالبہ نہیں کرتا۔

3- ہر ایک کو اس کے درجہ کے موافق جگہ دیتا ہے اور ہر شخص کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہے۔

4- نفع ونقصان کو سوائے اللہ کے کسی کے ہاتھ میں نہیں دیکھتا۔

5-وہ ایسے الفاظ سے پرہیز (eschew) کرتا ہے جس سے کوئی دعویٰ یا تزکیہ نفس کا ظاہر ہوتا ہو۔

6- وہ حرکات ظاہریہ جیسے نماز میں کانپنے کندھوں کے ہلانے سرنگوں ہونے وغیرہ سے پرہیز کرتا ہے اور اندرونی حالت کو چھپاتا ہے۔

7- وہ لوگوں کی بہبودی چاہتا ہے اور ان کو صنعت دستکاری وغیرہ ذرائع معاشرت سے روزی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

8-خود کسی سے سوال نہیں کرتا نہ کسی سائل کو رد کرتا (snub) ہے اور نہ ذخیرہ کرتا ہے۔

9- دنیاداروں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھتا ہے۔اور اپنی بھوک، پیاس کو ظاہر نہیں کرتا۔

10-وہ اپنے ملنے والوں سے شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

11-وہ آیات متشابہات وصفات الٰہیہ واسمائے خداوندیہ وحروف مقطعات میں زیادہ غور وخوض نہیں کرتا۔

12-صوفی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک فقیہ (jurist) ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔

حضرت خواجہ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش:

جس نے دل کو خبث (depravity) غیر حق کی کدورت سے پاک رکھا وہ صافی ہے اور جس نے محبوب حقیقی یعنی خدائے تعالیٰ کو شرک وتعطل سے منزہ اور غیر کے خیال سے پاک رکھا وہ صوفی ہے۔ (کشف المحجوب)

یہ ہے سچے صوفی کی تعریف اور تصوف کا صحیح مسلک جس کو صوفیوں کے اماموں اور سلاسل طریقت کے سرحلقۂ مشائخ نے بیان فرمایا ہے۔اگر غور کیا جائے تو قرنِ اول اور قرنِ ثانی کے ختم کے قریب تک سو فیصدی ایسے صوفی نظر آئیں گے۔قرنِ ثانی کے آخر سے قرنِ ثالث کے ختم تک پچاس فیصدی اس کے بعد دس بیس فیصدی اور اب ہزاروں میں ایک آدھ۔آج کل مصنوعی صوفیوں کی اس قدر کثرت (excess) ہے کہ مسلمانوں میں ستر فیصدی صوفی ہیں متقدمین کے عہد میں صدیوں میں ایک منصور پیدا ہوا تھا۔آج ہر شہر میں بہت سے منصور موجود ہیں۔قرنِ اول اور قرنِ ثانی کے آخر تک تصوف کا مسلک کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر

Marfat.com

عمل کرنا اوراس کے مطابق دینی و دنیوی ترقی میں خلق اللہ کی راہنمائی کرنا تھا۔ وہ خدمت حکومت الٰہیہ کے قیام و استحکام کے لئے جدوجہد کرتے اور حصولِ علم میں کمال درجہ جانفشانی (pains) کرتے تھے قرنِ ثانی کے آخر سے اکثر لوگوں نے جو صوفی کہلائے سلاطین کے ظلم وستم سے تنگ آکر گوشۂ عافیت اختیار کیا گو انہوں نے صرف ذکر و شغل کے ذریعہ تصفیۂ قلب کو اپنا مطمع نظر بنالیا تھا۔ مگر وہ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ گروہ عزلت نشین علم سے محروم ہوتا گیا اور ان میں قسم قسم کی بدعات رائج ہوتی گئیں اور عجم و ہند کے تصوف سے مل کر ایک ایسا عجیب و غریب مسلک جاری ہو گیا جس کو قرآن حدیث اور اسلام سے بہت کم تعلق ہے اور بدھ کے فلسفے (Buddhism) سے زیادہ قریب ہے۔ اب کثرت سے گروہ صوفیا کی یہ حالت ہے۔

1- علم سے محروم۔

2- انا الحق کے مدعی اور ہر لحظہ اس کا اعلان کرنے والے۔

3- رقص و سرود کے شائق۔

4- شاہدان بازاری (hookers) سے ارتباط (intercourse) رکھنے والے۔

5- تارک صوم وصلوٰۃ۔

6- شعبدہ باز (fraudulent)۔

7- خلاف شرع امور علی الاعلان ارتکاب کرنے والے۔

8- شرعی مسائل کا مضحکہ اڑانے (ridiclue) والے۔

9- ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے والے مریدوں کے مال پر گزر اوقات کرنے والے اور امیرانہ ٹھاٹ رکھنے والے۔

10- خلاف دین و عقل عقائد میں موافقت رکھنے والے۔

11- رنگے ہوئے کپڑے پہننے والے۔

12- گیسو دراز۔

13- قبروں پر میلے لگانے والے جہاں ہر قسم کا بازار لگتا ہے۔ ناچ تماشے اور تمام لہو ولعب (fun and games) کی باتیں ہوتی ہیں۔ کھانے کے ہوٹل اور مٹھائیوں کی دکانیں ہوتی ہیں وہاں صوفی لوگ قبرستان میں دسترخوان لگا کر دعوتوں کے مزے اڑاتے ہیں۔ سرحلقہ صوفیائے چشتیاں امام حسن بصریؒ نے ایک شخص کو قبرستان میں کھاتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص منافق ہے۔ لیکن یہ سب کا حال نہیں دنیا سچے صوفیوں سے بھی خالی نہیں ہزار دو ہزار میں ایک دو ایسے بھی ہیں جن کو صحیح معنوں میں صوفی کہا جا سکتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کی وجہ سے ہی آج ''تصوف'' اپنی اصلی صورت میں موجود ہے۔ جن

Marfat.com

بزرگانِ دین کے مزارات پر یہ جعلی صوفی، فقرا اور پیر صاحبان خلافِ شرع محافل و مجالس کرتے، مخلوط محافل سجاتے اور فقر کو صرف کھانے پینے، ناچنے گانے تک محدود رکھے ہوئے ہیں انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ ایک روز بہرحال ہم نے اللہ کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں صرف انہیں شفاعت محمدیؐ نصیب ہوگی جنہوں نے نفس (sensuality and carnality) کے خلاف جہاد کیا۔ باقی ساری شعبدہ بازیاں یہیں رہ جائیں گی۔

Marfat.com

طریقت

(The Mystic Way of Life)

طریقت کیا ہے؟ کیا یہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ کسی ضابطۂ حیات کا نام ہے؟ کیا یہ اصطلاح صرف خاص طبقہ، گروہ، مسلک یا مکتبِ فکر (school of thought) کے لیے مخصوص ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا شریعت (religious law) اور طریقت دو الگ الگ چیزوں کے نام ہیں؟ کیا ایک ہی وقت میں ان دونوں کا اتباع (observance) ممکن ہے؟ طریقت کے پیروکاروں کو اسلام میں کیا مقام حاصل ہے؟ اور یہ کون سا فلسفۂ حیات ہے؟

ایسے کئی سوالات راہِ سلوک کے مسافروں اور عامتہ المسلمین کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جن کے بڑے سادہ اور قابلِ فہم جوابات حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''طریقت کیا ہے؟'' میں دیئے ہیں۔ آیئے ان کی زبانی طریقت کا بھید اور معنی جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خواہشاتِ نفس، دنیا اور شیطانی راہ سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے قرب و وصال (direct contact) کی راہ اختیار کرنا اصطلاح تصوف میں طریقت کہلاتا ہے چنانچہ خالص رضائے الٰہی کے لیے ہو جانا ہر حالت میں اس کے عشق و تصور میں رہنا اس حقیقی منزل کے روحانی و نورانی سفر میں رہ کر یعنی دنیا سے ماورا ہو کر ورا الوریٰ ذات کے طالب و متلاشی ہونا وغیرہ سلوک (mystic initiation) طریقت سے ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا اور رحمت خاص ہے جس پر وہ کر دے۔ جیسا کہ فرمان حق تعالیٰ ہے:

''وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ''

ترجمہ: ''اور اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا (set apart) ہے۔''

Marfat.com

سلوک طریقت میں سالک سب سے پہلے مرشد کامل تلاش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راز کا راز دان (confidant) اور امانت حق کا متحمل ہوتا ہے وہ سلوک طریقت میں ماہر اسرار و رموز طریقت سے واقف اور عارف ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا. (الفرقان)

ترجمہ: ''وہ رحمان ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے۔''

ترجمہ: ''اور وہ روشن نشانیاں ہیں جو ان (لوگوں) کے سینوں میں محفوظ (ensconced) ہیں۔'' (عنکبوت)

اس حقیقت کے پس و پیش کو جاننے کے لیے جب ہم مقصدِ حیات پر غور کرتے ہیں اور تخلیق آدم پر تحقیق کرتے ہیں تو ازل و ابد (Alpha and Omega) تک کا نقشہ ہمارے تصور اور تخیل (imagination) میں بنتا ہے۔ دراصل یہ تصور ہمارے اس حقیقی وطن کا ہوتا ہے جہاں ہم ہزاروں سال گزار چکے ہیں۔ گویا ہم اپنے اس وطن سے دور جلاوطن ہیں۔ یعنی ہم اسفل سافلین میں عالم ناسوت کی کثافت وظلمت سے سخت اندھیرے میں ہیں جہاں ہم اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھ پا رہے راستہ اور منزل تو......؟ اس لیے ہر صاحبِ فکر کو جو غم پریشان کرتا ہے اس کی ترجمانی سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں۔

بنھ چلایا طرف زمین دے عرشوں فرش ٹکایا ھو
گھر تھیں ملیا دیس نکالا اساں لکھیا جھولی پایا ھو
رہ نی دنیا ناں کر جھیڑا اساڈا اگے جی گھبرایا ھو
اساں پردیسی اساڈا وطن دور اڈھا باھو دم دم غم سوایا ھو

نص صریح سے بھی یہ بات عیاں ہے کہ یہ دنیائے ناسوت عارضی (transient) ہے یعنی یہ رات دن کی منتظر ہے جب اچانک یہ ناسوتی پردہ اٹھ جائے تب تمام لوگ اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی عیاں دیکھ لیں گے کہ کون کہاں ہے؟ کیا وہ منزل پر پہنچا ہوا ہے یا راستہ میں ہے یا راہِ گم کردہ اور منزل سے دور ہے؟ لیکن یاد رہے وہ ایسا وقت ہوگا جب وہ کچھ نہیں کر سکتا ہوگا۔ مگر وہ لوگ جو اس دنیا میں کامیابی سے ہمکنار (embrace) ہو گئے اور ان کے سینے اللہ تعالیٰ کی جلوہ گاہ بنے۔

المختصر انسان نے جب عالمِ لاہوت (the spiritual world) (عالم ارواح) میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعویٰ محبت کیا تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو روح وجسم کے اختلاط سے ظلمت خانۂ دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا۔ اس دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں انسان اپنے آپ سے بھی غافل ہو گیا جیسے اندھا، گونگا، بہرہ اپنی

Marfat.com

پہچان سے بھی قاصر ہوتا ہے پھر جس طرح اندھا ٹٹول کر ٹھوس و مائع ساخت میں مختلف چیزوں کا اندازہ ان کی ہیئت و حجم کے حوالہ سے کرتا ہے جبکہ گیس و روشنی (الیکٹرانیات) کے وجود سے مکمل انکار کرتا ہے اسی طرح انسان نے اس اندھیری دنیا کو قدرت کی طرف سے عطا کردہ ناسوتی حواس خمسہ سے ٹٹولا اور اس غیر حقیقی تعین کو حقیقت (the Ultimate Reality) سمجھا اور ناسوت کے پردوں سے باہر نہ جھانک کر مطمئن ہو بیٹھا حالانکہ یہ جسم خاکی اور عالم ناسوت (the material world) تو فقط ایک غلاف، پردہ اور چھلکا ہے جبکہ حقیقت کچھ اور!!

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کن فیکون جدوں فرمایا اساں بھی کولوں ہاسے ھو
ہکے ذات صفات رب دی آہی ہکے جگ وچ ڈھونڈ رہا سے ھو
ہک لامکاں، مکان اساڈا ہک آن بتاں وچ پھاسے ھو
نفس پلیت پلیتی کیتی باھو کوئی اصل پلیت تاں ناسے ھو

تمام رسل اور انبیا نے اس منزل و حقیقت کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے خود بھی انسان کو وہ وعدہ یاد (remind) دلایا۔

ترجمہ: ''اور تم میرا وعدہ پورا کرو میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا۔'' (البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ یہ دنیا تمہاری منزل نہیں بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی منشا پر یہاں رہ رہے ہو اور پھر تم نے اسی کے بلاوے پر جانا ہے۔

فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''بے شک ہم اللہ کے لیے رہ رہے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کے جائیں گے۔'' (البقرہ)

گویا منزل پانے یا کھونے کے لیے کوشش کا وقت بھی اسی تاریک دنیا میں رکھا گیا ہے اس لیے یقینی بات ہے کامیابی کا وہ راستہ بھی اس تاریکی میں سے کہیں سے ضرور نکلتا ہوگا جسے صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔ وہ راستہ ایسا ہے جسے حواس خمسہ سے ٹٹولا (grope) یا محسوس نہیں کیا جاسکتا یعنی گھٹا ٹوپ اندھیرے (pitch dark) میں یہ روشنی کی ایک کرن ہے ایک پٹی (streak) ہے اب اس روشنی کی پٹی کو محسوس کرنا اور اس پر سفر کرنا ایک نابینا کے لیے اتنا مشکل ہے جتنا کہ سوئی کے ناکا (the eye of the needle) سے اونٹ گزارنا۔ ''طریق'' عربی میں راستہ کو کہتے ہیں حقیقی منزل کی طرف جانے والا یہ راستہ جس گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکلتا ہے اسے باطن کہتے ہیں۔ دنیائے دل (باطن) میں مادی تصورات کو سمجھنا اور ان کے بیچ سے راہ حق (روشن راستہ) نکالنا اور اس پر چلنا طریقت کہلاتا ہے۔

Marfat.com

فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور میں تمہارے اندر ہوں کیا تم غور سے نہیں دیکھتے۔'' (القرآن)

مزید فرمایا:

ترجمہ: ''ہم تمہاری شہ رگ (juggular vein) سے بھی قریب ہیں۔''

لیکن اس تاریکی میں راہ نکالنا جہاں سے اپنی پہچان بھی نصیب نہیں اس شخص کی طرح ہے جو رات کے اندھیرے میں ایک گھنے جنگل میں سفر کر رہا ہو پھر شدید طوفان اسے لپیٹ (overtake) لے۔ اس کٹھن راستے (uphill track) پر بآسانی سفر کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ بیان فرمایا:

ترجمہ: ''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا پس تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

(بحوالہ ''طریقت کیا ہے؟'' ص 6 تا 9)

شریعت وطریقت کے اسرار اور اس سے متعلقہ اصطلاحات کو حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ احسن اور دلپذیر انداز سے اور کون بیان کر سکتا ہے۔ اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''کشف المحجوب'' میں سید ہجویر مخدوم امم نے جہاں راہِ سلوک کی مختلف منازل کی تشریح وتعلیم فرمائی ہے وہاں ''طریقت'' پر بھی تفصیلاً بحث کی ہے اور اس ولی کامل نے کہ جو علم وعرفان کا بحر بیکراں ہے ساری صورتِ حال کو کھول کر بیان فرمایا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ طریقت اور شریعت سے متعلق حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں۔

یہ بھی دو اصطلاحات صوفیا میں شامل ہے۔ شریعت سے مراد حال ظاہر کی صحت اور حقیقت سے مراد حال باطن کی درستی ہے۔ دو گروہ اس معاملے میں غلطی کے مرتکب ہیں۔ ایک علمائے ظاہر ہیں جو دونوں میں فرق (differentiate) نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ شریعت بذاتِ خود حقیقت اور حقیقت شریعت ہے۔ دوسرا گروہ ملحدین (atheists) کا ہے جو دونوں کو علیحدہ علیحدہ قائم سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جب حقیقت بروئے کار ہو تو شریعت کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ عقیدہ مشبہین، قرامطہ اور دیگر وسوسہ ڈالنے والے لوگوں کا ہے۔ اس بات کی دلیل کہ احکام شریعت حقیقت سے جدا (distinct) ہیں، یہ لائی جاتی ہے کہ ایمان کے معاملے میں دل کی تصدیق (confirmation) زبان کے قول سے جدا ہے اور اس بات کی دلیل کہ دونوں دراصل ایک ہیں کہ محض دل کی تصدیق بغیر زبانی قول کے ایمان نہیں ہوتا اور قول بغیر تصدیق بے معنی ہوتا ہے۔ قول اور تصدیق کا فرق ظاہر ہے۔ پس حقیقت عبارت ہوتی ہے ایسے معنی سے جس میں کوئی تغیر وتبدل روا نہ ہو۔ پیدائش آدم سے فنائے عالم تک اس کی حیثیت یکساں رہتی ہے جیسے معرفتِ حق اور خلوص نیت پر مبنی اعمال۔ شریعت عبارت ہے ایسے معانی سے جس میں تغیر وتبدل روا ہوتا ہے جیسے احکام واوامر۔ شریعت فعل انسانی ہے اور حق تعالیٰ کی پرورش ہے اور اس کی حفاظت اور تقدس شریعت کی اقامت حفاظت حقیقت پر منحصر ہے۔ اسی طرح حقیقت کی اقامت کا

Marfat.com

انحصار شریعت پر ہے اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ جسم میں جب تک جان ہے انسان زندہ ہے۔ جب جان نکل جائے تو تن مردار (carrion) ہے اور جان کی حیثیت ہوا سے زیادہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جسم و جان (body and soul) کی اہمیت باہم ملاپ سے ہے۔ بالکل یہی عالم شریعت وحقیقت کا ہے۔ شریعت بغیر حقیقت ریا (ostentation) اور حقیقت بغیر شریعت منافقت (hypocrisy) ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا:

(ترجمہ) ''جولوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔''

مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت حقیقت۔ شریعت احکام کی حفاظت ہے بندہ کے لیے اور حقیقت بندے کے احوال باطن کی حفاظت ہے حق تعالیٰ کی طرف سے۔ شریعت کسبِ انسانی ہے اور حقیقت انعام خداوندی۔

اصطلاحات کی دوسری قسم وہ عبارات ہیں جو کلام صوفیا میں استعارۃً (as a metaphor) استعمال ہوتی ہیں۔ ان کی تفصیل اور شرح مشکل ہوتی ہے اور میں یہاں مختصراً بیان کرتا ہوں۔ انشاءاللہ العزیز۔

حق: سے مراد حق تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ کیونکہ یہ اسمائے باری تعالیٰ میں ایک اسم ہے۔ جیسے فرمایا: ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ. ''یہ بات اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے۔''

حقیقت: وصل حق کے مقام پر اقامت اور محل تنزیہہ پر استقامت کا نام ہے۔

خطرات: دل میں تفرقات سے گزر۔

وطنات: عرفان حق میں جو کچھ باطن میں رونما ہو۔

طمس: اس چیز کی اصلیت کی نفی جس کی یاد باقی ہے۔

رمس: کسی چیز کی اصلیت کی نفی (negation) بمعہ اس کے اثرات کے۔

علائق: کمتر درجہ کے اسباب جن میں الجھ کر طالب اپنے مقصود سے بے بہرہ (deprived) ہو جائے۔

وسائط: وہ اسباب جن کے ذریعہ مقصود (ambition) حاصل ہو۔

زوائد: دل میں انوارِ حق کی شدت۔

فوائد: باطن کا اس چیز کو پالینا جس کی ضرورت ہو۔

ملجاء: تحصیل مقصود کا اعتماد۔

منجاء: دل کا محل آفت سے فرار۔

کلیت: انسانی اوصاف کا کلیات میں جذب (immersion) ہو جانا۔

Marfat.com

لوائح: نفی مراد سے اثبات۔

لوامع: دل میں طلوعِ انوار بقائے حصول کے ساتھ۔

طوالع: دل میں انوار معارف کا ظہور۔

طوارق: رات کی مناجات میں دل پر بشارت یا زجر کا نزول۔

لطیفہ: دقیق نکات کا اشارہ۔

سر: رازِ دوستی کا اخفا۔

نجویٰ: آفات کو غیر سے چھپانا۔

اشارہ: غیر کو مقصود کی خبر دینا بغیر زبان ہلائے۔

ایما: بغیر بیان یا اشارہ کے کنایۃً مخاطب کرنا۔

وارد: حقیقت یعنی معانی کا دل پر وارد ہونا۔

انتباہ: غفلت کا دل سے نکلنا۔

اشتباہ: حق و باطل میں تذبذب (vacillation)۔

قرار: حقیقت حال سے تردد (anxiety; suspense) کا دور ہونا۔

انزعاج: عالم وجد (rapture; ecstasy) میں دل کی حرکت۔

یہ معانی ہیں صوفیائے کرام کے بعض الفاظ کے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تیسری قسم ان اصطلاحات کی ہے جو صوفیا توحید حق اور اپنا اعتقاد بیان کرنے میں بغیر استعارہ کرتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:

عالم: اس سے مراد مخلوقات خداوند عالم ہے کہتے ہیں اٹھارہ ہزار یا پچاس ہزار عالم ہیں۔ اہل فلسفہ کے نزدیک دو عالم ہیں۔ علوی (celestial; heavenly) اور سفلی (infernal)۔ علمائے اصول (Principles of Muslim jurisprudence) کہتے ہیں کہ عرش سے تحت الثریٰ تک ایک عالم ہے االغرض عالم مجموعہ ہے مخلوقات کی مختلف اقسام کا۔ اہل طریقت بھی عالم ارواح اور عالم نفوس کے قائل ہیں مگر ان کا مطلب وہ دو عالم نہیں جو اہل فلسفہ تسلیم کرتے ہیں۔ اہل طریقت کا مطلب اجتماع ارواح اور اجتماع نفوس ہے۔

محدث: جس کا وجود بعد میں ظاہر ہوا ہو یعنی جو پہلے نہ تھا اور بعد میں وجود میں آیا۔

قدیم: جس کا وجود ہمیشہ سے تھا اور رہے گا۔ یہ سوائے ذات حق کے اور کچھ نہیں۔

ازل: وہ جس کی ابتدا نہ ہو۔ وہ نقطہ آغاز جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہ ہو۔

ابد: وہ انتہا جس کی انتہا نہ ہو۔ وہ نقطہ اختتام جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دعلم نہ ہو۔

Marfat.com

ذات: کسی چیز کی اصلیت اور حقیقت۔

صفت: وہ چیز جو قابلِ بیان ہو بغیر اپنے وجود کے یعنی جس کا اپنا وجود نہ ہو۔ صرف موصوف کی موجودگی میں صورت پذیر ہو۔

اسم: علامت جو مُسمّٰی سے جداگانہ ہو۔

تسمیہ: مُسمّٰی سے متعلق خبر۔

نفی: کسی چیز کے عدم (not-being) کا اعلان۔

اثبات: کسی چیز کے وجود کا اقرار۔

شیئان: وہ دو چیزیں جن کا وجود ایک دوسرے پر منحصر (contingent) ہو۔

ضدات: وہ چیزیں جن کا وجود ایک دوسرے کے منافی (contrary) ہو۔

غیران: ایک چیز کا وجود دوسری چیز کی فنا۔

جوہر: کسی چیز کا اصل جو بذاتِ خود قائم ہو۔

عرض: جو چیز جوہر (essence) کے ساتھ وابستہ ہو۔

جسم: اجزائے پریشان کا اجتماع۔

سوال: طلب کرنا (کسی چیز کی حقیقت)

جواب: سوال کے مضمون کے متعلق اطلاع۔

حسن: جو چیز امرِ حق کے مطابق ہو۔

قبیح: جو امرِ الٰہی کے خلاف ہو۔

سفہہ: اوامرِ حق کا ترک کرنا۔

ظلم: کسی چیز کو ایسے مقام پر رکھنا جو اس کا اہل نہ ہو۔

عدل: کسی چیز کو اس کا مناسب مقام (proper place) دینا۔

ملک: جس کا کوئی فعل قابلِ اعتراض (objectionable) نہ ہو۔

یہ ہیں مختصراً وہ اصطلاحات جن کا علم طالبِ حق (seeker after truth) کے لیے ضروری ہے۔

چوتھی قسم ان اصلاحات پر مشتمل ہے جن کی شرح ضروری ہے۔ یہ صوفیائے کرام میں مستعمل ہیں مگر ان کا مطلب عام لغوی معانی سے قطعاً مختلف ہوتا ہے۔

Marfat.com

خاطر

خاطر (خیال گزراں) سے صوفیا کا مطلب ایسا خیال ہوتا ہے جو دل میں رونما ہو اور جلد ہی کسی دوسرے خیال کے آتے ہی ختم ہو جائے اور صاحبِ خیال کو اسے دور کرنے کی قدرت حاصل ہو۔ ایسی حالت میں درویش حق تعالیٰ کی طرف سے رونما ہونے والے امور میں پہلے خیال کا اتباع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت خیر النساج رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں خیال پیدا (occur) ہوا کہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ دروازے پر کھڑے ہیں۔ آپ نے اس خیال کو دور کرنے کا خیال کیا مگر دوسرے خیال کی تردید میں پھر وہ خیال رونما ہوا۔ آپ نے بارِ دیگر کوشش کی مگر پھر وہی ہوا۔ آپ باہر نکلے تو حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ ایستادہ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے خیر! اگر تم پہلے خیال کا اتباع کرتے ہوئے رسم درویشی بجالاتے تو مجھے اتنی دیر کھڑا نہ ہونا پڑتا۔ مشائخ اس پر کہتے ہیں کہ اگر ''خاطر'' وہی تھی جو خیر النساج پر وارد ہوئی تو حضرت جنید کا اس سے کیا تعلق تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جنید چونکہ خیر النساج کے پیر تھے۔ اس لیے اپنے مرید کے کل احوال سے باخبر تھے۔

واقع

واقع سے مراد وہ چیز ہے جو دل پر وارد ہو اور خاطر کے برعکس دیرپا ہو اور طالب اسے دور کرنے پر قادر نہ ہو چنانچہ عام محاورہ میں کہا جاتا ہے: ''میرے دل میں خیال گزرا (cross) اور میرے دل پر ایک چیز وارد (befall) ہوئی۔'' خیالات تو ہر دل میں گزرتے ہیں مگر واقعات صرف اس دل میں صورت پذیر ہوتے ہیں جو صرف حقانیت کا مسکن ہو۔ جب راہِ حق میں مرید (mentee) کو کوئی رکاوٹ پیش آتی ہے تو اسے ''قید'' کا نام دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اسے واقع پیش آیا ہے۔ اہل لغت واقع سے مراد کسی مسئلہ میں الجھن پیدا ہونا لیتے ہیں۔ جب صحیح حل مل جائے اور مشکل دور ہو جائے تو کہتے ہیں کہ واقع حل ہو گیا۔ اہل طریقت کے نزدیک واقع حل نہیں ہوتا اگر حل ہو جائے تو وہ خاطر ہے واقع نہیں۔ کیونکہ واقعہ نہایت اہم چیز ہوتی ہے اور ہر وقت اس کی حیثیت (nature) نہیں بدل سکتی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اختیار

اہل طریقت کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اختیار حق کو اپنے اختیار پر فائق سمجھا جائے یعنی خیر و شر جو کچھ بھی مِنَ اللہ ہے اسے کافی تصور کیا جائے۔ حق تعالیٰ کے اختیار (authority) کو اختیار کرنا بھی اختیار حق سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک حق تعالیٰ بندے کو بے اختیار نہ کرے وہ اپنا اختیار چھوڑنے کا اہل نہیں ہوتا۔ حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ ''امیر کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: ''جسے اپنا کوئی اختیار حاصل نہ

Marfat.com

ہو اور صرف اختیارِ حق ہی اس کا اختیار ہو۔'' حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ بخار میں مبتلا تھے۔آپ نے دعا فرمائی: ''باری تعالیٰ! مجھے خیریت عطا فرما۔'' آپ کے باطن سے آواز آئی۔میری فرمانروائی (rule) میں دخل دینے والا کون ہے؟ میں اپنی سلطنت (kingdom) کا انتظام تجھ سے بہتر سمجھتا ہوں۔میرے اختیار پر راضی ہو اور اپنے اختیار کا اظہار نہ کر۔'' (واللہ اعلم بالصواب) (Allah alone knows the real facts)

امتحان

اس سے مراد اولیا کے دلوں کا مختلف مصائب میں ابتلا ہے جو من جانب اللہ ظہور میں آتی ہے۔مثلاً خوف، غم، قبض، ہیبت وغیرہ۔چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''وہ لوگ جن کے دل پرہیزگاری کے لیے مبتلائے آزمائش ہیں، بڑی بخشش اور اجر کے مستحق ہیں۔''

یہ درجہ بہت ارفع ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

بلا

بلا سے مراد اولیا کا تکلیفوں، بیماریوں اور غموں کے ذریعہ جسمانی ابتلا ہے۔قرب بقدر شدت مصیبت (suffering) حاصل ہوتا ہے۔مصیبت اولیا کا لباس، برگزیدہ لوگوں کا گہوارہ اور انبیا کی غذا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ''ہم جماعت انبیا سب سے زیادہ مبتلائے بلا ہوتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

ترجمہ: ''سب سے زیادہ مبتلائے بلا انبیا ہوتے ہیں پھر اولیا پھر جو زیادہ بزرگ ہوتے ہیں اور پھر جو زیادہ بزرگ ہوتے ہیں۔''

الغرض بلا (distress) وہ ابتلا (trial) ہے جو مومن کے دل و جان پر نازل ہوتی ہے جس کی حقیقت دراصل نعمت حق ہوتی ہے اور بظاہر ایک راز پوشیدہ۔اس ابتلا کو برداشت کرنا مومن کے لیے باعث ثواب (rewarding) ہوتا ہے۔کفار پر نازل ہونے والی مصیبت بلا نہیں ہوتی۔وہ ان کی بدبختی ہوتی ہے اور بدبختی سے انہیں نجات حاصل ہوتی ہے۔بلا کا مقام امتحان سے بلند تر ہے۔امتحان کا اثر فقط دل پر ہوتا ہے اور بلا کا جسم اور دل دونوں پر۔(واللہ اعلم بالصواب)

Marfat.com

تحلّی

کسی ستودہ اقوال اور عمدہ خصال قوم کے ساتھ مشابہت (likeness) پیدا کرنا۔
آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
ترجمہ: ''مشابہت پیدا کرنے اور کسی جیسا بننے کی تمنا کرنے سے ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ ایمان وہ ہے جو دل میں قرار پائے اور اس کی تصدیق عمل سے کی جائے۔''
الغرض اپنے آپ بغیر حقیقی عمل کے کسی جماعت کے ساتھ مشابہت دینا تحلّی ہے جو لوگ وہ کچھ دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں جو وہ نہیں ہوتے بہت جلد رسوائی (humiliation) کا منہ دیکھتے ہیں اور ان کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔

تجلّی

مقبل دلوں پر انوار حق کا نزول جن کی بدولت ان کے دل کی آنکھ دیدار حق سے بہرہ ور ہو جاتی ہے۔
اس دلی رویت (sighting) حق اور عینی رویت میں فرق ہے۔ دلی رویت پانے والا چاہے تو دیدار حق کرے چاہے نہ کرے یا کبھی کرے اور کبھی نہ کرے۔ عینی رویت میں یہ نہیں ہوگا۔ بہشت میں عینی رویت کے ہنگام (time) اگر دید حق نہ کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ تجلّی پر پردہ ہو سکتا ہے۔ رویت پر حجاب روا نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تخلّی

تخلّی سے مراد ان اشغال سے روگراں (avoid) ہونا ہے جو مانع قرب حق ہوں۔ مثلاً دنیا جس سے ہاتھ اٹھا لینا چاہیے۔ عقبیٰ جس کی محبت سے دل خالی ہونا چاہیے۔ خواہشِ نفس کی پیروی جسے چھوڑ دینا چاہیے۔ صحبت خلق جس سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لینا چاہیے اور اس کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شرود

آفات، حجابات اور اضطراب سے نجات حاصل کرنے کو شرود کہتے ہیں۔ طالبِ حق کی جملہ آفت حجاب سے ہوتی ہے۔ اہلِ طلب کی کشف حجب میں کوشش، پردے دور کرنے میں سعی اور اس مقصد کے لیے ان کا وسائل سے تعلق سب کچھ شرود کے تحت آتا ہے جو طالب حق ابتدا میں زیادہ بے قرار ہو وہ انتہا میں زیادہ

Marfat.com

صاحبِ تمکین (dignity) ہوتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

مقصود

مقصود سے مراد طلب حقیقت کے لیے صحیح قصد کرنا ہے۔ اہل حقیقت کا قصد حرکت و سکون سے بے نیاز ہوتا ہے۔ طالبِ حق حالتِ سکون (in a state of rest) میں بھی صاحبِ قصد ہوتا ہے۔ یہ چیز عام قاعدہ کے خلاف ہے کیونکہ ہر قاصد کے لیے یا ظاہر قصد ہونے کا اثر ہوتا ہے یا باطن میں کوئی نشان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس دوستانِ حق بغیر سبب کے صاحبِ طلب ہوتے ہیں اور بغیر حرکت کے صاحب قصد۔ ان کی تمام صفات قصد ہوتی ہیں اور انتہائی قصد کرتے ہیں اور جب دوستی حاصل ہو تو ہمہ تن قصد ہوتی ہے۔

اصطناع

اس لفظ سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کی تہذیب نفس کے لیے اس کے جملہ نصیب کو ختم کر دے اور اس کی تمام لذاتِ نفسانی پر زوال مسلط کر دے۔ بندے کے نفسانی اوصاف تغیر پذیر (mutable) ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی صفات کے زوال اور تغیر سے متاثر ہو کر بے خود (enraptured) ہو جاتا ہے۔ یہ درجہ صرف پیغمبروں کے لیے ہے مگر بعض مشائخ اولیا کرام کے لیے بھی روا سمجھتے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

اصطفاء

اصطفاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کے دل کو اپنی معرفت کے لیے مخصوص کر کے نورِ معرفت سے معمور کر دے۔ اس درجہ کے لیے خاص و عام، مومن، گناہ گار، طاعت گزار، ولی، نبی سب برابر ہیں۔

حق تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''پھر ہم نے برگزیدہ لوگوں کو کتاب دی ان میں سے کچھ ظالم ہیں، کچھ میانہ رو اور کچھ نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

اصطلام

تجلی حق کا غلبہ جو کسی لطیف ابتلا کے ذریعہ انسانی ارادہ کو کالعدم (invalidate) کر دیتا ہے۔ قلب ممتحن (دل آزمودہ) اور قلب مصطلم (دل برباد) کے معانی ایک ہیں۔ گو صوفیا عام طور پر اصطلام کو زیادہ خاص اور لطف امتحان تصور کرتے ہیں۔

Marfat.com

رین

یہ ایک قسم کا حجب دل ہے جو ایمان کے سوا کسی چیز سے دور نہیں ہوتا۔ یہ کفر اور ضلالت کا پردہ ہے۔
حق تعالیٰ نے کفار کی نسبت فرمایا:

ترجمہ: ''ایسا نہیں بلکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ ان کے دلوں پر ایک قسم کا زنگ (حجاب) سا لگ گیا ہے۔''

ایک جماعت کا خیال ہے کہ رین وحجاب ہے جو کسی طرح دور نہیں ہوسکتا کیونکہ کافر ایمان قبول نہیں کرتا اور جو کرتا ہے وہ علم الٰہی میں مومن ہی ہوتا ہے۔

غین

ایسا حجاب جو توبہ (apology) سے دور ہو جائے۔ یہ خفیف بھی ہوسکتا ہے اور غلیظ بھی۔ غلیظ حجاب اہلِ غفلت اور کبیرہ گناہوں (deadly sins) کے مرتکب ہونے والوں پر ہوتا ہے۔ حجاب خفیف سب کے لیے ہوسکتا ہے ولی ہو یا نبی۔ آنحضورﷺ نے فرمایا: ''میرے دل پر خفیف سا پردہ آ جاتا ہے اور میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔'' حجاب غلیظ کے لیے توبہ اور حجاب خفیف کے لیے رجوع (recourse) الی اللہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ توبہ کا مطلب معاصی (sins) سے بندگی کی طرف پلٹنا ہے اور رجوع کا مطلب اپنے آپ سے حق تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ توبہ جرم سے ہوتی ہے جرم عام بندوں کے لیے احکام حق کی خلاف ورزی کا نام ہے اور دوستان حق کے لیے مرضیٔ حق کی مخالفت کا۔ عوام کا گناہ نافرمانی (disobedience) ہے اور دوستان حق کا گناہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنی ہستی کا احساس ہو۔ اگر کوئی شخص غلط کاری (wickedness) کو چھوڑ کر راہ راست اختیار کرے تو اسے تائب (توبہ کرنے والا) اور اگر خوب سے خوب تر کی طرف رجوع کرے تو اسے راجع کہتے ہیں۔

تلبیس

کسی چیز کو اس کی حقیقت سے مختلف پیش کرنے کو تلبیس (impersonation) کہتے ہیں۔
حق تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''تحقیق ہم ان پر وہ شبہ ڈالتے ہیں جو وہ شبہ کرتے ہیں۔''

یہ صفت بجز ذات حق کسی کو زیبا نہیں جو کافر کو بصورت مومن اور مومن کو بصورت کافر رکھتی ہے جب تک اظہارِ حقیقت کا وقت نہیں آتا۔ صوفیا میں سے جب کوئی اچھی خصلتوں کو مذموم خصائل سے چھپاتا ہے تو کہتے ہیں وہ تلبیس کر رہا ہے۔ اس صورت کے سوا کسی اور جگہ اس لفظ کا استعمال نہیں ہوتا۔ ریا اور نفاق کو تلبیس

Marfat.com

نہیں کہتے حالانکہ دراصل تلبیس وہی ہے۔تصوف میں تلبیس صرف فعل حق کی اقامت کے لئے مستعمل ہے۔

شُرب

صوفیائے کرام بندگی کی مٹھاس، مکرمت کی لذت اور محبت کی راحت کوشرب کا نام دیتے ہیں۔بغیر لذت شرب کے کوئی کام نہیں ہوتا۔جسم کے لیے شرب پانی سے ہے اور دل کے لیے راحت و حلاوت (suavity) سے۔میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ بے شرب مرید اور با شرب عارف ارادت (faith; devotion) اور معرفت سے بیگانہ (stranger) ہوتے ہیں۔مرید کے لیے شرب ضروری ہے تا کہ وہ ارادت میں حق طلب بجالائے۔عارف کے لیے شرب کی ضرورت نہیں۔مبادا بدون حق اسے کسی چیز سے شرب حاصل ہواور وہ شرب اگر نفس سے تعلق رکھےتو وہ (عارف) قرب حق سے محروم ہو جائے۔

ذوق

ذوق بھی شرب کی طرح ہوتا ہےفرق یہ ہے کہ شرب صرف راحت ولذت کے لیے مستعمل ہے اور ذوق راحت ورنج دونوں پر عائد (applicable) ہوتا ہے۔چنانچہ کسی عارف نے کہا ہے۔"میں نے مٹھاس، چکھی میں نے رنج وراحت کا مزہ چکھا۔" شرب سے متعلق کہا۔"میں نے وصل ومحبت کا ساغر پیا۔" وغیرہ۔
جب حق تعالٰی نے شراب کا ذکر کیا تو فرمایا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

ترجمہ: "کھاؤ پیو دل پسند اشیاء یہ اجر ہےان اعمال کا جو تم کرتے رہے ہو۔"

ذوق کا ذکر کیا تو فرمایا:

ترجمہ: "چکھ! تحقیق تو کریم اور غالب ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ: "دوزخ کا عذاب چکھو۔"

یہ تھے صوفیا میں مروجہ اصطلاحات (current terminology) کے احکام اور معانی۔اگر سب بیان کروں تو کتاب طویل ہونے کا احتمال (fear) ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

Marfat.com

حصولِ علم کے 5 دروازے

ظاہر ہے کہ حصولِ علم کے لیے پانچ ذرائع ہیں۔سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا۔ یہ حق تعالیٰ کے عطا کردہ پانچ دروازے ہیں۔ جن کے ذریعہ ہر قسم کا علم انسانی باطن میں داخل ہوتا ہے۔آواز اور خبر کا تعلق سننے سے ہے۔مختلف رنگوں اور اجسام کا دیکھنے سے، تلخ وشیریں (bitter and sweet) کا چکھنے سے، بو اور خوشبو کا سونگھنے سے اور سختی ونرمی کا چھونے سے۔ان پانچ حواس میں سے چار کے لیے اپنا مخصوص مقام ہے اور ایک حس ہر (sense) جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ سننے کا مقام کان میں دیکھنے کا آنکھ، چکھنے کا کام دہن (mouth) اور سونگھنے کا ناک۔مگر چھونے کی حس تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہے۔آدمی صرف آنکھ سے دیکھتا ہے، کان سے سنتا ہے، ناک سے سونگھتا ہے اور کام و دہن سے چکھتا ہے۔مگر چھونے کے معاملے میں اس کا سارا جسم سرد و گرم اور سخت ونرم میں تمیز کر سکتا ہے از روئے قیاس یہ ممکن ہے کہ جس طرح قوت لامسہ (sense of touch) سارے اعضاء میں موجود ہے۔اس طرح باقی حواس وقویٰ بھی سارے اعضاء میں پائے جائیں۔لیکن فرقہ معتزلہ کے نزدیک ہر حس اپنے مخصوص مقام کے سوا کسی دوسرے عضو میں نہیں ہوسکتی۔معتزلہ کے اس خیال کی تردید میں چھونے کی حس کا حوالہ کافی ہے۔اگر پانچ حواس میں سے ایک یعنی لمس (touch) کا کوئی مخصوص مقام نہیں تو یہی چیز باقی چار حواس کے لیے بھی روا ہوسکتی ہے۔ بہر حال یہ موضوع بحث نہیں تاہم اس قدر بیان کر دینا ضروری تھا۔

ایک حس یعنی سماعت کو چھوڑ کر باقی حواس میں سے ایک حس دیکھتی ہے۔دوسری سونگھتی ہے، تیسری چکھتی ہے اور چوتھی چھوتی ہے۔اس عجائب خانہ کائنات کو دیکھ کر، خوش آئند اشیاء کو سونگھ کر، عمدہ نعیم کو چکھ کر اور نرم وملائم چیزوں کو چھو کر عقل کی راہنمائی کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اور ان حواس کے ذریعہ عقل کے سامنے روشن ہو جاتا ہے کہ کائنات حادث (created) ہے کیونکہ اس میں تغیر وتبدل رونما ہوتا رہتا ہے اور تغیر وتبدل حادث ہونے کی دلیل ہے۔اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو اس کا جز نہیں کیونکہ تمام عالم مکون (تکوین دیا گیا) ہے

Marfat.com

اور مکون (the created world) (تکوین دینے والا) خالق اکبر ہے۔ کائنات عالم اجسام ہے اور اس کی ذات پاک مجسم کرنے والی ہے۔ حق تعالیٰ قدیم (eternal) ہے اور تمام کائنات حادث۔ اس کی ذات لامتناہی ہے اور تمام عالم متناہی۔ وہ قادر مطلق ہے، علیم ہے۔ ہر جگہ اسی کا تصرف (possession; domination) ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اسی نے آیات صادقہ دے کر پیغمبر بھیجے...... مگر ان پیغمبروں پر ایمان اس وقت لازم ہوا جب معرفت حق کے کلمات اور باقی احکامات شرع و دین ان کی زبان سے گوش سماعت نے سنے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت سماعت کو دیکھنے سے افضل سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے سماعت سننے کا مقام ہے اور دیکھنا نظر کا۔ دیدار حق اس کا کلام سننے سے افضل تر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ از روئے احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام بہشت میں مومنوں کا دیدار حق ہوگا۔ دیدار کی عقلی دلیل کشف (epiphany) سے بہتر نہیں ہوسکتی ہم نے پیغمبر ﷺ سے سن لیا کہ بہشت میں رویت حق ہوگی اور نگاہوں کے حجاب اٹھ جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ سننا دیکھنے سے افضل تر ہے۔ علاوہ ازیں احکامات شرعی سماعت پر منحصر ہیں۔ وہ قائم ہی سماعت پر ہیں۔ جملہ انبیائے علیہم السلام نے پیغام حق زبانی دیا اور جنہوں نے سنا وہ گرویدہ ہوگئے۔ پھر ظہور معجزات ہوا اور معجزات کے دیکھے جانے کا علم بھی سننے ہی سے ہوا۔ (بحوالہ کشف المحجوب ص 529 تا 542)

شریعت اور طریقت کے رموز جاننے کے لیے کسی بھی طالب مولیٰ (seeker after God) کا مرشد کامل کے سامنے بیعت ہونا لازم ہے۔ مرشد کامل طالب مولا سے طریقت کی تعلیم و رموز بتانے سے قبل معاہدہ کرتا ہے جسے اصطلاح تصوف میں ''بیعت طریقت'' کہتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے علم ہدایت (باطنی علم) کا سوال کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے مصاحبت و تعلیم کے لیے معاہدہ کی شرط رکھی کہ ''اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے بارے میں نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔'' جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول کیا۔

تعلیم طریقت و بیعت طریقت کا جواز (justification) نبی الرحمۃ ﷺ کی مقدس تعلیمات اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم سے بھی ملتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں جو اللہ کے قریب ترین اس کے بندوں پر آسان ترین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین ہو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''سراً و جہراً (ظاہری و باطنی طور پر) دائمی ذکر اللہ کرو۔'' پھر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ یہ ذکر تو سارے کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ جو میں نے اور تمام انبیا نے کہا۔ پھر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میں یہ ذکر کیسے کروں گا؟ حضور پاک ﷺ نے تھوڑی دیر کے لیے خاموشی اختیار فرمائی تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ تین دفعہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی میں پڑھتا ہوں اور تم آنکھیں بند کر کے

Marfat.com

سنو۔تو حضورﷺ نے تین مرتبہ کلمہ پڑھا اور فرمایا: اب اس طرح پڑھو۔(ضیاء القرآن،تصوف کے روشن حقائق)

یہ کلمہ پہلا سبق طریقت تھا جو سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پڑھا، بعد میں یہ سبق طریقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو پڑھایا گیا۔ مثلاً حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔آپ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''ہم نبی پاکﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔آپﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی اجنبی (اہل کتاب) تو نہیں۔ہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہﷺ۔تو آپﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: اپنے ہاتھوں کو بلند کرو اور کہو: ''لا الٰہ الا اللہ'' ہم نے ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا: لا الٰہ الا اللہ۔ پھر نبی پاکﷺ نے فرمایا: الحمد اللہ اے اللہ تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مجھے اس کا حکم فرمایا اس پر جنت کا وعدہ فرمایا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ پھر آپﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا۔(احمد، طبرانی، بزاز، مجمع الزوائد)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا یہ کلمہ پاک ان اصحاب رضی اللہ عنہم نے پہلی مرتبہ پڑھا۔نہیں! بلکہ وہ پہلے سے مومن اور صحابی رسولﷺ تھے۔معلوم ہوا حضور پاکﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بالترتیب و بالتدریج (step by step) علوم و رموز کے ظاہری و باطنی مراحل سے گزار کر منزل پر پہنچایا یعنی ابتدا کتاب شریعت پڑھائی اور زبان سے کلمہ کا ورد جاری کرایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق باطن کی طرف توجہ کا حکم فرمایا۔

ترجمہ: ''اے ایمان والوں سلامتی میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی اتباع نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''(القرآن)

شیطان کا راستہ چونکہ باطن سے ہے اس لیے وہ اندر دل میں وسوسے (misgivings) ڈال کر گمراہ کرتا ہے۔اب شیطان کے اس راستہ کو بند کرنے اور مکمل سلامتی حاصل کرنے کے لیے باطن کی طرف توجہ ناگزیر (indispensable) ہے یعنی اندر سے شیطان کی سخت ناکہ بندی (blockade) کے بغیر ایمان کی سلامتی ممکن نہیں کیونکہ صرف ظاہری علم و عمل سے آدمی اپنے باطن سے باخبر نہیں رہ سکتا۔شیطان ظاہر سے نہیں بلکہ بندہ کے باطن سے حملہ کرتا ہے۔جیسے فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''وہ لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے (instil; infuse)۔''

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ کر علم مشائخ سداون کرن عبادت دہری ھو
اندر جھگی پئی لٹیوے تن من خبر ناں موری ھو

انسان کے اندر کونین (The world and the Hereafter) سے بڑا ایک وسیع و عریض جہاں ہے جیسے

Marfat.com

کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ:

1- درد تیرا تیرے اندر ہے اور تو نہیں جانتا، دوا تیری تجھ سے ہے اور تو نہیں دیکھتا۔

2- اور تو گمان کرتا ہے کہ تو چھوٹا سا جسم ہے حالانکہ تیرے اندر بہت بڑا جہان سمٹا ہوتا ہے۔

3- اور تو وہ روشن کتاب ہے کہ جس کے حرفوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے پوشیدہ چیز۔

4- پس نہیں کوئی حاجت تیرے واسطے خارج سے اور فکر تیرا تیرے اندر ہے حالانکہ تو فکر نہیں کرتا۔

(مرآۃ العارفین از حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ھو
وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونجھ موہانے ھو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگن تانے ھو
جو دل دا محرم ہووے باھو سوئی رب پچھانے ھو

اب سوال یہ ہے کہ علم باطن (طریقت کی تعلیم) جس کی سمائی (accommodation) ادراکِ عقل پر ممکن نہیں اور نہ یہ کتابی تعلیم یا منطق کے کسی گر (tip) سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر یہ دیدہ جہاں اور مادی ترکیب و مادی واسطہ کا علم بھی نہیں تو پھر اس قدر مشکل ترین راستہ (طریقت) پر چلنا جو مثل پل صراط کے ہے اور اس کی تعلیم حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟ پھر فلسفہ تخلیق سے یہ بات ثابت ہے کہ ماسوائے اللہ کے ہر شے فانی (mortal) ہے جبکہ انسان کی روح جو امر الٰہی ہے کو اس دنیائے ناسوت (the mortal world) میں آنے سے اس عارضی و فانی دنیا کے تصورات اور محبتیں مجبور و پریشان کرتی ہیں جبکہ اسے معلوم بھی ہے کہ اس دنیا و مافیہا کو بقا نہیں۔

فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''کیا انہوں نے اپنے اندر فکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آسمان (بلندیاں) اور زمین (پستیاں) پیدا کیں اور ہر ایک مقررہ وقت کے لیے ہے۔'' (القرآن)

انسان کی فطرت ہے کہ وہ جو کچھ اور جب بھی حواس خمسہ سے محسوس کرتا ہے اس کا ایک تصور و احساس اس کے اندر محفوظ ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی عمر رسیدہ (aged) آدمی سے اس کے بچپن کی بات کی جائے تو فوراً اس کے بچپن کی پوری فلم اس کے تصور و تخیل (the mind's eye) میں چلنا شروع ہو جائیگی انہی تصورات کے حوالہ سے کبھی وہ خوشی (elation) کا اظہار کرے گا اور کبھی غمی (dejection) کا یعنی تصور و تخیل

Marfat.com

کے ساتھ ایک مدت پرانے احساسات تک بھی محفوظ (secure; intact) رہتے ہیں۔ دراصل اسے برسوں پرانی یاد آجاتی ہے یعنی وہ منظر سامنے آجاتا ہے دل کی سکرین پر نظر آنے والی یہ دنیا مادی نہیں بلکہ تصوراتی اور خیالی ہے لیکن انسان کو کلی طور پر متاثر کرتی ہے۔ پھر یہ دل کی دنیا اس قدر وسیع ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا تصور کرنا اور اس کا جلوہ محسوس و معلوم کرنا بھی روا ہے۔

فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور میں تمہارے اندر ہوں کیا تم غور سے نہیں دیکھتے۔'' (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''نہ میں زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں بلکہ بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔'' (حدیث قدسی)

فرمان نبوی ﷺ ہے:

ترجمہ: ''مومن کا دل رحمٰن کا آئینہ ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

''مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔''

حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دل دریا خواجہ دیاں لہراں گھمن گھیر ہزاراں ھو
رہن دلیلاں وچ فکر دے بے حد بے شماراں ھو

چونکہ دل میں ہزاروں تخیلات و تصورات موجود ہیں اور انسان ان میں الجھ (tangled) جاتا ہے۔ یہی بے شمار تصورات، تخیلات، خواہشیں اور محبتیں ہی ہیں جو اپنی کثافت و کدورت (grossness and turbidity) سے باطنی علم کو ماند اور بصیرت کو اندھا کرتی ہیں۔ یعنی بصارت کے باوجود انسان اندھا کہلاتا ہے۔ فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''پس یہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں بلکہ وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں موجود ہیں۔''

نص و حدیث کے مطابق یہی تصورات ہی غیر اللہ و شرک و کفر ہیں۔

فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے محبوب ﷺ کیا آپ ﷺ نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے۔'' (القرآن)

اس لیے صرف حرکت (movement) زبان سے ذکر و تسبیح جو دل سے مطابقت (agreement)

Marfat.com

نہ کرے ریاکاری (ostentation) کے زمرے میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر رکھا گیا ہے۔ جبکہ نیت کا تعلق باطن سے ہے۔ جب تک باطن درست نہ ہو نیت درست نہیں ہو سکتی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''انسان کے جسم کے اندر گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہے تو سمجھ لو سارا جسم ٹھیک ہے اگر وہ بگڑ گیا تو سمجھ لو سارا جسم بگڑ گیا جان لو وہ دل ہے۔''

چونکہ انسان کی زندگی کا مقصد حق تعالیٰ کی معرفت و پہچان ہے جو باطنی نور بصیرت کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لیے یہ دعا سکھائی گئی۔

ترجمہ: ''اے ہمارے رب ہمارے (اندر کے) نور کو مکمل فرما۔'' (القرآن)

جب طالب مرشد کامل کے سامنے جاتا ہے تو مرشد کامل اس کے باطن (heart and mind) پر توجہ کرتا ہے اور تعلیم و تلقین میں اشکال و حروف کے بجائے اس کی معنویت میں محو کرتا ہے اور طریق نبوی ﷺ کے مطابق اپنی نگاہ سے اس کے باطن سے تزکیہ کی شمع جلاتا ہے اور کہتا ہے اپنے اندر سے پڑھ لا الٰہ الا اللہ یعنی اندر سے تمام خواہشات و تصورات جو غیر اللہ ہیں ان پر لا کی تلوار چلا دے جب وہ یہ عمل کرتا ہے تو اس کی باطنی آنکھ سے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں اسے ذات الحی القیوم کے جلوے نظر آتے ہیں۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الله چنبے دی بوٹی من مرے وچ مرشد لائی ھو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگ ہر جائی ھو

یعنی جب سے مرشد کامل نے میرے دل میں اسم ذات اللہ کی بوٹی (sapling) لگائی تو میری رگ رگ سے غیر نفی ہو گیا اور ہمیشہ رہنے والی ذات باقی رہ گئی۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تمام علوم اور اعمال کا مقصد دیدار حق تعالیٰ ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو تمام عبادت و ریاضت بے کار (infructuous) ہے جبکہ یہ مرشد کامل سے پڑھے ہوئے کلمۂ طریقت کے بغیر ممکن نہیں۔

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا دل دا پڑھدا کوئی ھو
جتھے کلمہ دل دا پڑھئے اوتھے ملے زبان ناں ڈھوئی ھو
دل دا کلمہ عاشق پڑھدے کیہہ جانن یار گلوئی ھو
ایہہ کلمہ مینوں پیر پڑھایا باھو میں سدا سہاگن ہوئی ھو

انسان جب کسی بھی چیز کے قرب اور تصور میں رہتا ہے تو اس میں اس چیز کی تاثیر و محبت غالب آ کر

Marfat.com

اس کے جسم کا حصہ بنتی نظر آتی ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے انسان کو فقط اپنی محبت اور ذکر و فکر کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ عالمِ لاہوت میں ہزاروں سال گزارنے اور وہاں عشق و محبت کے اظہار میں امانت الٰہیہ قبول کرنے اور اسے نبھانے (pull through) کے وعدہ کے باوجود انسان نے دنیا میں آ کر اس عارضی صحبت میں اپنی اصلی چیز کھو کر نفس و دنیا کی محبت و خواہش کو اپنے اوپر وارد کر لیا ہے۔ جیسے یہ اس کے جسم کا حصہ ہوں جزو بدن بننے والی ان مجسم (concrete) خواہشوں اور محبتوں کو اب پھر سے لا کی تلوار سے کاٹنا یقیناً تکلیف دہ مرحلہ ہے۔ جیسے فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا اور پھر تم اس کی طرف لوٹ جاؤ گے۔'' (البقرہ)

اس مشکل ترین کام کو مرشد کامل بمیت نفس و تحیی القلب کر کے آسان کر لیتا ہے کیونکہ مرشد کامل ایسی حکمت سے طالب کے جسم سے ان غیر محبتوں کو نکال کر حق تعالیٰ کی محبت وارد (enter) کرتا ہے جس طرح ایک سرجن ڈاکٹر مریض کے بیمار اور متعفن (putrid) حصے کو نکال کر جسم میں تندرستی اور صحت داخل کرتا ہے۔ ان غیر محبتوں اور نفسی خواہشات (sensual urges) کو قرآن مجید میں غیر اللہ اور شرک بتایا گیا ہے۔

ترجمہ: ''اے محبوب پاک ﷺ کیا آپ ﷺ نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔'' (القرآن)

اور حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''ہر وہ چیز جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ مشغول کرے پس وہی تمہارا بت ہے۔''

تو گویا طریقت، ان غیر محبتوں اور نفسی خواہشوں کے ختم ہو جانے اور محبت الٰہیہ کے وارد (arrival) ہونے کا نام ہے اب جو طالب، طلب اور محبت کے کمال کو پہنچتا ہے وہی محبت کے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق بہترین طلب اللہ ہی کی طلب ہے۔

ترجمہ: ''سب سے اچھی طلب اللہ ہی کی ہے اور سب سے بہترین ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے۔''

جب طالب کامل کو مرشد کامل کی صحبت (company) مل جاتی ہے تو وہ مرشد کامل طالب کو تلقین توحید و تصور اسم ذات اللہ عطا کر کے تسلیم و رضا (surrender to the will of Allah) کی تعلیم کے لیے ریاضت (mystic exercise) میں ڈال دیتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اب تو ہر وقت اور ہر حال، ظاہر و باطن میں اس کی توحید کا مطالعہ کر۔

حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ز ہر حرف توحید بنی ہر سطر توحید بین
باش دائم در مطالعہ تاشوی الحق الیقین

Marfat.com

ترجمہ: ''تو ہر حرف اور ہر سطر میں ہمیشہ توحید کا مطالعہ کرتا کہ تجھے حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔''

تسلیم و رضا ہی چونکہ وہ بنیادی نقطہ (focal point) ہے جس میں طالب کی کامیابی کا راز مضمر (lie) ہے اور محبت کاملہ کے صادق جذبوں کی علامت بھی یہی ہے۔

فرمان حق تعالیٰ ہے:

''اور ہم آزماتے ہیں تمہیں خوف، بھوک و پیاس مالوں اور اولاد کے نقصان سے خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر آزمائش کے لیے کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم تو صرف اللہ کے لیے رہ رہے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔'' (القرآن)

شیخ کامل طالب مولا کے اندر تسلیم و رضا کا جذبہ کیسے ابھارتا (inspire) ہے۔ اس کو مولانا روم صاحب رحمتہ اللہ علیہ مثنوی میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک طالب مولا مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوا اور وصال حق تعالیٰ کی التجا کی۔ تو مرشد نے اپنے لنگر خانہ (mess) میں کام پر لگا دیا اور فرمایا: ایک سال بعد میرے پاس آنا۔ جب سال پورا ہوا تو وہ مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ادھر مرشد نے اپنے خلیفہ سے فرما دیا کہ جب یہ میرا مرید آئے تو اس کے پاؤں پر اینٹ مارنا۔ چنانچہ جونہی وہ شخص قریب ہوا تو خلیفہ صاحب نے اس کے پاؤں پر اینٹ دے ماری۔ درد کی شدت اور غصہ سے وہ اینٹ اٹھا کر خلیفہ کو مارنے کے لیے دوڑا اور اسے برا بھلا (inveigh against) کہا۔ پھر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ حکم ملا کہ ایک سال اور لنگر خانہ میں کام کرو، پھر آنا۔ پھر جب اگلے سال خدمت میں حاضری کے لیے آیا تو اسی طرح اینٹ مروائی گئی تو اب وہ خلیفہ کو مارنے کے لیے تو نہ دوڑا البتہ وہیں کھڑے کھڑے برا بھلا کہتا رہا۔ پھر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک سال اور کام کرنے کا حکم مل گیا۔ پھر تیسری مرتبہ جب حاضر ہوا تو طبیعت تسلیم و رضا میں ڈھل چکی تھی۔ اب خلیفہ صاحب کی اینٹ پڑنے پر غصہ کے بجائے محبت کا اظہار کرنے لگا اور اینٹ چومنے لگا کہ یہ مرشد خانہ کی اینٹ ہے۔ یعنی اب کی بار ہر آزمائش پر راضی ہو چکا تھا۔ تب اسے مرشد نے اپنے پاس بلا کر گلے لگایا اور مہربانی فرما دی۔

محبت کے بغیر کوئی بھی مشکل اور تکلیف برداشت نہیں ہوتی جیسے جیسے صحبت و ریاضت کا دورانیہ (duration) بڑھتا رہا اتنا ہی مرشد سے محبت بڑھتی گئی۔ یہ تقاضائے فطرت ہے کہ ریاضت اور خلوت سے محبتیں، تصورات اور غالب تاثیریں آہستہ آہستہ زائل ہو جاتی ہیں جس طرح دیارِ غیر جانے سے وقت کے ساتھ ساتھ انسان سابقہ تعلقات و تصورات بھولنے لگتا ہے اور موجودہ تعلقات و محبتیں غالب آ جاتی ہیں۔ اسی طرح انسان عالمِ ارواح سے اپنا تعلق اور انوارِ حق تعالیٰ کی محبت کو بھلا بیٹھا ہے جبکہ مرشد کامل طالب کو ریاضت میں رکھ کر اس کو اپنے اصلی وطن کی یاد دلاتا ہے اور اس میں حقیقی محبت اجاگر کرتا ہے۔ جب طالب میں وہ محبت

Marfat.com

غلبہ کرتی ہے تو اسے سب سے پہلے مرشد کمال کا مقام معلوم ہوتا ہے جس نے اسے یہ سبق پڑھایا، پھر مرشد ہی اس کے دردِ محبت کا درماں (remedy) نظر آتا ہے۔تب وہ مرشد کی ہر آزمائش کو بخوشی قبول کرتا ہے جس طرح مریض صحت یابی کے لیے کڑوی دوائی کو بخوشی پی جاتا ہے۔

مرشد کامل طالب مولا کو ''مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوا'' موت سے پہلے مرنے (اختیاری موت) کی عملی تربیت دیتا ہے یعنی اس کے دل سے حبِ دنیا، خواہشات نفس اور وساوس شیطانی ختم کرنے کے لیے ایک مدت تک ریاضت میں رکھتا ہے پھر جب یہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں اس پر مہربانی کر دی جاتی ہے کیونکہ اس اختیاری (death by choice) موت کے بعد ہی دیدارِ حق تعالیٰ روا ہے۔

اس لیے ریاضت سے سخت تر امتحان اور کوئی نہیں کیونکہ مرشد وہ کرتا ہے جو طالب نہیں جانتا جس کی مثال حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہم السلام کے بیان (account) میں موجود ہے اس لیے اکثر ناقص (inchoate) طالب مرشد کے امتحان اور ریاضت میں فیل و نامراد ہو جاتے ہیں اور ان کی ساری ریاضت و محنت رائیگاں (kaput) جاتی ہے۔

حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عاشق ہوئے ہزاروں باہو پر عشق نصیب کہیں دے ہو

اس لیے راہِ طریقت میں استقامت (amputate) اور مرشد کی اتباع اور رضا پر عمل پیرا ہونا شرط ہے۔

اس کی مثال اس طرح کہ اگر کسی آدمی کا بازو کٹ جائے تو کٹا ہوا وہ بازو ایک وقت تک پھڑکتا رہے گا ادھر وہ آدمی بھی چیختا رہے گا۔اگر اس کٹے ہوئے عضو کو فوراً جوڑ دیا جائے تو جڑ جائے گا اور اگر وہ بازو پھڑک پھڑک کر ٹھنڈا ہو جائے تب جوڑا جائے تو ہرگز نہیں جڑے گا پھر ایک خاص وقت بعد وہ آدمی بھی سکون کر جائے گا۔اسی طرح آدمی کو جب مخلوق اور دنیا سے کاٹ کر علیحدہ کیا جاتا ہے تو دونوں طرف سے تکلیف محسوس کی جاتی ہے اور وہ آدمی فراق (separation) میں پھڑکتا ہے پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سابقہ محبت کی تاثیر زائل ہونے لگتی ہے اور مرشد تلقین و نظر سے جو تصور (تصور اسم ذات اللہ) دیتا ہے اس کی محبت بڑھتی ہے بالآخر وہ قرب و معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

Marfat.com

اسلام اور تصوف

تصوف کیا ہے؟ میں اس پر گزشتہ ابواب میں کچھ عرض کر چکا ہوں لیکن ابھی اس سوال کے جوابات بے شمار ہیں۔ ہر جواب ایک نیا سوال کھڑا کرتا ہے اور ناپختہ (immature) انسانی ذہن الجھتا چلا جاتا ہے۔ محقق عجیب عجیب طرح کی خیال آرائیاں (speculation) کرتے ہیں۔ بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں اور اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اس راہ کے مسافر جن کی تربیت کامل نہ ہو، مرشد کی راہنمائی اور نگاہ میسر نہ ہو، راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ منزل دھندلا جاتی ہے اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں (grope) مارتے دکھائی دیتے ہیں لیکن کسی مردِ قلندر کی بارگاہ سے فیض یاب ہونے والا قلب ونظر کا فیض یافتہ نہ صرف اپنی سمت درست کر لیتا ہے بلکہ ایک ایسی روحانی سرشاری سے لذت آشنا ہو جاتا ہے کہ پھر وہ ساری زندگی راہِ سلوک میں گزارنا عین سعادت جانتا ہے۔ سب سے پہلے ہم لفظ صوفی پر بحث کریں گے کہ اس کا ماخذ اشتقاق کیا ہے اور اس فن سے وابستہ لوگ اس کو کس مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

ابو ریحان البیرونی (973ء تا 1048ء) کا نام محتاج تعارف نہیں۔ یہ بیک وقت ریاضی، طب، فلک، تقاویم اور تاریخ میں ید طولیٰ (ecstasy) رکھتے تھے۔ انہوں نے کئی سال ہندوستان میں بسر کیے، سنسکرت میں مہارت حاصل کی اور یہاں کے تمدن اور مذہبی افکار، اعمال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ وہ کہتے ہیں۔

''صوفی'' کا ماخذ سوف ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سوف کا معنی ''حکمت'' ہے اسی لیے حکیم اور دانشور و فیلسوف کہتے ہیں۔ فیلا کا معنی محبّ اور سُوف کا معنی حکمت یعنی دانش وحکمت سے محبت کرنے والا۔ سُوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا (render) گیا تو تحریف کے بعد صوفی ہو گیا کیونکہ یونان میں حکما کا ایک ایسا گروہ تھا جن کا نظریہ تھا کہ وجود حقیقی صرف علت اولیٰ (the First Cause) کے لیے ہے کیونکہ وہی ماسوا سے مستغنی ہے باقی سب اس کے محتاج ہیں اسی لیے وجود حقیقی صرف وہی علت اولیٰ ہو گی، باقی اشیاء کا وجود حقیقی

Marfat.com

نہیں بلکہ خیالی ہے کیونکہ مسلمانوں میں بھی بعض حضرات کا عقیدہ بظاہران سے قریب ہے۔اسی مناسبت سے انہیں بھی صوفی کہا گیا۔

لیکن البیرونی کی یہ رائے قابل اعتنا(worthy of attention) نہیں چونکہ یونانی کتب کے عربی تراجم کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے نصف کے لگ بھگ شروع ہوااوراہل عرب کے ہاں صوفی کالفظ اس سے بہت پہلے مستعمل ہوتا تھا۔جو صاحب سب سے پہلے صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے وہ ابوالہاشم الکوفی تھے۔یعنی ترجمہ کے دور سے تقریباً ایک سوسال پہلے اس سے البیرونی کی رائے میں کوئی وزن نہیں۔البیرونی اپنے اس رویہ پراس لیے مصر ہیں کہ اگراس کے علاوہ صوفی کا کوئی اور مادہ اشتقاق ماناجائے تواس میں حکمت و معرفت کی نسبت مفقود ہو جائے گی اور یہ لفظ سطحی قسم کا ہو جائے گا۔ البیرونی نے صوفی کے لفظ کی تقدیس(sanctity) کوتو برقرار رکھالیکن انہیں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح وہ اسلامی تصوف کو یونانی علوم کا ریزہ چین(plagiarist) ثابت کررہے ہیں اوراس کی انفرادیت کوختم کررہے ہیں جوواقعہ(fact) کے بھی خلاف ہےاورتصوف کے مقام سے بھی بہت فروتر۔اس لیے البیرونی کے اس قول کوتمام مسلم محققین نے رد کردیا۔البتہ یورپ کے مستشرقین میں سے کئی لوگ انہیں اپنے ہمنوا(fellow-traveller) مل گئے لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے جس سے قارئین واقف ہیں۔

بعض کے نزدیک صوفی ''صفا'' سے ماخوذ (derive) ہے کیونکہ یہ لوگ ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی اور پاکیزگی کا ازحد اہتمام فرماتے تھے۔اسی لیے ان کوصوفی کہا جانے لگا۔لیکن قواعدِ صرف اس کی اجازت نہیں دیتے۔اگرصفا کی طرف نسبت کوملحوظ رکھنا ہوتا تو انہیں صوفی کے بجائے صفوی کہا جاتا۔اشتقاق لغوی(lexical derivation) کے قواعد کونظرانداز کرنا درست نہیں۔

بعض علماء نے صف کوصوفی کا ماخذ قرار دیا ہے کیونکہ جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر یہ لوگ ہمیشہ صف اول میں ظاہری اور باطنی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتے ہیں لیکن قواعد اشتقاق(etymology) اس قول کی بھی تغلیط کرتے ہیں صف کی نسبت سے انہیں صفی کہلانا چاہیے تھا نہ کہ صوفی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات دنیا کے علائق(worldly connections) سے اپنے آپ کوآزاد کر کے دن رات ذکرِالٰہی اوراطاعت رسالت ہی میں سرگرم رہتے تھےاورفقرودرویشی کی زندگی بسر کرنے والےلوگوں نے بھی دنیا کی لذتوں، آسائشوں اور دلچسپیوں کوطلاق دے دی ہےاورصرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے شب وروز سرگرداں رہتے ہیں۔اس لیے انہیں اصحاف صفہ سے خصوصی نسبت ہے۔اسی وجہ سے انہیں صوفی کہا گیا۔ بظاہرتو یہ وجہ معقول معلوم ہوتی ہے لیکن قواعدواشتقاق اس کی اجازت بھی نہیں دیتے۔اگرانہیں صفہ سے نسبت ہوئی توصفی کہا جاتا۔

Marfat.com

بعض محققین نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے اس سے صوفی کا لفظ بنا ہے۔ قواعد کے لحاظ سے تو یہ نسبت درست ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر صوفی صوف کا لباس پہنے، بڑے بڑے جلیل القدر صوفیا ایسے گزرے ہیں جو صوف کا لباس نہیں پہنتے تھے۔

امام قشیری مختلف آرا نقل (relate) کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

ترجمہ: ''یعنی صوفی کے لفظ کا ماخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعد صرف (accidence) کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے۔''

علامہ ابن خلدون نے بھی قشیری کی اس رائے کو پسند کیا۔

صوفی کے لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ تصوف کا مفہوم کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں علم التصوف کے باب میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ترجمہ: ''تصوف کا معنی ہے عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا، دنیا کی زیب و زینت کی طرف سے روگردانی کرنا، لذت، مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش (abstain) ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام مروج تھا۔''

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ نظریہ حلقہ صوفیا میں بھی مقبول ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جن حضرات نے تصوف کی تعریف کی ہے، ان میں سے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

ابوبکر الکتانی فرماتے ہیں:

''تصوف، خلق کا نام ہے جو خلق میں تجھ سے برتر ہوگا وہ صفائی میں بھی تجھ سے بڑھا ہوا ہوگا۔''

ابومحمد الجریری سے کسی نے تصوف کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

''ہر اعلیٰ اور عمدہ خلق میں داخل ہونا اور ہر رذیل (base; mean) عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے۔''

ابوالحسین النوری تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تصوف نہ رسم ہے نہ علم بلکہ یہ خلق کا نام ہے۔''

دوسرے مقام پر انہیں کا ارشاد ہے:

''تصوف، حریت، کرم، بے تکلفی اور سخاوت کا دوسرا نام ہے۔''

اگرچہ اخلاقی نقطۂ نظر سے تصوف کی یہ تعریف شرق و غرب میں مشہور بھی ہے اور مقبول بھی لیکن اسے تصوف کی صحیح تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے لوگ جو مکارم اخلاق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے انہیں صوفی نہیں کہا

Marfat.com

جاتا۔ یہ بات مسلم ہے کہ تصوف کی بنیاد اخلاق کریمہ پر ہے اور صوفی کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ مکارم اخلاق سے متصف ہو لیکن اسے تصوف کا حقیقی مفہوم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تصوف کی تعریف میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کا معنی زہد (asceticism) ہے یعنی دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور لذات سے کلیتہً کنارہ کشی۔ یہ بجا کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ زہد و تقشّف اور چیز ہے۔ بعض لوگوں نے عبادت گزار کو صوفی کہا ہے لیکن ان کا یہ قول بھی حقیقت سے بہت دور (wide of the mark) ہے۔ ایک شخص عبادت میں سرگرم ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسے صوفی نہیں کہا جاتا۔

ابن سینا نے اپنی کتاب ''الاشارات'' میں بڑی وضاحت سے زاہد، عابد اور صوفی میں جو فرق ہے اسے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''جو شخص دنیا اور اس کی لذتوں سے منہ موڑے (turn one's back on) اسے زاہد کہتے ہیں، جو شخص ہر لحہ عبادت میں مصروف رہے اسے عابد کہتے ہیں اور جو شخص ہمیشہ اپنے فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہر لحظہ اپنے باطن میں نورِ حق کی تابانی (lustre) کا آرزومند ہے، اسے عارف کہتے ہیں اور ابن سینا کے نزدیک ایک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔''

زاہد اور عابد، زہد و عبادت کو اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں دوزخ سے نجات (redemption) ملے اور نعیم جنت کی سرمدی مسرتیں انہیں نصیب ہوں۔ صوفی بھی دنیا کی زینتوں اور لذتوں سے دامن کش رہتا ہے اور ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتا ہے لیکن اس کے پیش نظر کوئی خوف یا طمع نہیں ہوتا وہ فقط اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کہ وہ اس کا محبوب و مطلوب ہے اور ہر قسم کی عبادت و نیاز مندی کا مستحق ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ ایک روز انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا:

''اے اللہ! اگر میں تیری عبادت آتش دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے اور اگر میں جنت کے لالچ کے لیے تیری جناب میں سربسجود رہتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کر دے اور اگر میں صرف تیری ذات کے لیے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب! مجھے اپنے شرف دیدار سے محروم نہ رکھو۔''

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاق حسنہ کا نام ہے، نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے اور نہ صرف شب و روز (round the clock) مصروف عبادت رہنے کا نام ہے۔ اگرچہ وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے لیکن وہ ان کے ماسوا اور چیز ہے۔

اس لیے ابھی ہمیں تصوف کی ایسی تعریف کی ضرورت ہے جس سے اس کی حقیقت تک رسائی

Marfat.com

(access) حاصل ہو جائے۔

ابو سعید الخراز سے ''صوفی'' کے بارے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جس کے دل کو اس کا رب پاک صاف کر دے اور اس کا دل نورِ الٰہی سے لبریز ہو جائے اور جو شخص ذکرِ الٰہی شروع کرتے ہی لذت و سرور میں کھو جائے۔''

حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کر دے۔''

ابو بکر الکتانی کی تعریف ایجاز اور جامعیت (conciseness) کا شاہکار (master-piece) ہے۔ فرماتے ہیں:

''تصوف صفاء یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔''

ان دو میں سے پہلی بات (صفاء) سبب ہے اور دوسری بات (مشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستہ کا بھی جو سالک کو اس منزل تک لے جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیائے العلوم میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے صفات مذمومہ کو مٹائے۔ تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل کا متولی (custodian) بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔''

یہ ہے تصوف کا وہ مفہوم جس کو اولیا اللہ اپنا مقصدِ حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدقِ دل سے طے کرنے کے لیے وقف (dedicated) رہتی ہے تاکہ آخر کار وہ مشاہدہ کی منزل میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ اس طرح وہ انسانیت کے اس مقام رفیع کو پا لیتے ہیں جہاں ''نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِی'' کا سرِ نہاں عیاں ہوتا ہے اور وہ خلیفۃ اللہ فی الارض کی مسندِ جلیل پر متمکن ہوتا ہے۔

حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر ہونے والے اعتراضات کا بڑا ابھرپور محاسبہ (take stock of) کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

گزشتہ زمانہ میں بھی اور آج بھی اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی بدنیتی (ill-will) سے یا غلط

Marfat.com

فہمی کے باعث بڑی بے رحمی سے طعن و تشنیع (taunts) کے تیروں کا مینہ برسایا ہے اور آج اس تحریک میں مزید شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ عدل و تحقیق کا دامن بھی بسا اوقات ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس حالیہ شدت کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ مادی لذتوں کی طرف رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو لوگ تصوف کے علمبردار (exponents) بنے ہوئے ہیں ان میں سے چند ایسے بھی ہیں جو باعث رسوائی اسلاف ہیں یا اسلام کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے آثار کو دیکھ کر ابلیسی قوتیں ہراساں ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس چشمہ حیات سے بدظن اور متنفر (alienate) کرنے کا قبل از وقت پروگرام بنا رہی ہیں تا کہ مسلمان اس بیداری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ وجہ کوئی بھی ہو ہمیں حقیقت پسندی (realism) سے کام لیتے ہوئے ان اعتراضات کا جائزہ لینا چاہئے۔ انہوں نے اگر کسی واقعی خامی کی نشاندہی کی ہے تو اس کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اگر انہوں نے غلط اعتراضات کیے ہوں تو ان کا مسکت (convincing) جواب دینا چاہئے۔

ایک بات میں ابتدا میں ہی صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے انکار (deny) نہیں کہ صوفیا کی صفوں میں ایسے لوگ بھی در آئے ہیں جو بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل اپنے زہد و عبادت کو حصول مال و جاہ (pelf and status) کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن مجھے تو بتائیے انسانی زندگی کا کون سا ایسا شعبہ ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں (black sheep) موجود نہیں۔ علماء، اطباء، قضاۃ، تجار، صنعت کار سب جگہ پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کے لیے ننگ و عار (disgrace) کا باعث ہیں۔ لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور راست باز لوگوں کی افادیت (utility) کم نہیں ہوئی تو جعلی صوفیوں کے ہتھکنڈوں (dirty tricks; monkey business) سے صوفیا کرام کی عظمت پر حرف نہیں آ سکتا۔ ہم جن صوفیا کے بارے میں کلام کریں گے وہ وہ لوگ ہیں جو صحیح معنی میں اس لقب کے اہل ہیں۔

Marfat.com

اعتراضات

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے اور اب بھی کیا جا رہا ہے کہ اسکا ماخذ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جسے اسلام میں زبردستی ٹھونس (foist) دیا گیا ہے۔ لیکن جب ان معترضین (detractors) سے اس اجنبی مصدر اور منبع کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں اور انسان تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے کہ تصوف کے کس معترض کی بات کو وقیع اور وزنی سمجھا جائے اور کسے لایعنی سمجھ کر نظرانداز کر دیا جائے۔ ان معترفین کا باہمی اختلاف اور کسی ایک منبع پر متحد نہ ہونا ہی ان کے اس قول کے بطلان (refutation) کے لیے کافی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمام اقوال کا ایک ایک کر کے ذکر کرتے ہیں اور اس کا علمی تجزیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں وہ خود ہی حق و باطل میں امتیاز کر لیں گے۔

معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین (orientalists) کے چند علما بھی شامل ہیں، یہ کہتا ہے کہ تصوف کا ماخذ ہندوؤں کے وید ہیں اور بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف میں چلہ کشی، ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار (borrow) لیے گئے ہیں۔ اس طبقہ کے سرخیل ہارٹن (Horton)، بلوشیٹ (Blochet) اور ماسی نیون (Massignon) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں اور بڑے محقق اور مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو اس بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیا کے ہادی و راہبر نبی کریم ﷺ نے غارِ حرا میں چلہ کشی (mystic seclusion) کی تھی اور ذکرِ الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بصراحت موجود ہیں اور یہ سب اس وقت ان کو میسر تھا جبکہ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کے بارے میں جزیرہ عرب کے باشندوں کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لیے صوفیا کرام کی ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو ہندو

Marfat.com

جوگیوں کی طرف منسوب کرنا لغویت (absurdity) کی انتہا ہے۔ مزید برآں دونوں ریاضتوں کے مقاصد میں بعد المشرقین (a radical difference) ہے۔

دوسرا طبقہ ان معترضین کا ہے جو مسلمانوں کے زہد و تبتل کو بدھ مت سے ماخوذ سمجھتے تھے۔ گولڈزیر (Goldziher) اور اولیری (O'Leary) کے پایہ کے مستشرق بھی یہ کہتے ہوئے تھکتے نہیں کہ صوفیا کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔ جس طرح اس نے تخت و تاج کو ترک کر کے فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی تھی اسی طرح مسلمان صوفیا نے بھی اپنے گھروں کے راحت و آرام کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں آ کر بسیرا کیا لیکن اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ان حضرات نے یہ غور کرنے کی زحمت بھی برداشت نہیں کی کہ گوتم بدھ اللہ کے وجود (existence) کا منکر ہے۔ وہ نفسِ انسانی کو ہی سب کچھ خیال کرتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی وحدانیت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور یہ ریاضتیں مقصود بالذات نہیں بلکہ بارگاہ الٰہی میں شرف باریابی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل فارسی تصوف کا آئینہ دار (reflection) ہے۔ عرب ہر لحاظ سے فارس سے فروتر تھے۔ انہوں نے ان سے ہی کچھ لیا ہے، فارسیوں کو دینے کے لیے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے کی بات کہہ رہے ہیں تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن ہم اس زمانہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ ہماری بحث اس تصوف سے ہے جو آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد رونما ہوا۔ جب قرآن کریم کے فیضان سے عرب مسلمانوں کی جھولیاں علم و حکمت کے جواہرات سے بھر گئیں تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور بڑی دریا دلی (magnanimity) اور فیاضی سے انہوں نے ان جواہرِ اُمت کو لٹایا۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ اہل فارس نے عرب مسلمانوں کو دینی، تہذیبی اور علمی اعتبار سے متاثر کیا۔ بلکہ یہ وہ عرب تھے جنہوں نے اپنے ظاہری فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اہلِ ایران کے عقائد، نظریات و افکار اور تہذیب و تمدن کو یکسر بدل (transform) کر رکھ دیا۔ جب اسلام کی برکت سے اہلِ فارس آتش پرستی کو چھوڑ کر خداوند احد و یکتا کے پرستار بن گئے۔ باقی اور کیا چیز تھی جس کے لیے مسلمان صوفی ان کے شکست خوردہ (defeatist) افکار سے دریوزہ گری (beg) کرتے؟ پروفیسر براؤن کا یہ کہنا سراسر خلافِ حقیقت ہے کہ ایرانی افکار نے عربوں کو متاثر کیا اور اسی سے ان کا تصوف ماخوذ ہوا۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال اگر کہیں کچھ مشابہت پائی بھی جاتی ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی تصوف اہل فارس کے نظریات سے ماخوذ اور مستعار ہے۔ اسلام کا تصوف صرف اسلام سے ماخوذ ہے اور وہ ہر اعتبار سے بالکل الگ اور جداگانہ چیز ہے۔

Marfat.com

معترضین کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوف کا بہت بڑا اور گہرا اثر ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کے لیے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہد قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدن اور جاہل قوم تھے جبکہ عیسائی دنیا علم و حکمت کے نور سے جگمگا رہی تھی۔ اس لیے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں (monks) سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہے لیکن ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جبکہ عرب کے ظلمت کدہ کو وحی الٰہی کے نور تاباں نے رشک صد طور بنا دیا تھا اور ان ابجد ناشناسوں کو نہاں خانہ تقدیر کے اسرار و رموز سے آشنا (acquaint; familiarise) کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی سے روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہا آیات ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی (transience) کا نقش لوح قلب پر ثبت کرتی ہیں۔ سورۂ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ ہو:

ترجمہ: ''تم خوب جان لو یہ دنیوی زندگی محض لہو و لعب، زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال و اولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے۔ جیسے بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی بہت بہتر چیز ہے اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان۔'' (الحدید 20)

اور حضور ﷺ کی ایک حدیث بھی سماعت فرمائیے:

ترجمہ: ''اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔'' (بخاری و مسلم)

خود سوچئے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زہد و پرہیز گاری کے اتنے موثر مواعظ (exhortations) موجود ہوں انہیں ان راہ گم کردہ پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے جو خود بے یقینی (uncertainty) کی موجوں کے تھپیڑے (buffets) کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادت الٰہی کی تلقین و ترغیب میں قرآن کریم کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور واعظ کی ایک مومن کو کیوں ضرورت محسوس ہو گی۔

ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''اپنے رب کو یاد کیا کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ زور کی آواز نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور غافلوں میں سے مت ہو جانا۔'' (الاعراف)

دوسری جگہ ارشاد پاک ہے:

Marfat.com

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہا کرو۔''

قرآن کریم کی دوسری سورت کی یہ دل افروز اور روح افزا آیت بھی پڑھ لیجیے:

ترجمہ: ''تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔'' (البقرہ 152)

جب ذکر الٰہی کے لیے ایسی آیات موجود ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر (It beats my understanding) ہے۔

مستشرقین جن کے غول کے غول اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے جنون (frenzy) میں جگہ جگہ ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں چند ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہوں نے پہلے تو اپنے پیشروؤں (predecessors) کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی افکار کا نتیجہ کہا لیکن مزید تحقیق کے بعد جب حقیقت ان کے سامنے واشگاف (reveal) ہوگئی تو انہوں نے بڑی جرأت سے اپنے سابق افکار و نظریات سے رجوع کیا۔ یہی نکلسن جو پہلے تصوف کو عیسائیت کا عطیہ کہتے رہے، بعد میں انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس (The Encyclopaedia of Religion and Ethics) میں تصوف کے عنوان پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشوونما (development) کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا قطعاً قابلِ تسلیم نہیں بلکہ روزِ اول سے ہی مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا اور ان کے تمام افکار و نظریات کا منبع قرآن و سنت کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔

اکابر صوفیا نے اپنی مستند (authentic) کتب میں اس بات کو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ صوفی کے لیے کتاب و سنت کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کے لیے شرط اول ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول ہر قسم کے شک و شبہ کے بطلان کے لیے کافی ہے۔ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''یہ راہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ ﷺ اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت (heresy) کے اندھیروں میں پھنسے۔'' (تذکرۃ الاولیاء، شیخ عطار ص 8)

شیخ ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''راستہ کھلا ہے اور کتاب و سنت ہمارے سامنے موجود ہے۔''

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی ایک خط میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''اے بھائی! اگر تم فقرا کے مراتب کا پتہ آج لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے، اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔''

Marfat.com

صوفیائے کرام نے خود بھی کتاب وسنت پر عمل کیا اور اپنے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والوں کو بھی کتاب وسنت کی پیروی کی تاکید فرمائی۔ مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ آپ قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، فوائد الفواد وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو ان کے ہر ہر صفحہ پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تلقین ملے گی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی۔

☆......☆......☆

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ (illiterate) لوگوں کا مسلک ہے۔ جو لوگ زیورِ علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق وتدقیق کے میدان میں ید طولیٰ رکھتے ہیں وہ تصوف کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جو الزام لگانے والے کی کم نظری (myopia) اور لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔ اکابر صوفیا اپنے اپنے زمانہ میں علم وفضل میں بھی اپنی نظیر (match) نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے ہم عصر علما وفضلا پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے۔ بلکہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت غوث الاعظم، حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، غوث العالمین شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانی، حضرت بہاء الدین نقشبندی، حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہم نہ صرف اقلیم درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم وفضل کے بھی تاجدار تھے۔ کون ہے جو ان حضرات اور ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت (aspersions) لگا سکے۔ ان کی تصانیف آج بھی اہل علم وتحقیق سے خراجِ تحسین (homage) وصول کر رہی ہیں۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جاہل مسخر شیطان ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت (reality) اور سراب (illusion) میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''پیر ایسا ہونا چاہئے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو وہ کسی ناجائز کے لیے نہ کہے گا۔'' (فوائد الفواد)

حضرت محبوب الٰہی کا یہ احوال بھی تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے جو عالم نہ ہو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے:

ترجمہ: ''تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے عالموں سے جو غافل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں۔'' (کشف المحجوب)

Marfat.com

علامہ ابن جوزی جو صوفیا پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں، وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔
ترجمہ: ''صوفیا متقدمین علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے۔''

☆......☆......☆

صوفیا نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی تھیں، ان سے وہ لطف اندوز ہونے سے دست کش ہو گئے تھے۔ حالانکہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْإِسْلَام. ''اسلام میں رہبانیت (monasticism) کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔''

بے شک صوفیائے کرام ابتدا میں ہر قسم کے علائق سے دست کش ہو کر خلوت گزیں (seclude) ہو جاتے ہیں اور اچھے کھانے، اچھے پہننے، رات کو آرام کرنے وغیرہ جیسی راحتوں کو ترک کر دیتے ہیں لیکن ان کا مقصدِ حیات نہیں ہوتا بلکہ وقتی طور پر وہ تزکیۂ قلب اور تربیت نفس کے لیے ان مجاہدات کو اختیار کرتے ہیں اور جب وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نورِ عشق سے ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں، مذموم (contemptible) عادات سے ان کی طبیعت پوری طرح متنفر ہو جاتی ہے اور محاسن اخلاق ان کی فطرتِ ثانیہ (second nature) بن جاتے ہیں تو پھر ستیزہ گاہِ (battle-field) حیات میں اسلام کا پرچم تھامے ہوئے وہ قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ نفوس کے راستہ میں آرام و مصائب کی کوئی چٹان حائل نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کی کوئی فسوں کاری ان کو متاثر نہیں کر سکتی بلکہ وہ عزم و ثبات کا پیکر بن کر تسلیم و رضا کے پرخار راستہ پر خراماں خراماں گزرتے چلے جاتے ہیں اور وہ شخص جو اپنی زندگی اسلام کی سربلندی کے لیے وقف کرنا چاہتا ہو اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس پیغامِ حق کو پہنچانے کے لیے میدان میں نکلنا چاہتا ہو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ تزکیۂ قلب اور تربیت نفس کے کٹھن مرحلہ کو کامیابی سے طے کرے۔ اگر اس میں ذرا بھی خامی باقی ہو گی تو اس کی ادنیٰ سی لغزش اسلام کے وقار (fair name) کو سخت نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔

آج جب کہ ہم تبلیغ اسلام کے لیے تحصیل علم کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور ریاضت مجاہدہ کو غیر ضروری بلکہ خلافِ اسلام چیز قرار دیتے ہیں تو ہماری تبلیغ (preaching) کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ نہ کلام میں اثر ہے نہ وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور ہماری اخلاقی کمزوریاں قدم قدم پر عیاں ہوتی ہیں اور اسلام کی تضحیک (ridicule) کا باعث بنتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کفار کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہے۔ آپ سپاہی بھرتی کرتے ہیں کیا آپ انہیں بھرتی کرنے کے فوراً بعد میدان جنگ کی طرف روانہ کریں گے یا پہلے میدان جنگ سے بہت دور ایک چھاؤنی (cantonment) میں بھیجیں گے جہاں وہ فوجی نظم و ضبط کے علاوہ اسلحہ کے استعمال کے ڈھنگ سیکھیں گے اور جب وہ تربیت کے اس مرحلہ کو مکمل کر لیں گے تب وہ اس قابل ہوں گے کہ انہیں

Marfat.com

میدانِ جنگ میں کسی محاذ (front) پر متعین کیا جائے۔ اگر آپ عجلت سے سپاہیوں کو فوراً جنگ میں جھونک دیں گے تو وہ دشمن کے بجائے اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ خود ہی اپنی گولی کا نشانہ بن جائیں۔

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیت مقصدِ حیات ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیائے کرام کی سوانحِ حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں بلکہ دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے شادیاں کیں، ان کے اہل و عیال تھے، ان کے ذاتی مکانات اور مزروعہ (arable) اراضی تھیں ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیت کا الزام کیوں درست ہو سکتا ہے اور یہ قرآن کریم کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ان الفاظ میں ثنا گستری (praise) فرماتا ہے:

"رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ."

ترجمہ: "یعنی یہ وہ مردان پاک باز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں نہ تو تجارت غافل کر سکتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔"

حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد بھی سماعت فرمائیے:

ترجمہ: "ترکِ دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ہمارے نزدیک ترکِ دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو اسے استعمال بھی کرے لیکن دولت کو جمع کرنے کی طرف راغب نہ ہو اور دل میں اس کو جگہ نہ دے۔" (فوائد الفواد)

یہ اعتراض بڑے زور و شور سے تصوف اور صوفیا پر کیا جاتا ہے اور اس زمانہ میں تو اس اعتراض نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے اور جو شخص چند سطریں لکھنے کی صلاحیت کا مالک بن جاتا ہے، وہ اہلِ حق پر یہ اعتراض کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ آیئے پہلے معترضین کی بات سنیں اور اس کے بعد حقیقت کی کسوٹی (touchstone) پر اسے پرکھیں (test)۔

معترضین حضرات کہتے ہیں کہ تصوف ایک افیون (opium) ہے اور صوفیا نے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل بلکہ مفلوج (cripple) کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملت کو چاہئے کہ تصوف کی بنائی ہوئی ان روپہلی (silvery) اور سنہری زنجیروں سے اپنے آپ کو رہا کرائیں (extricate) اور تصوف کی پیدا کردہ خواب آلودہ فضا سے نکل کر حقائق کی تلخیوں سے دوچار ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ بات یہی ہے لیکن معترضین نے اسے نئے نئے جاذبِ قلب و نظر اسالیب میں بیان کر کے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔

ہم بڑی ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت اس

Marfat.com

کے برعکس ہے۔ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ (dead veins) میں ہمیشہ نئی روح پھونکی (infuse) ہے۔ ان کی فیض نگاہ سے حوصلوں میں بلندی، عزائم میں پختگی، ولولوں میں جولانی (fleetness) اور قوت عمل میں برق آسا سرعت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ آپ ذرا تعصب (bias) کی پٹی اتار دیجئے اور تبلیغ اسلام کی تحریک کے جواں مرد، علمبرداروں کے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے ان میدانوں تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جہاں حق نے باطل پر ابدی فتح حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند پر ذرا سرسری نظر ڈالئے، سنجر کا ایک درویش تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنے اقارب و احباب کو الوداع کہتا ہے، اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بت کدۂ ہند کا رخ کرتا ہے۔ یہاں بھی کئی ایسے گوشے تھے جہاں اسلام نے اپنے قدم جما لیے تھے لیکن اس کے حوصلہ کی بلندی اور اس کے عزم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے راجپوتانہ کے اس علاقہ میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی رات چھائی ہوئی ہے۔ ایک آمر مطلق (autocrat) راجہ وہاں کا حکمران ہے۔ اس ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ (remote) گوشتہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا بلکہ اس کی راج دھانی (capital) میں جا کر اپنا مصلی بچھا دیتا ہے۔ ساری آبادی بت پرست ہے اور اپنے ان مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے۔ وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا تک گوارا نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ مندر موجود ہیں۔ بڑے بڑے برہمن ان لوگوں کے عقائد و نظریات کی حفاظت کے لیے ہر قسم کے علوم و فنون سے مسلح ہیں۔ مسند حکومت پر پرتھوی راج جیسا جابر، ظالم اور متعصب ہندو راجہ براجمان ہے۔ اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے خطرات کے لیے سینہ سپر ہوتا ہے اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلابات بھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ وہ شخص کون ہے؟ وہ ایک صوفی ہے تصوف کے رنگ میں اس کا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اس کی سوچ اور اس کا نطق (speech) سب رنگے ہوئے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات، قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں۔ وہ رزمگاہ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر آپ میں یہ جرأت ہے تو آپ کہئے اور کہتے رہئے لیکن آپ کے یوں غل مچانے سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ اسی کی خانقاہ کے فیض یافتہ صوفی ہندوستان کے شرق و غرب میں پھیل جاتے ہیں اور کفر و شرک کا اندھیرا جو صدیوں سے یہاں خیمہ زن تھا اس کو اپنے نعرہ قلندرانہ سے نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کاش! اس قسم کے نفوس قدسیہ ملت کو ہمیشہ نصیب ہوتے۔

شاید معترضین کے علم میں نہ ہو کہ جب چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہ و بالا (ransack) کر کے رکھ دیا تھا، ہزاروں آباد شہر ویران (desolate) کر دیئے گئے، لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا گیا تھا، عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی، عقل و دانش کے پرستار (devotees) اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ معلوم ہے آپ کو کہ کس نے ان سرکش (wayward) طوفانوں کا رخ موڑا تھا، کس نے

Marfat.com

اسلام کے دشمنوں کو اسلام کی شمع کا پروانہ بنا دیا تھا۔ وہ یہی صوفیا کے گروہ کا ایک فرد تھا جس کی ایک نظر نے ساری فضا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک خراسانی بزرگ جو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت رکھتے تھے اشارہ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوت اسلام دینے کے لیے تشریف لائے۔ وہ شکار سے واپس آ رہا تھا۔ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر اس نے ازراہِ تمسخر (by maw of joke) پوچھا: ''اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم!'' اس بیہودہ (absurd) سوال پر آپ قطعاً برہم نہ ہوئے۔ بڑے تحمل سے فرمایا: ''اگر میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرلوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لیے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔'' تگودار خان اس غیر متوقع جواب سے بہت متاثر ہوا اور آپ کو مہمان کی حیثیت سے اپنے پاس ٹھہرایا اور آپ کی کوشش سے اس نے در پردہ اسلام قبول کر لیا لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا۔ پر انہیں یہ کہہ کر رخصت کیا کہ سر دست آپ تشریف لے جائیں میں اپنی قوم کو ذہنی طور پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کروں گا۔ چنانچہ آپ وطن واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ تگودار خان کے پاس جائے اور اسے اپنا وعدہ یاد دلائے۔ کچھ عرصہ بعد وہ تگودار کے پاس پہنچے اس کو اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اس نے کہا کہ دوسرے تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں لیکن فلاں سردار بھی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر وہ راہِ راست پر آ جائے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے آپ نے اسے بلا بھیجا اور تبلیغ کی۔ اس نے کہا: میری ساری عمر میدان جنگ میں گزری ہے، میں علمی دلائل کو نہیں سمجھ سکتا۔ میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ یہ درویش میرے پہلوان سے مقابلہ کرے اگر اسے پچھاڑ (knock out) دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ تگودار خان نے آپ کا نحیف ولاغر جسم دیکھ کر اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا لیکن آپ نے اس کا چیلنج قبول کر لیا۔ مقابلہ کے لیے تاریخ اور جگہ کا تعین ہو گیا۔ مقررہ دن بے شمار مخلوقات یہ عجیب وغریب دنگل دیکھنے کے لیے جمع ہو گئی۔ ایک طرف نحیف و کمزور پیر فرتوت (a decrepit old man) اور دوسری طرف ایک پیل تن گرانڈیل نوجوان (a young hulk)۔ تگودار خان نے بڑی کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو لیکن وہ درویش مقابلہ کرنے کے لیے مصر تھا۔ جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں نکلے تو آپ نے اس زور سے اپنے حریف کو ایک طمانچہ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ وہ سردار حسبِ وعدہ میدان میں نکل آیا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔

ہلاکو خان کا ایک چچازاد بھائی تھا۔ جس کا نام برکہ تھا۔ اسے بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری نے مشرف بہ اسلام کیا۔ اس طرح ان پاک نہاد صوفیا کی جرأت ایمانی اور دل آویز اسلوب تبلیغ کے طفیل پاسبان مل

Marfat.com

گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔ فتح قسطنطنیہ، اسلامی فتوحات کی تاریخ کا ایک لافانی واقعہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بائیس سالہ سلطان محمد کو کس نے اس کٹھن مہم کو سر کرنے (accomplish) کے لیے برانگیختہ کیا، وہ ایک صوفی تھے (حضرت عاق شمس الدین) جو سلطان محمد کے مرشد طریقت تھے۔ انہیں کی ترغیب اور بشارت سے سلطان نے یہ بے نظیر کارنامہ انجام دیا۔

جن صوفیا کی مساعی جمیلہ کے صدقے دنیا میں اسلام پھیلا، قلعے اور شہر فتح ہوئے، قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے۔ ان کے بارے میں اسی ملت کے افراد اگر یہ کہیں کہ تصوف ایک افیون ہے۔ یہ غور و فکر کی قوتوں کو شل (cripple; benumb) کر دیتی ہے، قوائے عمل کو اپاہج بنا دیتی ہے تو اس زیادتی پر کس سے شکوہ کیا جائے۔ آیئے بیگانوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ صوفیا کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال (political fall) کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہب اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ ہالینڈ کے ایک فاضل لوکے کارو نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔'' (تاریخ مشائخ چشت ص 9)

پروفیسر مذکور نے ایک مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (Gibb) کی ایک تقریر کا بھی حوالہ دیا ہے جو انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے کی تھی۔

گب نے کہا:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن باایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اپنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔''

اسلام کے مخالف اور بدخواہ (ill-wishers) تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کر کے لرزہ براندام (tremble) ہیں جو تصوف کے چشمہ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ اس احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کے درپے ہیں۔

تحریکِ پاکستان میں صوفیائے کرام نے جو شاندار (illustrious) کردار انجام دیا ہے، یہ تو کل کی بات ہے۔ اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔

Marfat.com

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ و منصب کے حصول کے لیے دیوانہ وار (like mad) مصروف عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال (trample) ہو رہی ہیں۔ روحانیت کا رخ زیبا کیونکر مسخ ہو رہا ہے اور دل کی دنیا طمع و حرص اور حسد و بغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہو رہی ہے۔ اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کر دیتی تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے۔ لیکن ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال و انحطاط کے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں (well-wishers) پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی، روحانی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی ملت کو اس گڑھے (abyss) میں گرنے سے بچائیں۔ اس کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں جہاں للّٰہیت، خلوص، قناعت، استغناء، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب و نظر کو روشنی بخش رہے ہوں اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ صوفیائے کرام کے سوانحِ حیات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

آج تصوف پر ہر طرف سے یورش (assault) ہو رہی ہے۔ الزام تراشی میں ایسی جدت طرازیاں اور ندرت آفرینیاں برتی جا رہی ہیں کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ بیگانے تو عرصہ دراز سے تیر افگنی میں مشغول تھے۔ انہیں ایسا کرنے کا حق بھی تھا۔ تصوف نے ان کے ظلمت کدوں کے اندھیروں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ اندھیروں کی مخلوق تھے۔ اس چکا چوند (razzle-dazzle) نے ان کی دنیا تاریک کر دی۔ ان کی بزم عیش و نشاط الٹ دی گئی۔ ان کے ہوا و ہوس کے صنم کدے ویران ہو گئے۔ ان کی عمرانی، معاشی اور معاشرتی قدریں جو انہیں بے حد عزیز تھیں اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھیں۔ تصوف اور اس کے حاملین کے ہاتھوں جنہیں اتنے چرکے لگے ہوں، ان کی برہمی اور ناراضی بے جا نہیں۔ اپنی آتشِ انتقام کو بجھانے کے لیے اگر انہوں نے کذب و افترا کا سہارا لیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اور نہ ہمیں ان کا شکوہ کرنا زیب (become) دیتا ہے لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اب اپنے بھی تیشہ اور کدال لیے اس حصار محکم کو منہدم کرنے کے درپے ہیں جن کو کئی صدیاں اس قلعہ نے حوادثات دہر کی بے رحم یلغاروں سے بچایا۔ وہ لوگ بھی اس چشمۂ شیریں کو بند کرنے میں کوشاں ہیں، جس کے آبِ زلال (clear waters) نے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے گلستانوں کو شاداب کیا اور پر بہار رکھا۔ جس قوم کی تاریخ تصوف کے تخلیقی اور تعمیری کارناموں سے درخشاں ہے، وہی قوم اب اس سے نالاں ہے۔

یہ صورتِ حال قابل برداشت نہیں۔ وہ لوگ جو تصوف کی افادیت کے قائل ہیں جو اس کے دوررس

Marfat.com

اثرات کا علم رکھتے ہیں۔ان کا فرض ہے کہ وہ آگے آئیں، ذہنی انتشار کی پیدا کردہ ہولناک تاریکیوں میں اپنی تحقیق کے چراغ روشن کریں تا کہ سالک راہ حقیقت بھٹک نہ جائے اور دامان خضر اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔

سب سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سوال کا جواب تلاش کروں آخر تصوف ہے کیا؟ اس مقصد کے لیے میں فقط ان اولیا عارفین کے ارشادات پر اکتفا کروں گا جو کشور تصوف کے تاجدار ہیں جو بحر حقیقت کے ماہر غواص (divers) ہیں۔جن کا قول، قول فیصل (the last word) ہے، جن کی بات قطعی اور آخری ہے۔جب تصوف کی صحیح تعریف آپ کے ذہن نشین ہو جائے گی تو پھر منزل کی طرف آگے بڑھنا آسان ہو جائے گا۔

حضرت معروف کرخی تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حقائق کو گرفت میں لانا، دقائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا تصوف ہے۔'' (تذکرہ الاولیاء ص 174)

حضرت ذوالنون ؒ مصری سے پوچھا گیا کہ صوفی کون لوگ ہیں؟ فرمایا:

''وہ لوگ صوفی ہیں جنہوں نے تمام کائنات میں سے صرف اللہ تعالیٰ کو پسند کیا۔''

حضرت سہل بن عبداللہ ؒ تستری کا ارشاد ہے:

''صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پر ہو اور قرب خدا عزوجل میں بشر سے منقطع ہو، اس کی آنکھوں میں خاک اور سونا برابر ہو۔''

حضرت جنید ؒ بغدادی کا ارشاد گرامی ہے:

''صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمان الٰہی کو ماننے والا ہو۔اس میں تسلیم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح، اندوہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح، فقر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح، صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح، شوق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اور اخلاق سید الانبیا والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح ہو۔''

(تذکرۃ الاولیا)

ان تصریحات کے الفاظ میں تفاوت ضرور ہے لیکن مدعا اور مقصد سب کا ایک ہے۔

حضرت شیخ کامل شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''عوارف المعارف'' میں ''صوفی کون ہے؟'' کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالواحد سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک صوفی وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے بقدر پیہم سنت رسول اللہ ﷺ پر قائم ہیں اور اپنے دلوں کے

Marfat.com

ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں اور اپنے نفوس کی شرارتوں (mischiefs) سے بچنے کے لیے اپنے پیشوا اور سردار کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔''

جب صوفیائے کاملین کے نزدیک تصوف اور صوفی کی یہ تعریف ہے تو اب میں ان مدعیان (claimants) علم و دانش سے پوچھتا ہوں جو تصوف کو غیر اسلامی نظریات کا مجموعہ عجمی افکار و تصورات کا مظاہر کہتے ہوئے نہیں جھجکتے کہ کیا پوری یکسوئی (single-mindedly) سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، اس کے ہر حکم کی تعمیل، اس کی رضا کے حصول کے لیے سارے عالم سے روٹھنا اور اس کے حبیب مکرم، نور مجسم سے والہانہ عقیدت و محبت اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ نہیں اور وہ شخص جو ان احوال سے بہرہ ور ہو، جو ہر ناشائستہ حرکت سے گریزاں اور تمام محامد و محاسن کا پیکر رعنا ہو، کیا وہ اسلامی تعلیمات کا حسین و جمیل نمونہ نہیں؟ کیا ایسے پاک نہاد کی نکھری ہوئی شخصیت اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل نہیں؟ اگر آپ ان تعلیمات کو غیر اسلامی گردانتے ہیں اور ایسے نفوس قدسیہ کو عجمی تصورات و افکار کا نمائندہ کہنے پر بضد ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ اسلام کو اس کی عظمتوں اور رفعتوں سے محروم کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ آپ اپنی ملت کو ان نابغۂ روزگار اور فخر انسانیت ہستیوں سے محروم (deprive) کر دینا چاہتے ہیں جو اسلام کی آبرو اور انسانیت کے لیے وجہ شرف ہیں۔

ضیاالامت حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

معترضین میں سے کوئی اسلامی تصوف کو مسیحی رہبانیت کا عکس قرار دیتا ہے، کوئی افلاطونیت (Platonism) کے فلسفہ کو اس کا ماخذ قرار دیتا ہے، کوئی اس کا رشتہ بدھ مت اور ہندو مت سے جوڑتا ہے، کوئی معانویت اور ایرانی فلسفہ کو اس کا سرچشمہ ثابت کرنے کے درپے ہے۔ تصوف سے بیر رکھنے والے لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ ان میں خود بھی وحدتِ فکر مفقود (lacking) ہے۔ البتہ ایک بات سب میں متحد ہے کہ تصوف کی پاکیزہ تعلیمات کا تعلق اسلام سے نہیں۔ میرا جی تو چاہتا ہے کہ میں ان تمام غیر اسلامی مصادر و مراجع کا تجزیہ کروں جن کو مستشرقین اور ہمارے ہاں محققین کہلانے والے تصوف کا ماخذ ثابت کرتے ہیں اور بتاؤں کہ تصوف ان تمام سے الگ، ان تمام تصورات سے جدا ایک مستقل نظریہ ہے۔ جس کا سرچشمہ (source) صرف قرآن حکیم اور سنتِ رسول کریم ﷺ ہے لیکن وقت کی کمی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ امید ہے حاضرین کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ صوفیائے کاملین کے نزدیک تصوف اور صوفی کا کیا مفہوم ہے اور ان کی تصریحات کے سامنے کسی نوڈ یکی، دان کریمر اور نکلسن کے اقوال کی کوئی اہمیت نہیں۔

مسلمانوں میں بھی بعض مدعیان علم و تحقیق ایسے ہیں جو تصوف کو عجمی تصورات کا مجموعہ سمجھتے ہیں اور تصوف پر تنقید کرتے ہوئے بڑے شد و مد سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ سیاسی پستی اور معاشی بدحالی کی

Marfat.com

وجہ صوفیانہ نظریات ہیں۔ تصوف اپنے ماننے والوں کو رہبانیت کی زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ کش مکش حیات سے الگ تھلگ رکھتا ہے۔ تصوف کے زیرِ اثر عملی قوتیں مفلوج ہو جاتی ہیں اور انسان کارگاہِ حیات میں اپنا فرض ادا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اپنے اس قول کی تائید کے لیے وہ صوفیائے کرام کی چلہ کشی، ریاضات و عبادات اور خانقاہوں میں عزلت گزینی کو پیش کرتے ہیں لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حقیقت اس کے برعکس ہے۔ بے شک شیخ کامل مرید سے چلہ کشی کراتا ہے۔ جہاں وہ علائق دنیا سے الگ رہتا ہے' ذکر و فکر میں چند روز گزارتا ہے لیکن جب مبتدی (tyro) ریاضات و عبادات اور چلہ کشیوں سے اپنے کردار اور سیرت کو اسلام کے حسین سانچے میں ڈھال (adapt) لیتا ہے اور احکام الٰہیہ کی تعمیل اس کے لیے فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور اس کے اخلاق میں پختگی آ جاتی ہے۔ اس وقت وہ شمشیر برہنہ بن کر میدان عمل میں قدم رکھتا ہے اور وہ کارنامے انجام دیتا ہے۔ جن کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے فوج میں رنگروٹ (recruit) کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ اسے کچھ عرصہ کے لیے چھاؤنی میں رکھ کر اس کی عسکری تربیت کی جاتی ہے تا کہ وہ اپنے بچاؤ کے ساتھ دشمن پر موثر دھاوا بول سکے۔ اسے اسلحہ کو استعمال کرنے کی پوری پوری مشق کرائی جاتی ہے۔

اگر کوئی ملک، دشمن سے برسر پیکار (at war) ہو اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اس وقت بھی جن لوگوں کو فوج کے لیے بھرتی کیا جاتا ہے انہیں فوراً محاذ جنگ پر نہیں بھیج دیا جاتا بلکہ انہیں تربیت کے لیے لامحالہ چھاؤنی میں رکھا جاتا ہے۔ جب وہ ہتھیار چلانے کی مشق کر لیتے ہیں، لڑائی کرنے کے طریقے سیکھ لیتے ہیں۔ تب انہیں دشمن کا سر کچلنے کے لیے روانہ کیا جاتا ہے۔ اگر انہیں ٹریننگ کے بغیر میدان جنگ میں بھیج دیا جائے تو وہ دشمن کا نقصان کرنے کے بجائے اپنے لشکر کے لیے وبال جان بن جائیں گے۔

پہلے اکثر علما تکمیل علوم کے بعد تلاش مرشد میں شہر بہ شہر سرگرداں رہا کرتے اور جب کوئی مردِ کامل نظر آتا تو اس کے دست حق پرست پر بیعت کرتے اور اس کی خانقاہ (monastry) میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کرتے اور جب ان میں دینی پختگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو پھر مرشد کامل انہیں لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے کسی علاقے میں متعین فرماتا۔ اس طرح اس کا روحانی فیض ہزاروں، لاکھوں کی بگڑی بنا دیتا۔ اس لیے چلہ کشی اور ریاضت، رہبانیت نہیں، جس طرح ہمارے بعض احباب کو غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ رزمگاہ حق و باطل میں اپنا صحیح کردار انجام دینے کے لیے یہ تربیت کے لمحے ہیں جو اس کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ازبس مفید ہیں۔

آپ اولیائے کاملین کی سیرت کا مطالعہ کیجیے، ان کی کتابِ زیست کا ہر ورق جہاد اور مجاہدے کے روح پرور کارناموں سے تابندہ ہے۔ ہم ہندوستان کی تاریخ پر ہی نظر ڈالتے ہیں۔ بے شک حضرت خواجہ غریب

Marfat.com

نواز معین الحق والدین نے تحصیل علم کے بعد کافی سال اپنے مرشد کامل حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خانقاہ میں گزارے۔ یہ مدت بے شک خلوت اور عزلت کی تھی۔ اس عرصہ میں ان کی تمام تر توجہ اصلاحِ باطن اور تزکیۂ قلب پر مرکوز رہی لیکن جب سلوک کی یہ منزلیں طے کر کے مسند ارشاد پر فائز ہوئے تو آپ کے عزم محکم ہمت بلند نے کفر و باطل کے جو قلعے سر کیے، شرک کے جن صنم کدوں کو پیوند خاک کیا، دنیا کا کوئی بڑا فاتح اور جرنیل بھی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ اس دور میں جب ہر طرف آمریت (dictatorship) اور ملوکیت (monarchy) کا دور دورہ تھا۔ یکتا و تنہا، لق و دق صحراؤں کو عبور کرتے ہوئے راجپوتانہ کی مرکزی ریاست اجمیر میں آ کر ڈیرہ لگانا کسی راہب کا کام نہ تھا بلکہ اس مرد خدا کا کام تھا جو خطرات کی آندھیوں میں اپنا چراغ روشن رکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، جو مہلک گردابوں (whirlpool) اور تند طوفانوں سے اپنا سینہ سلامتی سے نکال کر لے جا سکتا تھا۔ جو مشکلات کا ہر چیلنج قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار تھا، جس کے نزدیک راہِ حق میں جان دینا حیاتِ جاوید تھی، وہ صرف اپنے اللہ سے ڈرتا تھا اور صرف اس کے حکم کے سامنے اس کی گردن جھک سکتی تھی۔

جس جرأت، بہادری اور ہمت سے حضرت خواجہ غریب نواز نے تبلیغ اسلام کا کام کیا اور لاکھوں برگشتۂ قسمت لوگوں کی تقدیر کو سنوار دیا، کیا یہ راہبانیت ہے؟ کیا یہ کشمکش حیات سے گریز اور فرار ہے (escapism)؟ یہ سلسلہ آپ کے خانوادہ میں درجہ بدرجہ چلتا آیا۔ حضرت فرید الحق والدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کی خانقاہ میں مراتب سلوک طے کیے۔ جب ریاضات وعبادات سے آپ کی تربیت مکمل ہو گئی تو اپنے شیخ طریقت کی اجازت سے آپ نے اس مبارک بستی میں اقامت اختیار کی اور زندگی کے بقیہ چند سالوں میں جو نورانی اور ایمان پرور انقلاب برپا کیا، جہالت و بربریت کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو علم و معرفت کی جو روشنی عطا فرمائی، اس کی عظمت اور اہمیت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ جن جنگلی قبائلی لوگوں کو آپ نے نورِ اسلام سے مشرف فرمایا، صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کی اولادیں اس سبق کو یاد کیے ہوئے ہیں اور اگر حضرت باوا صاحب اور دیگر صوفیائے کرام کی مساعی جمیلہ سے یہ خطہ نورِ اسلام سے منور نہ ہوتا تو پاکستان کا تصور (vision) تک بھی کسی ذہن میں نمودار نہ ہوتا۔

اب بھی اس درگاہ عالی کے فیوضات کا یہ عالم ہے کہ لوگ روتے روتے آتے ہیں اور ہنستے ہوئے واپس جاتے ہیں۔ شکستہ دل (broken-hearted) آتے ہیں تو ان کی دلداریاں کی جاتی ہیں، فسق و فجور سے آلودہ آتے ہیں اور سچی توبہ کر کے پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا عزم لے کر جاتے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ سپہر (the firmament) فقر وولایت کے اس نیر اعظم کی تابانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی لوگ یہ کہنے کی جرأت کیونکر کرتے ہیں کہ تصوف افیون ہے۔ یہ قوائے عمل کو ناکارہ کر دیتی ہے، زندگی کے متلاطم سمندر میں کودنے کی

Marfat.com

جرأت سلب (take away) کر لیتی ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ عزم جو شکست قبول ہی نہیں کر سکتا وہ دل میں پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب کسی مردِ کامل کی نگاہ کرم پڑتی ہے۔

ہندوستان میں نو صدیوں پر پھیلی ہوئی اپنی تاریخ کا آپ مطالعہ کریں۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ جن سلاطین کی شجاعت اور بیدار مغزی (wisdom) کے ہم گن گاتے ہیں، جن سپہ سالاروں کی کشور کشائیوں کا ذکر کر کے ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے، جن علما اور فضلا کے علمی کارناموں سے ایک دنیا فیض یاب ہوئی، وہ قادر الکلام اور نغز گو شعرا جنھوں نے اپنے کلام معجز نما سے نیکی اور بھلائی کو فروغ دیا اور برائی اور بدی کی بیخ کنی (uproot) کی، ان میں سے اکثر کسی نہ کسی مردِ کامل سے وابستہ تھے۔ محمود غزنوی سے لے کر شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، اورنگ زیب عالمگیر رحمہم اللہ علیہم تک سب اولیائے کرام کے فیض یافتہ تھے۔ صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں، جہاں جہاں بھی اسلام کے جرنیلوں نے اپنی فتوحات کے پرچم گاڑے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کرنے والی کوئی روحانی طاقت تھی۔ قسطنطنیہ کی فتح دنیائے حرب کا محیر العقول کارنامہ ہے، جس کی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ جس ترکی سلطان کو اس شہر کی سعادت نصیب ہوئی اس کا نام نامی سلطان محمد ہے جو فاتح کے لقب سے چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس خطرناک مہم کا محرک کون تھا؟ اور کس نے سلطان محمد فاتح کو یہ سعادت حاصل کرنے کا شوق دلایا؟ وہ اس کے شیخ طریقت تھے۔ سلطان کی عمر اس وقت صرف بائیس سال تھی۔ ان کے مرشد کامل نے کہا کہ تم قسطنطنیہ پر حملہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ اپنے شیخ طریقت کی ترغیب اور تشویش پر سلطان محمد فاتح نے جنگوں کی تاریخ کا یہ محیر العقول (mind-boggling) کارنامہ انجام دے کر دانشوارانِ عالم اور ماہرین فن حرب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اگر صوفیا راہبانہ زندگی گزارنے کے خوگر ہوتے اور تصوف افیون ہوتا تو آپ کی تاریخ ان زریں کارناموں سے جگمگا نہ رہی ہوتی۔

اکبر کے زمانہ میں جب ساری الحادی قوتیں اسلام کو مٹانے کے لیے میدان میں نکل آئی تھیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس طوفان بلا خیز کا رخ کس نے موڑا تھا۔ وہ ایک مرد درویش تھا جو خواجہ باقی باللہ کی خانقاہ کا تربیت یافتہ تھا، جو فقر و درویشی کی آغوش میں پل کر جوان ہوا تھا۔ جسے دنیا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

یہ تاریخی شواہد ان لوگوں کے باطل نظریہ کی تردید کے لیے کافی ہیں جو تصوف پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ تصوف وہ نظام ہے جو انسان کی صرف جسمانی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی روحانی بالیدگی پر اپنی ساری مساعی (efforts) کو وقف کر دیتا ہے۔ اس کے مکتب کے طالب علم

Marfat.com

جب نماز ادا کرتے ہیں تو صرف ان کی زبان ہی تسبیح و تہلیل نہیں کرتی ان کے ظاہری اعضا ہی قیام اور رکوع و سجود میں مصروف نظر نہیں آتے بلکہ ان کا دل، ان کی روح، ان کے جسم کا رُواں رُواں ذکرِ الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔ان میں تواضع، انکسار، بردباری، تحمل، ایثار، عفوودرگزر، محبت و مؤدت کے وہ مکارم اخلاق رونما ہوتے ہیں کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کی زیارت کر کے ان کا دین قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب کسی نے حضور نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے از حد مختصر اور جامع جواب دیا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن.

''یعنی حضور کا خلق قرآن کریم تھا۔''

اخلاق محمدی کا یہی پرتو صوفی کے دل کو منور (illuminate) کرتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَة کے رنگ میں سے رنگین بنا دیتا ہے...... کسی انسان کو صحیح انسان بنانا سب کاموں سے زیادہ اہم اور زیادہ مشکل کام ہے اور جو ہستیاں ایک نہیں، لاکھوں کو درندگی (beastliness) اور وحشت کی آلودگیوں سے پاک کر کے رافت و رحمت کا پیکر (embodiment) بنا دیتی ہیں، ان سے بڑھ کر انسانیت کا محسن (benefactor) اور کون ہو سکتا ہے۔

تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھ کر ایک منصف مزاج محقق اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام میں تصوف کا وہی مقام ہے جو روح کا جسم میں، خوشبو کا پھول کی پتی میں اور روشنی کا مہتاب میں ہے۔جب سے تصوف کی طرف ہماری رغبت (interest) کم ہوئی ہے، عبادات کے گلشن میں جو پھول کھلتے ہیں وہ اس مہک سے عاری ہیں۔اعمال کے جو درخت ہیں وہ پھل سے محروم ہیں۔جسم تو بارگاہ الٰہی میں جھکتا ہے لیکن روح کو خبر تک نہیں ہوتی۔زبان تسبیح و تہلیل میں مصروف ہوتی ہے لیکن دل کسی اور صحرا (wilderness) میں بھٹک رہا ہوتا ہے، نہ عبادت میں لطف رہا نہ عوامل کی نورانیت کے جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔

(بحوالہ: ''مقالات'' پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)

Marfat.com

امیری نہیں فقیری

صوفیائے کرام کا طریقہ کار کتاب و سنت کے احکام اور انبیا و صالحین کے اخلاق پر مبنی ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک طریق تصوف وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''تو تم اللہ کی طرف بھاگو۔'' (الذاریات 50)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا۔'' (العنکبوت 26)

مرید وہ ہے جو طریقہ تصوف کو اختیار (adopt) کرے یا رب کو پانے کے لیے سفر کرے وہ قدم بقدم، مرحلہ بمرحلہ، مقام بمقام اپنے رب تک پہنچ جائے گا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس منزل کی ابتدا مکاشفات (epiphanies) اور مشاہدات سے ہوتی ہے اور پھر منازل طے کرتے کرتے اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ حالتِ بیداری (wakefulness) میں فرشتوں اور ارواح انبیا علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کی آوازیں سنتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر صور اور امثال کے مشاہدہ سے ترقی کرتے کرتے ایسے درجات کو پا لیتے ہیں جن کے بیان سے زبان قاصر ہے لیکن یہ منزل جلد اور بآسانی حاصل ہونے والی نہیں کہ ہر کوئی ان مقامات کو پالے بلکہ یہ منزل مشکلات و مصائب (parlous) سے بھرپور دشوار گزار ہے۔ مصائب کے ساتھ ساتھ اس راہ میں سالک کو شدید قسم کے دشمنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے سالک کو ارادت وعبادت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ رغبت آرزوئے عمل اور جہاد اکبر میں مصروف رہے۔ جس طرح کہ فرمان رسول ﷺ ہے:

ترجمہ: ''ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کیا۔'' (متفق علیہ)

شیطان، نفس، خواہشِ نفسانی یہ تمام سالک کے دشمن ہیں یہ تمام کے تمام فتنے (mischiefs) اور

Marfat.com

گمراہی کا سبب ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مقصد تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور وہ کون سی کشتی ہے جو ہم کو ساحل مراد تک پہنچا سکتی ہے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ہم عقلی گھوڑے پر سوار ہو کر عقلی نتائج اور تحقیقات کے ذریعے اس کو پا سکتے ہیں یا علم کے راستے سے اس تک پہنچیں یا کہیں ایسا تو نہیں کہ تصوف کی منزل مشکل اور کٹھن ہے کہ نہ تو عقل اس کے دروازے پر پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی علم اس کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے تو پھر کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم روحانی قوت کے ذریعے اس منزل تک پہنچ جائیں، اگر ہمیں روحانی قوت کے ذریعہ بحرِ تصوف کی گہرائیوں(depths) تک رسائی نہیں ہو سکتی تو کیا یہاں کوئی اور بھی وسیلہ ہے جو اس کے لیے مدد و معاون ہو سکے؟

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اس منزلِ مراد کو پانے کا طریقہ ایمان اور تقویٰ ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔'' (القرآن)

وہ اس آیت کریمہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ''لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ'' کا معنی یہ ہے کہ ہم انہیں انوارِ ملکوت و اسرارِ جبروت اور علوی و سفلی علوم (celestial and infernal branches of knowledge) کے متعلق آگاہ کرتے ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔'' (القرآن)

امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رزق کی دو قسمیں ہیں:

1-روحانی۔ 2-جسمانی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔'' (البقرہ 286)

اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ علوم سکھائے گا جو تم نہیں جانتے پس ایمان اور تقویٰ میں اس منزلِ مقصود کا راستہ اور زینہ ہے جس کے ذریعے سالک اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے اس کی مؤید قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

ترجمہ: ''سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔'' (یونس 62)

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے بعد حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ منزل نظر و فکر اور عقل کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تو وہ نور ہے جو قرآن وسنت کے اتباع کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کا علم یقینی ہے نہ کہ ظنی و تخمینی (speculative)۔ اس لیے معلوم ہوا کہ یہ منزل نہ تو فکر و عقل سے اور نہ ہی مطالعہ کتب اور ان کے حفظ (memorisation) سے حاصل کی جا سکتی ہے بلکہ عبادت، سلوک، ترک معاصی اور اتباع قرآن وسنت سے اس کے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جو تمام معاملات میں اسے راہنمائی دیتا ہے۔ یہ تقویٰ اور ایمان کا نور ہے اور جب تک بندہ قرآن وسنت کے اوامر (commands) کی پیروی کرتا ہے اور اس کے نواہی (prohibitions) سے اجتناب کرتا ہے تو اس کا دل نور سے بھرا رہتا ہے اور وہ سراپا نور بن جاتا ہے اور یہ نور ہی اکثر معارف ربانیہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ جس طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

''جب بندے کا دل نور سے بھر جاتا ہے تو بندے اور اللہ کے درمیان تمام حجابات ہٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو علم لدنی عطا فرماتا ہے۔''

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس منزل تک پہنچنے کے دو ذرائع بتائے ہیں:

1- جذب الٰہی (اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات)

2- بیعت شیخ

کسی شیخ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینا تا کہ وہ اسے سلوک کی منازل طے کرائے۔ جو شخص ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار نہیں کرتا تو اس کے لیے اس منزل کو پانا محال ہے۔

پہلا طریقہ: جذب الٰہی کا طریقہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جذبات الٰہی میں سے ایک جذبہ، جن و انس کے عمل کے برابر ہے۔

دوسرا طریقہ: شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے تا کہ مرید اپنے شیخ کے سلسلہ سے منسلک ہو جائے اور اس کا تعلق اس طرح ہو جائے جس طرح لوہے کی زنجیر (chain) کا ایک حلقہ (link) ہوتا ہے جب ایک حلقے کو حرکت دی جائے تو ساری زنجیر متحرک (active) ہو جاتی ہے ہر ولی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان وہ تعلق ہے جو زنجیر کا اپنے حلقوں سے۔ بخلاف اس شخص کے جو بلا مرشد ہو وہ ٹوٹی ہوئی زنجیر کی طرح ہوتا ہے اگر کوئی مشکل آن پڑے تو وہ زنجیر اسے عدم ارتباط کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اسی تعلق کے بارے میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود فرماتے ہیں کہ یہ روحانی تاثیر تصوف کی بنیادی شرط ہے اور یہ شیخ کے واسطہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے تصوف اسلامی میں بہت طرق اور سلاسل موجود ہیں۔ دراصل ہر سلسلہ اس روحانی تاثیر پر قائم ہوتا ہے جو مرید کو اپنے شیخ سے حاصل ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہی مرید آئندہ شیخ کامل بن کر دوسروں کو

Marfat.com

روحانی فیض(spiritual benefit) پہنچائے۔

امام شعرانی کی رائے شیخ سہروردی سے ملتی ہے کیونکہ شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام میں بعض ایسے ہیں جو محنت اور کوشش سے منازل سلوک طے کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کو رب کی خاص عنایات سے بغیر محنت کے یہ مقام ملتا ہے اور یہ حال محبوبین کا ہوتا ہے کہ للّٰہیت اعلیٰ بغیر محنت کے اپنی عنایات اور نوازشات سے نوازتا ہے اور دوسرا طریقہ مریدین کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو للّٰہیت اعلیٰ کی بارگاہ میں رجوع اور محنت سے مقام حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔'' (سورۃ العنکبوت 69)

یعنی اللہ تعالیٰ انہیں مختلف قسم کی ریاضتوں اور عبادتوں سے گزار کر بلند مقام سے نوازتا (bless) ہے اور یہ حال اس سالک کا ہے جو محبّ اور مرید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دونوں طریقوں کو جامع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ اپنے قرب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرے۔'' (القرآن)

جن نفوس قدسیہ کا انتخاب (selection) اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں انہیں پھر ایسی خوبیوں سے مزین (adorn) فرما دیتے ہیں جو انسانی عقل و شعور کی گرفت میں نہیں آسکتیں۔ شاید یہی وہ مقام ہے جس کی طرف علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بلیغ اشارہ فرمایا ہے:

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

تمام معاملات کی عقلی توجیہات تلاش کرنا خود کو سوائے گمراہی میں دھکیلنے کے اور کیا معنی رکھتا ہے۔

انسان جتنا بھی علم میں کمال (excellence) حاصل کر لے لیکن اسرار و رموزِ فطرت جاننے کے لئے اسے ''مرشد'' کی راہنمائی ''نگاہ'' اور ''توجہ'' درکار ہوتی ہے۔

فخر موجودات سرور انبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے علما بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔'' (الحدیث)

اس حدیث کی روشنی میں اگر امت مسلمہ کے ولیوں، صوفیوں اور بزرگوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں واقعی اسرائیلی نبیوں کی سی شان (majesty) نظر آتی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا

Marfat.com

ضروری ہے کہ انبیا سے ان کی صداقت کے لیے جو خارق عادت (marvel) واقعات ظہور میں آتے ہیں، انہیں معجزہ (miracle) کہا جاتا ہے جبکہ غیر نبی کے ذریعے پیش آنے والا کوئی بھی عجیب وغریب واقعہ کرامت کہلاتا ہے۔

خارق عادت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات جو کائنات کے معمول اور قدرت کے مقرر کردہ فطری قاعدہ واصول کے برعکس پیش آئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ''سیرۃ النبی ﷺ میں ابنِ سینا کے اشارات اور نجات، امام رازی کے مباحث شرقیہ اور ابن مسکویہ کے فوز الاصغر کے حوالے سے ''خارق عادت'' پر جو کچھ لکھا ہے وہ درج ذیل ہے:

''دنیا کے مادی حوارث جس طرح مادی اسباب وعلل کے نتائج ہیں، اسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں۔ نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے۔ درخت یا دیوار پر چڑھنے والے کو اکثر یہ پیش آتا ہے کہ جہاں اس کے دل میں خوف پیدا ہوا، اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے (panic) ہیں اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ وہمی خوف سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے، بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے۔ شرمندگی وخجالت سے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، غیظ وغضب میں چہرہ تمتما اٹھتا ہے۔ یہ کمزور نفوس کا حال ہے۔ اس سے زیادہ قوی نفس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں اور اپنی قہر ومحبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول (medium) بنا لیتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابِ نفوسِ قدسیہ اور ارباب قوت کمالیہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں۔''

(سیرت النبی ﷺ جلد سوم ص 17)

یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر آج تک کسی نے بھی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی بلکہ اکثر لوگ معجزہ کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر رہے ہیں یعنی وہ اہلِ علم کو مطمئن نہیں کر سکے کہ معجزہ کس طرح ظہور میں آتا ہے یا کرامت کیسے ظاہر ہوتی ہے اور اس کا دنیا کے اسباب وعلل اور ان کے فطری تسلسل سے کوئی واسطہ وتعلق کیوں نہیں ہوتا؟

میں یہاں کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ قدرت کے فطری اصول وقواعد کے باوجود جن پر کائنات کے قیام اور ارتقا (evolution) کا دارومدار ہے۔ دنیا میں کچھ واقعات ایسے بھی ظہور میں آتے رہتے ہیں جو عقلِ انسانی کو حیران وششدر (amaze) کر دیتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ وہ واقعات قوانین قدرت سے ہٹ کر پیش آئے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بہ تکرار (repeatedly) فرماتا ہے:

''وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلاً۔''

ترجمہ: ''اور تو اللہ کے اصول اور قانون کو تبدیل ہوتے ہوئے نہیں پائے گا۔''

Marfat.com

کائنات کے مادی اصول اور اسباب وعلل کے فطری سلسلے سے ہٹ کر ایک روحانی سلسلہ بھی ہمیشہ قائم رہا ہے اور اس سلسلے میں محیر العقل واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کی عقل انسانی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکی، مگر دنیا میں روایت، درایت اور شہادت یا کسی واقعے کی صحت معلوم کرنے کے جتنے بھی طریقے رائج ہیں وہ سب ان محیر العقل یا خارق عادت واقعات کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔ جس سے اس روحانی سلسلے کی حقیقت ظاہر ہوتی رہی ہے یا پھر نبیوں کے معجزات اور ولیوں کی کرامات پر عام لوگ حیرت کا اظہار کرتے رہے ہیں جو بجائے خود ان خارق عادت واقعات کی تصدیق کا ایک ذریعہ ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انبیا کے معجزات کی طرح اولیا کی کرامتیں بھی بڑی حیرت انگیز ہوتی ہیں جن کا عقلِ انسانی احاطہ (comprehend) نہیں کر سکتی مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ عقیدت مند کبھی کبھی کسی کرامت کے اظہار میں مبالغہ آرائی (exaggeraction) سے بھی کام لیتے ہیں۔ جس سے معاملے کی صورت بدل جاتی ہے اور انسانی ذہن اس مبالغہ آرائی کو قبول نہیں کرتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ کشف وکرامت کے الفاظ ایک دوسرے سے بہ لحاظ معنی ومفہوم بہت قریب قریب ہیں۔ اس کے باوجود عملاً ان میں بڑا فرق ہے۔ اولیا اور صوفی حضرات بعض نظارے کشف میں دیکھتے اور انہیں اپنے مریدوں کے سامنے بیان کرتے ہیں مگر بعض مریدان کشفی واقعات کو ظاہر پر محمول کر کے لوگوں کو سناتے ہیں۔ اس طرح ان واقعات کی حیثیت (nature) ہی تبدیل ہو جاتی ہے یا سلوک ومعرفت کی دنیا میں بعض الفاظ یا اشارے مخصوص روحانی کیفیات کے مظہر (representative) ہوتے ہیں جنہیں کچھ لوگ ظاہری معنی پہنا دیتے ہیں۔

کچھ دور کی کوڑی لانے والوں کا کہنا ہے کہ تصوف قرآن میں موجود نہیں اگر یہ بات مبنی بر حقیقت ہے تو پھر تصوف کا اسلام سے دور کا واسطہ نہیں اور نہ ہی اس کے اصول اور مبادی (fundamentals) اس کے ساتھ متفق ہیں اس بنا پر تصوف اسلامی کا تعلق قدیم یونانی فلاسفہ کے افکار اور ہندی افکار کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ مشہور مستشرق کریمر بڑی بے باکی سے کہتا ہے کہ تصوف اسلامی رہبانیت کی مرہون منت ہے اور رہبانیت کی اساس اللہ تعالیٰ اور دوزخ کے خوف پر مبنی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسی طرح قرآن مجید میں بھی دوزخ اور قیامت کے خوفناک مناظر موجود ہیں۔ کریمر کی یہ بات حقیقت سے بعید ہے کہ امام حارث محاسبی کا تصوف مسیحی تھا کیونکہ شیخ حارث خالص سنی تھے اور اسلامی تصوف کی بلندیوں پر فائز امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے پیش رو تھے۔

علمائے کرام اور شرق وغرب کے مفکرین میں اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں صادقین اور صادقات، عبادت گزار مرد اور عورتیں، اللہ سے ڈرنے اور اس پر پختہ یقین (conviction)

Marfat.com

کرنے والے مخلصین، محسنین، صابرین، متوکلین، مقربین، اولیا وصالحین کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مشاہدین کا ذکر کیا۔ ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔'' (ق 37)

مطمئن القلوب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ.''

ترجمہ: ''سن لو! اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا چین ہے۔''

نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے اور میانہ روی (moderation) اختیار کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''میری امت میں متکلمین اور محدثین ہوں گے اور عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا: بہت سے غبار آلود اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ایسے ہیں کہ اگر وہ قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں اور حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اِسْتَفْتِحْ قَلْبَکَ (اپنے دل سے سوال کرو) اور آپ کے علاوہ کسی اور کو یہ ارشاد نہیں فرمایا۔

قرآن کریم ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنے دنیاوی مقدر کو ترک نہ کریں اور ہم کو دعوت دیتا ہے کہ ہم بہادر اور قوی رہیں اور اس چیز کی راہنمائی کرتا ہے کہ دانت کے بدلے دانت، آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے میں ناک بطور قصاص (compensation) ہوگا اور اسی طرح قرآن ہمیں دعوت دیتا ہے کہ جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے اسی طرح قرآن کریم نے دنیاوی مشکلات کو حل کرنے کے لیے متبادل نظام دیا ہے لیکن آیات قرآنیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں اخروی زندگی (hereafter) بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر اور معزز وہی ہے جو اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیاوی زندگی لہو ولعب اور باہمی فخر سے عبارت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی اور قرآن کریم میں جو یہ ارشاد ہوتا ہے کہ بندے کو چاہئے کہ وہ دنیاوی زندگی سے اپنا حصہ لے لے تو یہ محض اسی لیے ہے کہ مومن کسی غیر کا محتاج نہ ہو پھر قرآن کریم مومنین کی صفات بیان کرتا ہے اور وہ زمین پر آہستہ آہستہ اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان کا واسطہ کسی جاہل کے ساتھ پڑتا ہے تو بڑی سنجیدگی سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں اور اپنی راتوں کو رکوع وسجود میں گزار دیتے ہیں یہ تمام آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس دار فانی میں مومن کی تمام زندگی آخرت کی تیاری کے لیے وقف ہوتی ہے کیونکہ آخرت ہی مومن کے لیے زیادہ بہتر اور دائمی (eternal) ہے لیکن اگر کوئی شخص اخروی زندگی ہی کا ہو کر رہ جائے تو یہ بھی اسلامی تعلیم کے منافی (repugnant) ہے۔ حقیقی صوفی آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق وفرائض کا بھی خیال

Marfat.com

رکھتا ہے۔شادی کرتا ہے،کسبِ حلال کا اہتمام کرتا ہےاور اسے معلوم ہوتا ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے،قوی مومن اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہےضعیف اور کمزور مومن ہے۔

صوفیائے کرام قرآن کریم کی آیات بنیات سے اپنی آرا پراستدلال کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور نہیں پھینکا آپ نے، جب پھینکا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔'' (انفال 17)

یہ آیت کریمہ ان کے اس مذہب پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مطلق ہےاور ہر فعل کا صدور اسی سے ہوتا ہےاور بندے کی اپنے رب کے سامنے وہی حیثیت ہوتی ہے جیسے کاتب (scribe) کے ہاتھ میں قلم وہ اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے لکھتا ہےاور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ ہے۔''

صوفیائے کرام ان دو آیات کو ہی نظریہ وحدت الوجود (pantheism) اور وحدت الشہود (panentheism) کے لیے بنیاد بناتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ (existence) ہر شے میں جلوہ افروز (immanent) ہے۔ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم میں کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کو پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے صوفیائے کرام نے اخذ کیا ہے کہ حب الٰہی کی دو قسمیں ہیں:

1-حب الٰہی انسان کے لیے۔ 2-انسان کی محبت اللہ کے لیے۔

ارشاد رب ذوالجلال ہے:

ترجمہ: ''کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ زمین و آسمان بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا۔''

اس آیت کریمہ سے انہوں نے حقیقت محمدیہ کا استدلال کیا ہے جسے وہ تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ یہ تعین اول ہی تمام تعینات علویہ اور سفلیہ کو جامع ہے دراصل حقیقت محمدیہ ہی تمام اشیاء کا اجمالاً سرچشمہ ہے اور بعد میں تمام اشیاء کا ظہور اسی حقیقت سے ہوا اور آسمان وزمین کا وجود بھی اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

معترضین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''تصوف'' یونانی پابندی افکار سے لیا گیا ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ پانچویں صدی تک جو کہ تصوف کے عروج کا دور ہے اسلامی ماخذ کے مقابلہ میں یونانی مصادر کی کوئی

Marfat.com

حیثیت نہیں تھی، صرف امام غزالی کو ہی لے لیجیے۔ آپ بہت بڑے متکلم (scholastic) اور فلسفی تھے اور فلسفہ یونان پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آپ نے ''مقاصد فلاسفہ'' میں ایرانی فلسفہ کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے اس کے بعد آپ نے مذاہب فلسفہ کے رد اور ان کے عقلی دلائل کے بطلان کے لیے تہافہ الفلاسفہ لکھی لیکن فلسفہ میں اتنی مہارت (expertise) کے باوجود اپنی روحانی زندگی کے اعتبار خالصۃً مسلمان صوفی تھے۔ ان کے ذکر و اذکار اور طریقہ تصوف، قرآن وسنت سے ماخوذ تھا اور اس بات کی سب سے بڑی دلیل (sockdologer) آپ کی بے مثل کتاب ''احیاء العلوم'' ہے۔ یہ کتاب اس بات پر شاہد ہے کہ امام غزالی بہت بڑے صوفی تھے اگر چہ آپ کی دوسری تالیفات (compilations) میں یونانی فلسفے کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن روح اسلام آپ پر غالب تھی اور آپ اکثر و بیشتر قرآن وسنت سے استدلال کرتے تھے۔ آپ کے مسلم صوفی ہونے پر اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی کہ آپ نے اتحادیہ کی رائے کی تردید کی جس کو ابن سینا نے ''کتاب النجاۃ'' میں اختیار کیا اور دوبارہ کتاب ''الاشارات'' میں اس رائے سے دست بردار (withdraw) ہوئے۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود رحمتہ اللہ علیہ اس اختلافی (tendentious) موضوع کی وضاحت بڑے منفرد انداز میں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تصوف کے موضوع پر لکھنے والوں نے تصوف کو ان کسی عوامل پر قیاس کیا ہے جو بیرونی عوامل کا اثر قبول کرتے ہیں۔ عام طور پر مصنف، شاعر اور مفکر اپنے افکار اور خیالات کو اپنے اردگرد کے ماحول سے اخذ کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیرونی ماحول ان کے افکار پر اثر انداز (influence) ہوتا ہے لیکن صوفی اور صوفیا کا تعلق ان چیزوں سے نہیں ہوتا۔ اس مفہوم کی وضاحت کے لیے اس مسئلہ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

1- سلوکِ تصوف کا رجحان۔ 2- شعورِ تصوف

1- سلوکِ تصوف کا رجحان

جہاں تک تصوف کی طرف رجحان کا تعلق ہے میرے روحانی تجربات بتاتے ہیں کہ اس میں انسان کے داخلی اثرات کا عمل دخل ہے اور ان اسباب کا تعلق خارجی عوامل سے زیادہ داخلی عوامل سے ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان میں فطری طور پر استعداد (capacity) موجود ہو کیونکہ منزل سلوک کا آغاز کسی ایک کلمہ، اشارہ یا حادثہ سے ہوتا ہے جو سالک کی زندگی میں اثر انداز ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس راہ پر چل نکلتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا۔''

وہ ایک کلمہ جو اس عزم مصمم کا باعث ہوتا ہے اس کے لئے فطری استعداد لازمی امر ہے اور اس فطری استعداد کا تعلق نہ تو افلاطونی اور ہندی افکار سے ہے اور نہ ہی ایرانی نظریات سے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ

Marfat.com

سالک افلاطونی افکار اور ہندی عقائد کا علم رکھتا ہے لیکن اس کا یہ علم اس کے صوفی ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی صوفیائے کرام کی کتب کا مطالعہ کیا اور خود ہی اس کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صوفیائے کرام کے علوم کو حاصل کرنے کی ابتدا ان کی کتابوں کے مطالعہ سے کی۔ میں نے ابوطالب مکی کی ''قوت القلوب'' حارث محاسبی کی کتب، جنیدؒ، شبلیؒ، بایزید بسطامیؒ سے منقول اقوال کا مطالعہ کیا حتی کہ میں علمی مقاصد کی حقیقت پر مطلع ہو گیا۔ تعلیم اور سماع کے ذریعے جو بھی علوم ممکن تھے حاصل کر لیے لیکن ان کتب اور فلسفہ یونان کے گہرے مطالعہ (indepth study) کے باوجود صوفی نہ بن سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ذوق، حال اور تبدیلی صفات کی ضرورت ہوتی ہے المختصر یہ کہ تصوف ان امور کسبیہ سے نہیں جو اپنے اردگرد ماحول کا اثر قبول کرتے ہیں بلکہ یہ خالص ذوق اور مشاہدے کا نام ہے اور ذوق اور مشاہدے کا حصول، خلوت (seclusion)، ریاضت، مجاہدہ اور اشتیاق کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس، تہذیب اخلاق اور تصفیۂ قلوب سے ہوتا ہے اور صوفیائے کرام کے مشاہدہ کو غیر اسلامی ماخذ کی طرف منسوب (attribute) کرنا قرین قیاس نہیں۔ مسئلۂ تصوف کی حقیقت سے ناآشنا لوگوں کا تصوف کو موضوع بحث بنانا سراسر خطا ہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوف کی طرف رجحان اور میلان فطری امر ہے۔ صوفیائے کرام کا ذوق، شعور اور معرفت منبع نور و ہدایت سے مستفاد ہے۔ سابقہ بحث کا حاصل یہی ہے کہ تصوف عربی اور اسلامی ہے جس طرح کہ وہ قرآن مجید جس سے اصول بنائے گئے ہیں تصوف کے اصول براہِ راست اخذ کیے گئے ہیں عربی اور اسلامی ہیں اور جب اصولِ تصوف قرآن مجید سے ہی مستنبط ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ استنباط (inference) فہم قرآن، تدبر اور تفسیر قرآن کے بعد ممکن ہوا ہے تو سب سے پہلے قرآن کریم کی لغوی، منطقی اور کلامی تفسیر ہوئی اور پھر مزید گہرائی میں جانے کے لیے صوفیانہ تفسیر کی ضرورت پیش آئی۔

حیاتِ طیبہ ﷺ کسی بھی مسلمان بلکہ غیر مسلم کے لیے بھی راہنمائے حیات ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ہر عمل باعث خیر و برکت اور اصلاح کا ضامن ہے۔ رسول اکرم ﷺ تمام انسانیت کے لیے معلم اور جمیع خلائق کے لیے رحمت بن کر آئے۔ آپ کے رب نے ہی آپ کو بہترین آداب سکھائے۔ جیسا کہ آپ سے مروی ہے:

''مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین سکھایا۔'' (الحدیث)

نبی کریم ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو یتیم (orphan) تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے سوا کوئی سہارا نہ تھا اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام رسولوں سے اعلیٰ اور خاتم النبیین بنا کر مبعوث (appoint) فرمایا تھا اس لیے حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ خود آپ کی تربیت فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایسے بہترین خاندان کا انتخاب فرمایا جو پاکیزگی اور عفت و عصمت اور ایمان میں اپنی مثال

Marfat.com

آپ تھا۔آپ کے جدامجد خوبرو، کریم،، خوش خلق اور بڑے شیریں بیان تھے۔آپ بڑے قوی الایمان تھے۔ آپ کے دل و دماغ پر مذہبی چھاپ تھی۔آپ نوجوانان قریش کی طرح بڑے ہی ذہین فطین، غیور اور بہادر تھے لیکن آپ کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ سنجیدہ(sober) طبیعت کے مالک تھے جبکہ نوجوانانِ قریش اس سے عاری تھے۔

آپ دین کے معاملے میں بڑے سخت (strict) تھے جبکہ وہ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے تھے۔ آپ کو غیبی طاقت حاصل تھی جس کی وجہ سے آپ مختلف امور کو سرانجام دیتے تھے اور اکثر اوقات آپ کو خواب میں ایک شخص دکھائی دیتا جو آپ کو مشورہ دیتا کہ فلاں کام کرو۔

نبی کریم ﷺ کے والد ماجد بھی حضرت عبدالمطلب کے طریقہ پر کاربند تھے اور آپ کی زندگی کا یہ نصب العین تھا کہ حرام کھانے سے موت بہتر ہے۔ نبی کریم ﷺ قبل از بعثت بھی قریش میں امین کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ ﷺ کی زندگی بڑی پاکیزہ اور عبادت وزہد سے عبارت اور خالص فکر وروحانیت کا مرقع تھی۔ اسی حالت پر آپ نے ایامِ شباب گزارے۔لیکن آپ اپنے ہم عمروں کی طرح کھیل کود میں مشغول نہ ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے ان چیزوں سے محفوظ رہے اور وہ قبل از نزولِ وحی بھی دنیا و مافیہا کو ترک(renounce) کر کے غارِ حرا میں عبادت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اور جب تنہائی میسر ہوتی تو کائنات میں غور وفکر کرتے، وسیع وعریض ریگستان اور بلند وبالا پہاڑوں، نیلگوں آسمانوں میں چمکتے ہوئے ستاروں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال(grandeur) اور کبریائی کا مشاہدہ کرتے کیونکہ یہ تمام چیزیں خالق کائنات کی طرف دلالت(refer) کرتی تھیں۔اس لیے آپ ان کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق ہوجاتے کہ اہلِ مکہ کہنے لگے:

ترجمہ: ''بے شک محمد ﷺ اپنے رب کے عاشق ہو گئے۔''

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اپنی کتاب ''حیات محمد ﷺ میں رقمطراز ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب غارِ حرا میں تنہا ہوتے تو کائنات کی حقیقت میں غور وتدبر(meditate) کیا کرتے تو آپؐ کو طمانیت قلبی حاصل ہوتی اور آپؐ کا میلان خلوت کی طرف ہونے لگا۔غارِ حرا شمال مکہ میں بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے جو کہ خلوت اور عبادت کا بہترین مقام ہے۔آپ ہر سال رمضان شریف میں اس غار میں آرام فرماتے اور قلیل زادِراہ اپنے ساتھ لے جاتے۔معرفت خداوندی کے حصول میں دنیا کے شوروغل(tumult) سے الگ تھلگ رہنا آپ کا مقصدِ حیات تھا اور بعض اوقات معرفت خداوندی کی طلب میں استغراق اس حد تک بڑھ جاتا کہ کھانا پینا اور دیگر دنیاوی مشاغل بھول جاتے۔اسی طرح تقریباً چھ مہینے بیت گئے ایک دن آپ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ ایک فرشتہ آیا جس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا۔اس نے کہا:

Marfat.com

"اِقْرَأْ"

غارِ حرا میں حضور نبی کریم ﷺ کا سلسلہ عبادت و ریاضت ایک حقیقی صوفی کے لیے کامل نمونہ ہے خالق کائنات کی عظمت و کبریائی میں غور وفکر منازل سلوک کی بنیاد ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضور ﷺ نبی تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ صوفیائے کرام آپ کی سنت کے متبعین ہیں۔ تصوف ابتدائے طہارت، عبادت اور زہد سے عبارت ہے پھر کشف فیض الٰہی اور تجلیات الٰہی کا درجہ ہے بعدازاں وصال بالحق کی منزل ہے۔

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہو جاتی جو وجد (trance) کے مشابہ ہوتی۔ انسان وجد کی حالت میں اپنی ذات اور ارد گرد کے ماحول سے بے خبر (oblivious) ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اسی حالت میں تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: کون؟ انہوں نے جواب دیا: میں عائشہ! آپ نے دوبارہ پوچھا: کون عائشہ؟ انہوں نے عرض کیا: ابوبکر صدیق کی بیٹی۔ لیکن حضور نے پھر سوال کیا: کون صدیق؟ جواب میں عرض کیا: محمد کے سسر لیکن نبی پاک ﷺ نے دریافت فرمایا: کون محمد؟ تو وہ خاموش ہو گئیں کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ حضور ﷺ عام حالت میں نہیں ہیں۔ اگر یہ قصہ صحیح ہو تو صوفیائے کرام پر وارد (befall) ہونے والے وجد، سکر اور فنا پر قوی دلیل ہے۔

اگرچہ تصوف بیشتر پاکستانیوں کے لیے مختلف سطحوں پر ایک زندہ حقیقت ہے مگر ہمارا دانشور طبقہ بھی اس کی عمارت (edifice) اور تصورات سے مکمل طور پر آشنا نہیں۔ شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی لامحدود وحدت کے بحر بیکراں سے اس کی ربوبیت کی لہریں اٹھتی رہتی ہیں یہ مد (ebb) ہے جو ہمارے اس محدود جہان فانی کے ساحل سے ٹکرا کر واپس اس کی طرف جزر (flow) کی صورت میں لوٹ جاتی ہیں۔ تصوف ان واپس مڑتی ہوئی لہروں (receding waves) میں چھلانگ لگانے کی وہ سائنس اور آرٹ ہے جو انسانی روح کو اس غیر فانی اور لامحدود ماخذ کی طرف لے جائے۔

قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ دور بھی ہے اور قریب بھی۔ وہ وراء الورا بھی ہے اور شاہ رگ سے قریب تر بھی۔ عمومی طور پر بنیاد پرست علما اللہ کی ماورائیت (transcendence) کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جبکہ صوفیائے کرام اس کے قریب ہونے (immanence) پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ روایتی طور پر بنیاد پرست علما ظاہری پابندی (letter) پر زیادہ زور دیتے ہیں جبکہ صوفیا ان عبادات اور رسوم کی ماہیت (spirit) اور تعلق باللہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

اللہ سبحان تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے کو صوفیا سلوک کا نام دیتے ہیں اور اس مقدس راستہ پر سفر کرنے کے آداب اور ضبط و نظم کو جو صوفیا کے مختلف مدارس فکر نے مفصلاً مرتب کیے ہیں۔ طریقہ (جمع طروق) کہا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان میں معروف طروق چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ ہیں۔ جب کسی

Marfat.com

طریقہ کی کوئی شاخ ایسی ہو جس کا درمیانی روحانی سربراہ کوئی رجل الغیب ہو تو اس طریقہ کے نام کے ساتھ اویسیہ کا تعارفی لقب لگا دیا جاتا ہے۔ان طروق کے اپنے اپنے اذکار اور اشغال ہیں مگر ان سب میں مشترک نسبت دل پر اللہ کی ضرب لگانا ہے۔عمومی طور پر کسی طریقہ میں شمولیت (initiation) کے لیے مرید (ارادہ کرنے والا) کو کسی مستند استاد (مرشد) کے ہاتھ پر بیعت (oath of allegiance) کرنا ہوتی ہے۔ ہر طریقہ کی روحانی زنجیر (سلسلہ) اپنے مرشد اعلیٰ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوتی ہوئی ہادی اعظم، سید کائنات و خاتم الرسل سیدنا محمد ﷺ سے جا ملتی ہے، ماسوائے طریقہ نقشبندیہ کے جس کے سلسلہ کی ماقبل آخری کڑی خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ کسی طریقہ کے مجوزہ (سلوک) پر سفر کرنے والے کو سالک کہا جاتا ہے۔ مرشد کا کام ہے کہ اپنے مرید کے اندر چھپے ہوئے (latent) اَنا کے بتوں کو ایک ایک کر کے توڑ دے اور اس کے قلب کو دنیاوی آلائشوں (filth) سے پاک کر دے۔ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مرشد کا بھی جاسوس القلوب ہونا ضروری ہوتا ہے۔ علما جو کچھ زبان سے کہتے ہیں، صوفیا اس کو عمل میں دکھاتے ہیں۔ پندونصیحت حال کی زبان سے مؤثر ہوتی ہے، قال کی زبان سے کچھ نہیں ہوتا۔ خانقاہ میں مرید کی تربیت قلت طعام، قلت کلام، قلت منام، قلت صحبت اور کثرت خدمت سے کی جاتی ہے۔ مرشد کا یہ کام ہوتا ہے کہ مرید کا سینہ صیقل (burnish) کر کے آئینہ کے مانند کر دے تاکہ اس پر اللہ کی تجلیات منعکس (reflect) ہوں۔ مرشد جانتے ہیں کہ کسی باکردار کافر کی اصلاح تو آسان کام ہے لیکن ایک بے کردار منافق (whited sepulchre) کی اصلاح نہایت ہی دشوار ہوتی ہے۔

شوق وطلب کی ان طویل اور کٹھن راہوں میں سالک اپنے کسب اور مشقت پر بھی انحصار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور عنایات کا بھی طلب گار ہوتا ہے۔ وہ اپنی محنت مسلسل سے ''مقامات'' کماتا ہے جبکہ ''احوال'' اسے اللہ سبحان تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوتے ہیں۔ ''مقامات'' مستقل ہوتے ہیں جبکہ ''احوال'' (مفرد حال) عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ شیخ ابوالنصر السراج کے مطابق مقامات سات ہیں یعنی توبہ، اجتناب، زہد، فقر، صبر، توکل اور رضا جبکہ ''احوال'' دس ہیں یعنی مراقبہ، قرب، محبت، خوف، رجا، شوق، انس، اطمینان، مشاہدہ اور یقین۔ تاہم چند اکابر صوفیا کا یہ خیال ہے کہ اللہ کی طرف روح کے سفر کے دوران اتنی غیر متعین (indeterminate) کیفیتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مستند تصوراتی خاکہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لاکھوں جو سلوک کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان میں سے صرف چند ایک ہی آخری منزل کو پاتے ہیں اور ان کو ولایت (sainthood) کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔ ہر ولی کو ولایت (تقدس) کا درجہ ملتا ہے مگر ان میں سے معدودے چند کو ولایت بھی مرحمت ہوتی ہے یعنی ان کو مسندِ ارشاد اور روحانی مملکتیں عطا ہوتی ہیں۔ کلیتہ الاولیا کے مناصب صعود اُرشاد فرماتے ہیں کہ ''مرشد طالب سے کہتا ہے کہ اب اسم ذات اللہ کو دیکھ چنانچہ اس وقت حروف

Marfat.com

اسم ذات اللہ سے سورج کی روشن تجلی نور ظاہر ہوتی ہے جس کی روشنی میں طالب اللہ کو دل کے گرد چودہ طبق (stratum) سے زیادہ وسیع تر میدان دکھائی دیتا ہے جس میں دونوں جہان اسپند (wild rue) کے دانے برابر نظر آتے ہیں۔'' تو گویا یہی وہ میدان ہے جہاں عشق کی بازی کھیلی جاتی ہے کیونکہ عشق الٰہی جس قدر طاقت اور تیز رفتاری کا حامل ہے اس کے لیے وسیع وعریض میدان درکار ہے اور حقیقت میں یہ قلب مومن ہے یہی وہ مقام ہے کہ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''نہیں سماتا میں آسمانوں میں نہیں سماتا زمین میں مگر سما جاتا ہوں قلب مومن میں۔''

اور دل کے گرد یہ وسیع وعریض (vast) میدان جو چودہ طبق سے زیادہ وسیع ہے طالب اللہ کو اس وقت نظر آتا ہے جب وہ تصور اسم ذات اللہ میں کھو (immerse) کر اس مادی دنیا کے موجودات سے اپنی نظریں اٹھالیتا ہے جب سیم وزر اور زین وزن کے چکر سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسے کسی حاکم وقت کا خوف ہوتا ہے اور نہ اسے کوئی سروکار۔ اللہ کے عشق میں اس طرح محو ہوتا ہے کہ دنیا والے اس کے دامن کو آلودہ (pollute) کرنا چاہتے ہیں مگر وہ اپنا دامن محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دورِ خلافت میں شیعہ اور سنی کے درمیان فتنہ بڑی شدت اختیار کر گیا تو اس فتنہ کو روکنے کے لیے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو اس طرح کی ایذائیں (afflictions) دی گئیں ان پر کوڑے برسائے گئے مگر ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش (totter) نہ آئی اور وہ اپنے موقف پر ڈٹے (stand one's ground) رہے۔ بعد میں خلیفہ متوکل کے دورِ خلافت میں امام صاحب کی دل جوئی (consolation) کے لیے خلیفہ نے ان کی خدمت میں درہم بھجوائے تو امام صاحب نے فرمایا کہ یا اللہ یہ معاملہ تو میرے لیے اور بھی سخت ہے کیونکہ وہ دین کا فتنہ تھا اور یہ دنیا کا فتنہ ہے اور یہ درہم مجھے ان کوڑوں سے زیادہ تکلیف دہ ہیں۔ لہٰذا آپ نے وہ درہم لینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ فقیر روشن ضمیر کے سامنے اگر ملک سلیمانی بھی پیش کیا جائے تو وہ اسے ہرگز قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ مادی دنیا کو چھوڑ کر اپنے دل کی دنیا آباد کر چکا ہوتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دل کی بیداری ہی اصل بیداری ہے جو محض جاگنے، چلہ کشی یا ریاضتوں سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ تو معرفت کا ادراک ہے جو مرشد کی توجہ کا مرہونِ منت ہے۔''

کیونکہ جب دل بیدار ہو جاتا ہے تو فقرا مال و دولت چھوڑ کر منزل فقر میں قدم رکھتے ہیں۔ اپنے نفس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان توحید میں خوب دوڑاتے ہیں، اپنی جان آتشِ عشق میں جلاتے ہیں اور آخر کار بازی جیت کر میدانِ عشق سے گزر جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ جس میدان میں یہ بازی کھیلی جاتی ہے وہی قلبِ مومن ہے۔

Marfat.com

مرشد ہی کیوں؟

اب تک جو مباحث سامنے آئے ہیں ان کے بعد ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان صرف اپنی عقل اور شعور سے یہ ادراک (perception) حاصل کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا کیونکہ انسانی عقل محدود اور اللہ کی حکمتیں لامحدود ہیں۔ انہیں سمجھنا بڑے سے بڑے عالم فاضل کے لیے کارِ دارد (It is no doddle) ہے۔ انسانی عقل ٹھوکر (stumble) کھا سکتی ہے، گمراہ ہو سکتی ہے اور بسا اوقات صورتِ حالات کو مروجہ صورتِ حال کے برعکس سمجھ سکتی ہے۔ الحمد اللہ ہم مسلمان ہیں اور ہماری ہر نماز کی پہلی رکعت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے التجا کی جاتی ہے کہ اے باری تعالیٰ:

''ہمیں سیدھے راستہ پر چلا ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔''

ہر انسان جب بارگاہ ایزدی میں اپنی جبین نیاز جھکانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اسے حکم ہوتا ہے کہ اپنے معبود حقیقی سے یوں التجا کرے کہ ابتداً اس کی حمد وثنا کے نغمے الاپے، پھر میری شان معبودیت اور اپنے تعلق عبودیت کا اظہار کرنے کے بعد یوں عرض گزار (supplicate) ہو کہ یا اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر چلا ان کے راستے پر نہ چلا جو گمراہ اور مغضوب ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدھی راہ کون سی ہے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سیدھی راہ قرآن وسنت کی ہی راہ ہے۔ دنیا کے اندر ہر ایک دعوے دار ہے کہ ہم سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔ ہر مذہب، ہر فرقہ اور ہر دھرم یہی اعلان کر رہا ہے کہ ہم صراطِ مستقیم پر ہیں۔ کوئی قرآن کا حوالہ دے کر کہتا ہے چونکہ ہم قرآن زیادہ پڑھتے ہیں اور شیخ القرآن کہلاتے ہیں لیکن قرآن فرما رہا ہے:

ترجمہ: ''اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔'' (القرآن)

بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن سے انہیں ہدایت نہیں ملتی۔ قرآن پڑھنے کے باوجود بھی منزلِ مقصود کو نہیں پا سکتے بلکہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی سوچ کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ جادۂ حق سے بھٹک

Marfat.com

(lose way) جاتے ہیں۔

کوئی سوچ رہا ہے کہ ہم حدیث زیادہ پڑھتے ہیں اور ہم ہی اہلِ حدیث ہیں اس لیے ہم سیدھے راستہ پر ہیں۔ الغرض ہر ایک اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے۔ لیکن قرآن نے کچھ اور ہی اسلوب دیا ہے اور خود ہی صراطِ مستقیم کو متعین فرما دیا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ صراطِ مستقیم ہے جو انعام یافتہ ہیں۔ گویا اس آیت کریمہ نے آگاہ فرما دیا کہ انعام یافتہ (blessed) بندوں کے دامن سے منسلک ہونے کی خیرات طلب کر، اگر ان سے تیرا تعلق منقطع ہو گیا تو پھر جتنی کاوشیں کر تا رہ، سیدھے راستہ سے بہک جانے کے امکانات ہمیشہ موجود رہیں گے۔

اگر وہ کریم ذات جل وعلا چاہتی تو یوں بھی فرما سکتی تھی کہ اے میرے بندے! میری بارگاہ صمدیت سے اس طرح طلب کر کہ اے باری تعالیٰ! مجھے سیدھا راستہ دکھا جو تیری کتاب اور تیرے محبوب کی سنت کی راہ ہے لیکن قرآن مجید نے افراد کا ذکر فرمایا ہے کہ تیرے انعام یافتہ بندوں کی راہ چاہیے تا کہ ہم بھی ان کے پیچھے ان کے نقش قدم (footsteps) پر چلتے جائیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ انعام یافتہ بندے کون ہیں؟ جن سے منسلک ہونے کی قرآن تعلیم فرما رہا ہے۔ تو قرآن پاک ادھوری بات نہیں کرتا بلکہ جامع و مانع کرتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔''

میری اور میرے محبوب کریم ﷺ کی اطاعت کرنے والے میرے انعام یافتہ بندوں کے ساتھ ہوں گے اور وہ انعام یافتہ بندے انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں اور ان کی سنگت (company) کتنی اچھی ہے۔

چار طبقات میں پہلا طبقہ انبیا علیہم السلام کا ہے یہ بہر صورت انعام یافتہ ہیں ہی، کیونکہ انہیں اللہ جل شانہ کی طرف سے نبوت و رسالت جیسی نعمت عظمیٰ عطا ہوئی لیکن تین طبقات ایسے ہیں جو انبیا نہیں، غیر نبی ہیں۔

اس صورتِ حال سے بہتر وضاحت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائی ہے۔ اس کا اقتباس (extract) پیش خدمت ہے۔

''صدیق فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا لغوی معنی المبالغ فی الصدق نہایت راست باز اور راست گفتار ہے اور مقامات قرب الٰہی میں سے ایک مقام کا نام بھی ہے۔''

الشیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''صدیقین وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی فطرت اور جن کا باطن ہر گرد و غبار سے یوں پاک و صاف ہوتا ہے کہ جب ان پر حق پیش کیا جاتا ہے تو بے ساختہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ خیر و شر کے درمیان انہیں

Marfat.com

التباس(confusion) نہیں ہوتا بلکہ نگاہ جیسے سیاہ وسفید کے درمیان بے تکلف امتیاز کرلیتی ہے اس طرح وہ حق وباطل اور خیروشر (good and evil) میں امتیاز کرلیتے ہیں۔ یہ صدیقیت کا مرتبہ حضور سید العالمین ﷺ کے کئی جلیل القدر صحابہ کو حاصل تھا اور صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جن کی زندگی کا ہر لمحہ اسی صدیقیت کبریٰ کا مظہراتم ہے۔" (تفسیر روح البیان)

یعنی صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدق والے ہیں اور تصدیق کرنے والے ہیں۔ جن کے دل اتنے صاف ہو چکے ہیں کہ جو وحی اللہ تعالیٰ کے رسول پر نازل ہوتی ہے اور جو حکم اللہ تعالیٰ کا رسول بیان کرتا ہے وہ فوراً اس حکم کی تائید کرتے چلے جاتے ہیں۔

جس طرح نبی کریم ﷺ آئینہ ربوبیت ہیں۔ جیسا کہ حضور سید العالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "جس نے مجھے دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔"

اسی طرح صدیق سے مراد وہ ہستی ہے جو آئینہ نبوت کے مرتبے پر فائز ہو۔ جس طرح آئینے کو سورج کے سامنے رکھا جائے تو سورج اپنی تمام تر تجلیات (splendours) کے ساتھ منعکس ہو جاتا ہے۔ نبی وحی الٰہی کا سورج ہوتا ہے جب اس کی نبوت کا سورج چمکتا ہے تو صدیق کے دل کے آئینے سے اس کی نبوت آشکار (come to light) ہو جاتی ہے اور وہ براہِ راست نبوت کے فیض کو اپنے سینے میں منتقل کر کے امت مصطفیٰ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تک پہنچا رہا ہوتا ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "جو کچھ رب لم یزل نے میرے سینے میں ڈالا میں نے سارے کا سارا ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا۔"

معلوم ہوا کہ صدیق آئینہ نبوت ہیں۔ جو بھی ان کی صحبت میں بیٹھے ان کو ان کا نہیں بلکہ آفتاب نبوت کا فیض نصیب ہوتا ہے۔ نبی کے بعد صدیق اس لیے رکھا گیا کہ ہر کسی کو صحبت نبوت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اب قیامت (the day of judment) تک کوئی قطبیت، غوثیت اور عبدیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر کیوں نہ فائز ہو جائے وہ حضور نبی رحمت ﷺ کے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی گرد پا کو بھی نہیں پا سکتا۔ یہ شرف صحابیت قیامت تک کے لیے بند ہو گیا۔

جب ظاہری صحبت کا دور ختم ہو گیا تو اب ایک صورت ایسی پیدا کر دی کہ امت کو صدیق عطا فرما دیئے جو کوئی ان کی صحبت میں جائے گا اسے بالواسطہ صحبت نبوی کا فیض نصیب ہو گا۔

حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ صدق کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں:

ترجمہ: "(اے انسان!) جب تک جملہ خواہشات نفسانی سے پاک ہو کر اللہ عزوجل سے صدق

Marfat.com

دل سے محبت کرے گا تو وہ تیرے دل کو ایسا آئینہ بنا دے گا کہ جب تک اس آئینے میں جھانکے گا تو دنیا و آخرت کے اسرار و حقائق تیرے سامنے منکشف (manifest) ہو جائیں گے۔''

وہ آئینہ پھر پرتو نبوت بن کر آفتابِ نبوت سے فیوضاتِ الٰہیہ حاصل کرتا ہے اور تشنگانِ امتِ مصطفیٰ میں تقسیم کرنے کا فریضہ ادا فرماتا ہے۔

جنہیں اللہ جل وعلا اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے احکام کی صداقت کا اتنا پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کر دیتے ہیں اور اس سے بھی ان کی آتش محبت سرد نہیں ہوتی۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا رب کی ذات میں فنا ہونے کا یہ عالم تھا کہ جب قوال اس شعر کا پہلا مصرعہ پڑھتے تو آپ جاں بحق ہو جاتے، جب دوسرا مصرعہ پڑھتے تو پہلی حالت میں زندہ (resurrect) ہو جاتے۔ یہاں تک کہ کئی بار ایسا ہوا۔ جب آپ کی زندگی کی گھڑیاں تمام ہوئیں تو خداوند قدوس کی قدرت سے قوالوں کے ذہن سے دوسرا مصرعہ اتر گیا اور وہ پہلے مصرعے کی رٹ لگاتے رہے اور خواجہ صاحب واصل بحق ہوئے۔

جب یہ ہستیاں اس رفیع مقام پر فائز ہوتی ہیں تو گویا زبان حال سے کہتی ہیں کہ اے محبوب ﷺ تیرے وجہ کریم کے دیدار نے وہ کیف اور لطف عطا کیا ہے اور ایسی مستی (ecstasy) سے سرشار کیا ہے کہ ایک جان تو کیا اگر ہزار جانیں ہوں تو تیری ایک جھلک پر قربان (surrender) کرتے چلے جائیں۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جو عقائد اور اعمال دونوں لحاظ سے صالح ہو۔''

یعنی جن کا ایمان توحید باری تعالیٰ، حضور سید دو عالم ﷺ کی رسالت، قرآن کریم کی حقانیت اور دیگر ایمانیات پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اسے متزلزل (trip) نہیں کر سکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ ان تمام اعمال و اخلاق سے ان کا دامن یکسر مبرا (free) ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرک (polytheism) جلی و خفی و اخفی، حسد، کینہ، تکبر اور حرص و ہوس غرضیکہ تمام اخلاق ذمیمہ سے وہ پاک ہوتے ہیں۔

یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے جہاں انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعتِ ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکر عجز و نیاز کو وہ بلندی عطا کی جاتی ہے جسے دنیا رشک بھری (envious) نگاہ سے دیکھتی ہے۔ قرآن کریم اعلان فرماتا ہے کہ انبیائے کرام کے علاوہ صاحبِ صدق، صاحبِ شہادت اور صاحبِ صالحیت حضرات سب

Marfat.com

میرے انعام یافتہ بندے ہیں۔تو نبی کے دامن سے لپٹ جاؤ یا نبی کے فیض کے حصول کے لیے کسی صدیق کسی شہید (martyr) یا کسی صالح کی بارگاہ میں آجاؤ۔ان میں سے جس کسی کے دامن سے لپٹ جاؤ گے تو وہی راہ میری اور میرے محبوب کریم ﷺ کی راہ ہے کیونکہ ان کی راہ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب ﷺ کی راہ سے جدا نہیں۔

مرشد کامل کی دینی ضرورت کے بارے میں قرآن کریم کی اس آیت طیبہ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''تو اے لوگو اہل ذکر سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔''

اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہو تو اہل ذکر کی بارگاہ میں آکر اپنے دامن طلب کو بھر لیا کرو کیونکہ ان صلحاء اور اتقیاء کی صحبت اور فیضان نظر کے بغیر دین سمجھ میں نہیں آسکتا۔

دین کتابوں کی ورق گردانی سے نہیں آتا کیونکہ کتابیں تو صرف راستہ دکھاتی ہیں۔لیکن دین کی اصل روح اور حقیقت کتابوں سے نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقرب بندے کی صحبت اثر بار سے نصیب ہوتی ہے۔

اگر انسان ذرا غور کرے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔قرآن کریم نے فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ فرمایا ہے فَسْئَلُوْا اَهْلَ الْعِلْمِ نہیں فرمایا کہ علم والوں سے پوچھ لو کیونکہ علم والے تو خود بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔کیونکہ علم وہ خبر ہے جس کا محل دماغ ہے جبکہ ذکر وہ خبر ہے جس کا محل دل ہے۔علم دماغ کی تختی پر لکھا جاتا ہے اور ذکر دل کی تختی پر مرتسم (engraved) ہوتا ہے۔

اس کی تائید ایک دوسری آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔رب قدوس نے فرمایا:

ترجمہ: ''وہ بڑی رحمت والا، تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ۔''

یعنی وہ ذات سراسر پیکر رحمت ہے لیکن اس کی خبر لینی ہو تو کسی باخبر (the knowing) سے پوچھ۔اگر اس کے آداب سے شناسا ہونا چاہتے ہو اور اس کے وصال کی راہ اور معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اسی سے پوچھو جس کو اس کی بارگاہ کا قرب (intimacy) نصیب ہو اور اس کے وصال کی دولت سے بہرہ ور ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو تمام غیب (the invisible) کے خزانے عطا فرمادیئے ہیں اور آپ کے واسطہ سے آپ کے غلاموں کو بھی عطا فرمادیئے ہیں۔مثال کے طور پر حضور نبی رحمت ﷺ کے علم خداداد میں سے حروف مقطعات کا علم ہے جس کے بارے میں صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریم ﷺ جانتے ہیں اور اولیائے کاملین کو یہ علم بارگاہ رسالت سے عطا ہوتا ہے۔بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیائے کرام سے بیان کردیتے ہیں۔جیسے یہ حروف اس ذات پاک ﷺ سے گویا تھے جن کی ہتھیلی میں کنکریوں (pebbles) نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی اور ہرنی

Marfat.com

نے کلام کیا تھا۔''

مرشد کامل کی نگاہ فیض اور صحبت اثر بار کے بغیر دین کی اصل روح کی سمجھ اور آشنائی (acquaintance) میسر نہیں آسکتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن نازل ہوا اور انہوں نے الحمد سے والناس تک پڑھا اور اس کے احکامات کو حضور سید عالم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سنا اور سمجھا لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود نماز پڑھنے کا کامل طریقہ میسر نہ آسکا۔ انہوں نے بارگاہ مصطفوی ﷺ میں عرض کی کہ سب کچھ سنا اور پڑھا لیکن نماز کا کامل طریقہ پڑھنے اور سننے سے میسر نہ آسکا، کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جس طرح میں پڑھتا ہوں اسی طرح مجھے دیکھ کر پڑھ لیا کرو۔''

اس حدیث پاک سے اشارۃ النص کے ذریعے معلوم ہوا کہ دین فقط قیل وقال (quibbling; scholarship) سے نہیں، صاحب حال (mystic) کے حال کو دیکھنے سے آتا ہے تو حضور سید دو عالم ﷺ نے اسی لیے سننے اور پڑھنے کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ حال کو دیکھنے کی تعلیم فرمائی۔

اب معاملہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے احکامات تمام ہم تک پہنچ گئے اور حضور سید دو عالم ﷺ کی سنت اور حدیث کا بیان بھی صحابہ کرام نے ہم تک روایات (traditions) کے ذریعے پہنچا دیا۔ تو قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کے ہوتے ہوئے ہمیں مرشد کامل کی ضرورت کیوں ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ وہ ذات لوگوں کو ہدایت صرف تعلیمات کے بیان کرنے سے نہیں دیتی بلکہ کامل شخصیتوں کو بھیج کر ان کے اعمال واحوال دکھا کر عطا کرتی ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محبوب رب العالمین ﷺ تک جتنے انبیا علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور وہ کتب وہ صحائف سماویہ جو انبیا کو عطا کیے گئے اگر رب قدوس چاہتا تو انبیا علیہم السلام کے بجائے براہِ راست بندوں کی طرف بھیج دیتا، توحید اور ہدایت کی جملہ کلیات و جزئیات سے آگاہ فرما دیتا۔ لیکن اللہ جل وعلا نے ایسا نہ کیا بلکہ کامل شخصیتوں کو لوگوں کے اندر مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ماہ وسال ان کے اندر بسر فرمائے۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بیان فرمایا اور اپنے عمل سے اس کی توضیح وتشریح فرمائی اور منشاء ایزدی کے مطابق اپنے اعمال واحوال کو لوگوں کے سامنے رکھا۔ اگر حضور سید دو عالم ﷺ چاہتے تو اپنی تعلیمات واحکامات کی کروڑہا کاپیاں اور نقلیں کروا کے اطراف و اکناف عالم میں تقسیم کروا دیتے اور حکم فرماتے کہ یہ قرآن ہے، یہ میری سنت اور یہ میری بیان کردہ تفصیلات۔ انہیں پڑھو، سمجھو اور ان پر عمل کرو لیکن آقائے کل جہاں ﷺ نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ صرف قرآن کریم کو بھی کتابی صورت میں مرتب نہ فرمایا اور نہ ہی احادیث مبارکہ کے مجموعے اطراف عالم میں بھیجے بلکہ شخصیات کو تیار فرمایا۔ اپنی صحبت اثر بار سے صدیق، فاروق، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو خلافت (caliphate) کا امین بنایا۔ عبادلۂ اربعہ میں سے کسی کو مفسر قرآن، کسی کو محدث، کسی کو قاریٔ قرآن اور کسی کو فقیہ بنایا۔ سلمان و بلال رضی اللہ عنہما پر

Marfat.com

صبغۃ اللہ کا نورانی رنگ چڑھایا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور دیگر اپنے غلاموں کو تیار کر کے اطراف عرب میں بھیجا اور فرمایا: لوگو! اس قرآن کو پڑھو اور میری سنت کا مطالعہ کرو اور اس کے فہم اور حقائق سے آگہی (awareness) حاصل کرنے کے لیے ان کے حال کو دیکھو تو پھر قرآن وسنت کو سمجھو۔ تو جس طرح حضور نبی رحمت ﷺ کے عمل کو دیکھے بغیر صحابہ کرام کو قرآن سمجھ نہیں آ سکتا تھا اسی طرح اب صحابہ کرام کے عمل کو دیکھے بغیر تابعین عظام کو قرآن کا فہم (undertanding) کیسے نصیب ہو سکتا تھا۔

صحابہ کرام آقائے دو عالم ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے۔ قرآن مجید ان کے پاس آ گیا اور سنت، عمل کے طور پر ان کے سامنے موجود تھی۔ تو سنت ان کے لیے عمل نہیں بلکہ عمل کا مشاہدہ تھا۔ آقائے نامدار ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جنہوں نے اس نورانی روئے زیبا کا دیدار نہ کیا، ان کے لیے اور قیامت تک آنی والی نسلوں کے لیے جس طرح قرآن علم ہے اسی طرح حدیث بھی علم ہے عمل نہیں۔ شفیع عاصیاں ﷺ کی سنت متشکل (concrete) شکل میں موجود نہیں۔ اب ان کامل ہستیوں کی ضرورت تھی جو قرآن وسنت کا عملی نمونہ ہمارے سامنے پیش کریں تو حضور سید العالمین ﷺ نے صحابہ کو تیار کیا۔ صحابہ کرام نے تابعین کو انہوں نے تبع تابعین کو تیار کیا۔ علیٰ ہذا القیاس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کامل شخصیات نسلاً بعد نسل قرآن وسنت کے علم کو عملی جامہ پہنا کر امت مرحومہ کے سامنے پیش کرتی رہیں اور کرتی رہیں گی۔

جب تک قرآن وسنت کا علم ہمارے سامنے رہے گا اور کامل شخصیتوں کا عمل اور ان کا حال ہماری آنکھوں کے سامنے نہ آئے گا تو اس وقت تک نہ قرآنی مفاہیم ومطالب سے صحیح طور پر آشنائی ہو سکتی ہے اور نہ ہی سنت رسول کا صحیح ڈھب ہمیں نصیب ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جب تک کامل نمونہ نظروں کے سامنے نہ ہو، علم پر عمل کرنا ممکن نہیں رہتا۔ آیئے ان بزرگ اور برگزیدہ ہستیوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں جو علم کے بحرِ ذخار (encyclopaedia) تھے اور انہوں نے علم کی کوئی حد نہ چھوڑی تھی۔ لیکن محض علم کے بل بوتے پر حق تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ جب تک کامل نمونہ (paragon) ان کی زندگی میں نہ آیا تھا۔

حجۃ الاسلام والمسلمین امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے قرآن فہمی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ قرآن، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور علم کلام (scholasticism) الغرض دنیا کے تمام علوم کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔ آپ جامعہ نظامیہ بغداد شریف (نظامیہ یونیورسٹی) کے رئیس الجامعہ تھے۔ اطراف واکناف عالم سے تشنگان علم اپنی علمی تشنگی مٹانے کے لیے آپ کے قدموں میں کشاں کشاں حاضر ہوتے اور علم کے سمندر سے سیراب ہو کر اکناف عالم میں خدمت دین کے لیے پھیل جاتے لیکن وہی امام غزالی فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، علم اور فن کی دنیا میں مَیں شہسوار تھا لیکن حق کا پھر بھی طلب گار

Marfat.com

تھا۔ میں ہر فن کے ماہرین کے پاس گیا کہ کہیں سے حقیقت میسر آجائے لیکن کہیں سے بھی ساحل مراد تک رسائی حاصل نہ ہوسکی۔ بالآخر میں صوفیائے کرام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور دو سال تک تصوف پڑھا۔ بالآخر تصوف پڑھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ تصوف علم نہیں، سراسر عمل کا نام ہے اور حق، حقیقت میں اسی در فیض بار سے ہی میسر آسکتا ہے اور حقیقت کو پانے کے لیے عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور عمل کی دنیا میں قدم رکھنے کے لیے کسی سرپرست اور مرشد کامل کا ہونا ضروری ہے۔

یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی مرشد، پیر، ہادی، راہنما کا وجود اور اس کی اطاعت ہر راہ حق کے طلب گار کے لیے ضروری ہے تو پھر یہ سوال کھڑا ہوا کہ ''مرشد'' کی پہچان کیا ہے؟ اس دور میں کہ جب اخبارات کے آدھے سے زیادہ صفحات نام نہاد (quack) پیروں، عاملوں، صوفیوں اور مرشدوں کے اشتہارات سے بھرے ہوئے ہیں، جو پلک جھپکتے میں تمام تکالیف کا ازالہ کرنے، حالات کو آپ کی توقعات کے عین مطابق ڈھالنے اور کاٹ پلٹ کے ماہر ہوتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ سب فراڈیے، دغا باز اور ریاکار ہیں تو انسان کہاں سے ''مرشد'' کو کھوجے۔ ایسے راہنما کو تلاش کرے جو اپنی ایک نگاہ پاک سے اس کے قلب کو بدل کر رکھ دے اور واقعی اس کی کایا پلٹ (transformation) جائے۔

اس سوال کا جواب بھی ہم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھتے ہیں۔ حضرت سلطان اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ نے ''مرشد کیا ہے؟'' سوال کے جواب میں فرمایا:

مرشد اسم فاعل اور ''رشد'' سے مشتق ہے جس کے معنی ارشاد ہدایت، راہبری، بھولے بھٹکے کے لیے چراغ اور نشان شناخت کے ہیں۔ یعنی مرشد گم کردہ راہ مسافروں اور ناکام و نامراد راہگیروں کو راہ دکھانے کے لیے راہنما اور سرچشمۂ ہدایت ہوتا ہے۔ راستہ کی پیچیدگیوں سے مکمل باخبر ہوتا ہے اس لیے صحیح و کامل راہبری (guidance) کرتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں مرشد معرفت الٰہی، قرب و دیدار و زندگی کے مقصد میں کامیابی کے لیے کامل و کامیاب وسیلہ ہوتا ہے۔ جو باکمال مراتب پر فائز اور باطن سے باخبر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا منظور نظر (favourite) و محبوب ہوتا ہے۔ دائم الوصال احوال و مستغرق فی انوار ذات ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہدایت و اجازت یافتہ ہوتا ہے۔ ایسا مرشد اپنے طالب کو نفس، شیطان و دنیا کے چنگل، بہکاوے (temptation) و فریب سے بچا کر مقام لَا تَخَفْ میں پہنچاتا ہے جہاں بندہ کو معرفتِ خداوندی کا عظیم انعام نصیب ہوتا ہے۔

مرشد کامل ہر ایک کے حال سے باخبر اور کامل تصرف کا مالک ہوتا ہے چنانچہ مرشد کامل فیض بخش، منبع ہدایت، نور الہدیٰ، شفاء بخش، روحانی امراض کا معالج و طبیب، سخی، یُحْیِ الْقَلْب وَ یُمِیْتُ النَّفْس (دلوں کو زندہ کرنے والا اور نفس کو مارنے والا ہوتا ہے) مجدد و محی الدین ہوتا ہے۔ طالبان مولا کے لیے محافظ و نگہبان، راہبرو

Marfat.com

رہنما ومنارہ نور، واصل باللہ کرنے والا، مریدین کے لیے شفیق وکریم اور دستگیر ہوتا ہے اور عوام کے لیے باعث رحمت وبرکت ہوتا ہے۔ چونکہ ہر ایک کے حال سے باخبر اور کامل تصرف کا مالک ہوتا ہے۔

حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرشد کامل وہ ہے جو طالب کے ہر حال، ہر قول، ہر فعل، ہر حالت معرفت وقرب ووصال اور ہر حالت خطرات ودلیل ووہم وخیال سے باخبر رہے۔ مرشد کو اس قدر ہوشیار ہونا چاہئے کہ وہ ہر وقت طالب کی گردن پر سوار رہے اور اس کی ہر بات اور ہر دم کی نگہبانی کرتا رہے۔ مرشد اس قدر باطن آباد ہو کہ طالب اسے حاضرات اسم ذات اللہ کی مدد سے ظاہر وباطن میں ہر وقت حاضر وناظر سمجھے اور اس سے کامل اعتقاد رکھے۔ ہر عام وخاص مرشدی کا اہل نہیں ہوتا۔ مرشد تو پارس پتھر (the philosopher's stone) کی مثل ہوتا ہے جسے چھو کر لوہا سونا بن جاتا ہے۔'' (کلید التوحید کلاں صفحہ 173)

''جان لے مرشد کے چار حروف ہیں یعنی ''م، ر، ش، د'' حرف ''م'' سے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور زندہ دلوں کو ایک ہی توجہ سے وحدانیت ''الا اللہ'' کا مشاہدہ کرا کے مجلس محمدی ﷺ کی حضوری بخشتا ہے۔ حرف ''ر'' کے طالب کو ریاضت سے رہائی دلا کر راز بخشتا ہے۔ حرف ''ش'' سے شر نفس وشر شیطان وشر خلق وشر دنیا شر سیاہ دلی اور ہر اس شر کے شر سے طالب کو نجات (redeem) دلاتا ہے کہ جس نے اس کے وجود کو جکڑ رکھا ہوا اور اسے اس قابل بناتا ہے کہ اس کے ساتوں اعضاء یعنی ہڈیاں ومغز وگوشت وچمڑا اور رگیں اور بال وغیرہ اسم اللہ ذات کے ذکر میں زبان کھولتے ہیں اور یوں ذکر اسم ذات اللہ سے اس کا جسم اور دل اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جس طرح کہ بہتے ہوئے دریا کا پانی اور اس کے جسم کا ہر عضو اللہ اللہ پکارنے لگتا ہے اور وہ اپنے لب بند کر کے استغراق مع اللہ میں گم ہو جاتا ہے۔ حرف ''د'' سے دم ودل طالب اللہ نظر مرشد سے بذریعہ قدم اثبات (حاضرات اسم ذات اللہ وکلمہ طیب لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ) غرق فنافی اللہ ذات ہو کر دنیا وآخرت میں زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ جو مرشد ان صفات سے متصف ہو وہ مرشد جامع وجمعیت بخش اور راہبر رحمان ہے اور جو مرشد ان صفات سے متصف (endowed) نہ ہو وہ مرشد ناقص وخام ہے۔''

(کلید التوحید کلاں)

گویا مرشد کامل راہ حق کے راہی طالبان مولا کے لیے راہبر وراہنما کشتی امان، دیدہ بان اور خود ملاح ہوتا ہے مرشد کو ''پیر'' یا ''شیخ'' بھی کہتے ہیں ظاہر کے ساتھ ساتھ باطنی ترقی وعروج کے لیے تعلیم کے ساتھ تلقین کرتا ہے اس لیے اسے معلم علم ربانی، عامل کامل اور مرشد مربی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت وپہچان بندہ کے فرائض میں سے فرض ہے اور ہر بندہ اپنی طلب اور حوصلہ کے مطابق اس مرتبہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تہتر کروڑ تر اسی لاکھ اور اکیس

Marfat.com

مراتب ہیں جو بندہ جس درجے مقام و مرتبے تک پہنچا وہاں تک وہ جانتا پہچانتا بھی ہے اور وہاں تک وہ راہبری بھی کرسکتا ہے۔ اس لیے دنیا میں سیکڑوں ایسے لوگ موجود ہیں جو راہبر کے بھیس (disguise) میں راہزن (highway man) ہیں، ہدایت کے بدلے گمراہی اور بدعقیدگی پھیلا رہے ہیں۔اصل میں یہی ناقص لوگ دوسرے بندوں کی نظر میں مرشدی و مشائخیت کے عظیم مرتبہ کو غلط ثابت کر رہے ہیں۔ پھر خاص طور پر جن لوگوں کی طلب ناقص ہوتی ہے وہ بھی کامل کی تلاش سے گریز کرتے ہوئے مرشد و شیخ کے مقام سے منکر (deny) ہو جاتے ہیں حالانکہ راہبر تو منزل دکھاتا اور اس تک پہنچاتا ہے جبکہ جو خود راستہ میں گم ہے وہ دوسروں کو بھی اپنے تک محدود کر لیتا ہے پھر اس کے طالب بالآخر شیطان و نفس کے چنگل (trap) میں آجاتے ہیں اور وہ بھی اپنے مرشد کی طرح مراتب اور مال و زر (lucre) کی خواہش میں پڑ جاتے ہیں۔لیکن کامل و اکمل کے نزدیک یہ تمام مراتبِ دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ عام طور پر علم و عرفان و کمال کا اندازہ یقین کے تین مراتب سے کیا جاتا ہے۔

یقین کے مراتب:

1- **علم الیقین:** یہ یقین کا پہلا مرتبہ ہے جس میں علمی و عقلی استدلال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا۔ اس درجے کی معرفت کا دارومدار محض قیل و قال پر ہوتا ہے جس کی پرکھ تخمین و ظن (speculation) یعنی علمی و عقلی اندازے سے ہوتی ہے جس سے تنقید و اختلاف کی صورت پیدا ہوتی ہے جیسے کہ آج کل موجود ہے۔

2- **عین الیقین:** یہ یقین کا دوسرا مرتبہ ہے۔عین الیقین یہ ہے کہ مشاہدہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا۔اللہ تعالیٰ کی معرفت کا یہ مرتبہ بھی درمیان ہے کیونکہ اس کا انحصار سنی سنائی باتوں کے بجائے مشاہدہ پر ہوتا ہے لیکن اس میں شیطانی استدراج کے دھوکے واقع ہوسکتے ہیں اور انسان ناقص مرشد کے باعث گمراہی کا شکار ہوسکتا ہے۔ اکثر ناقص مرشد اس مرتبہ پر ہوتے ہیں استدراج (deception) اور نفس و دنیا کے مشاہدات میں آکر اپنے آپ کو صاحب کرامت سمجھتے ہیں اور مرشد بن کر لوگوں کو اپنی طرف بلانا شروع کر دیتے ہیں۔

3- **حق الیقین:** یقین کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ نور بصیرت سے انوارِ الٰہی کے مشاہدہ کی تحقیق کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا۔معرفت حق تعالیٰ کا یہ کامل و مکمل درجہ ہے۔ مختلف مقام و مراتب پر اکتفا کرنے والے لوگ اپنے آپ کو مرشد و عارف بتاتے ہیں حالانکہ وہ کامل عارف نہیں ہوتے ایسے ناقص لوگوں کے بارے میں حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جان لے کہ دنیا میں مرشد نام، مرشد نان، مرشد قصہ خواں، مرشد لاف زن اہل زبان، مرشد پریشان اور مرشد حیوان بکثرت پائے جاتے ہیں اسی طرح طالب بھی بے شمار ہیں اور ایسے ہی عارف ہیں۔ عارف عام، عارف نام اور عارف اقتدام (آگے بڑھانا) بہت ہوتے ہیں۔اسی طرح عارف علم مطالعہ کتاب

Marfat.com

خوانی، عارف تلاوت حافظ قرآنی، عارف ذکر سلطانی، عارف ذکر قربانی، عارف عیانی، عارف نفسانی، عارف روحانی، عارف نانی، عارف حیوانی، عارف مسخرات خلق، بادشاہ، امراء صاحب مراتب بے جمعیت اہل نقش و دائرہ کشی پریشانی، عارف علم دعوت میدانی، عارف فرشتہ درحیرت مانی اور عارف جنونیت، شیطانی بھی بہت ہوتے ہیں لیکن ہزاروں میں سے کوئی ایک فقیر ہوتا ہے جو فناء فی اللہ عارف ربانی واقف اسرار سبحانی، عارف فناء، عارف بقاء، عارف محبوب، عارف مجذوب، عارف مرغوب، عارف مطلوب، عارف کشف الارواح اور عارف کشف القلوب ہوتا ہے۔(نورالہدیٰ)

مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عارف تین قسم کے ہوتے ہیں:

عارف دنیا، عارف عقبیٰ اور عارف مولیٰ۔

عارف دنیا: زر و مال وجان ور جوعات خلق کا طالب ہوتا ہے مرید کی ہڈیاں بیچ کھانے، خانقاہیں بنانے، زمین و آسمان کی سیر کرانے، کشف کرامات اور ظل اللہ (عادل بادشاہ) کی ملاقات کا طالب ہوتا ہے یہ مراتب مخنث (eunuch) (ہیجڑہ) کے ہیں عارف دنیا مرشد مخنث ہے اور اس کا طالب (seeker) بھی مخنث ہے۔

دوم عارف باللہ عقبیٰ: زاہد عابد اہل علم متقی پرہیز گار دوزخ کے خوف سے ڈرنے والا اور بہشت کی خاطر عبادت کرنے والا (worshipper) اس کے مراتب مؤنث (عورت) کے ہیں۔ اس کا طالب بھی مؤنث ہے۔

سوم عارف باللہ عارف مولا: توحید میں غرق صاحب حضور دنیا و عقبیٰ سے دور تصور اسم ذات اللہ میں مسرور ہوتا ہے۔''(عین الفقر)

مرشد ناقص طالب کو چلہ کشی، ریاضت اور پھر اپنی خدمت پر لگاتا ہے جبکہ طالب صادق جب عارف باللہ فنا فی اللہ مرشد کامل اکمل کے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ اسے ایک ہی توجہ سے ایک ہی دم اور قدم پر وحدت میں مستغرق کر دیتا ہے۔

طالب اللہ کو چاہئے کہ پہلے وہ کامل اکمل مرشد کی تلاش کرے پھر اس سے تلقین حاصل کرے۔

''مرشد کی دست بیعت کے بغیر ذکر کی تلقین اور یقین کی تصدیق حاصل نہیں ہوتی خواہ ساری عمر ہی کیوں نہ پڑھتا رہے باطنی معرفت سے ہمیشہ محروم (deprived) رہے گا۔ عالم سے ظاہری تعلیم حاصل ہوتی ہے لیکن مرشد کامل سے باطن میں معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔''(قرب دیدار)

حضرت سخی سلطان باہو صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نظر میں سب سے زیادہ شان وکمال کا مالک سروری قادری مرشد ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''ہر طریقہ خرقہ پوش ہے لیکن قادری طریقہ محبت و معرفت توحید الٰہی کا دریا نوش ہے ہر طریقہ میں سجادگی ہے لیکن قادری طریقہ میں غرق فناء فی اللہ ہو کر نفس سے آزادگی (deliverance) ہے ہر طریقہ میں قائم مقام ہے لیکن قادری طریقہ میں ہدایت معرفت و فقر ہے۔ ہر طریقہ میں جبہ و دستار ہے لیکن قادری طریقہ میں مشاہدہ جمال حضور اور شرف دیدار ہے ہر طریقہ میں ورد و تسبیح ہے قادری طریقہ میں غرق وحدت و نفس ذبح ہے۔''

مرشد کامل کی نشانی کیا ہے؟ پل بھر (in a jiffy) میں دونوں جہاں سے گزار لے جانے والا۔ مرشد کامل کی نشانی کیا ہے؟ ایک ہی نظر میں غرق استغراق کر دیتا ہے۔ مقام فنافی اللہ میں وہ قصہ خواں نہیں ہوتا نہ ہی زبانی ذاکر ہوتا ہے مرشد کامل کی نشانی کیا ہے؟ اس کی ایک نظر بہتر ہے عبادت جاوداں ہے۔ مرشد کامل کی نشانی کیا ہے؟ ہاتھ پکڑ کر وہاں لے جاتا ہے جہاں امن ہی امن ہے۔ فرمان حق تعالیٰ ہے:

''وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ امِنًا.''

ترجمہ: ''جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا۔''

اے مُردو! (نامرد) کوشش کرتا کہ نامردی (impotence) کے مرتبہ سے نکل کر مرتبہ مردی حاصل کر لے۔ مرتبہ نامردی کیا ہے؟ مرتبہ مرد کیا ہے؟ نامردی کا مرتبہ یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نفس و شیطان سے لڑتا ہے اور مرتبہ مرد غازی یہ ہے کہ ایک ہی وار سے اغیار نفس کے سر کو ہوا و ہوس سے جدا کر دے تا کہ ہر وقت کے محاربہ سے نجات مل جائے۔ استقامت بہتر ہے کرامت سے۔

مرشد کامل کی نشانی کیا ہے؟ بغیر حضوری ذکر کا حکم دنیا طالبوں کے لئے سیکڑوں گناہ اور ہزاروں زیان کا موجب ہے۔ کیونکہ مرشد کامل صاحب استغراق ہوتا ہے اور ذکر دوری و ہجر و فراق کا نام ہے۔ صاحب مسمّٰی کا ذکر سے کیا تعلق؟ پس مرشد کامل مکمل واصل اسے کہتے ہیں جو غیر ماسواء اللہ سے باہر نکال لائے اور دفتر پریشان کو دھو ڈالے اور ریاکارانہ (ostentatious) ریاضت کی جستجو نہ کرائے۔ (عین الفقر)

سُن مرشد کامل مکمل وہ ہے جو اسم ذات اللہ یا اسم محمد ﷺ کا نقش لکھ کر طالب اللہ کے ہاتھ میں تھما دے اور اس کا مشاہدہ کرا دے۔ جو طالب اللہ اس نقش کا مشاہدہ کرتا ہے بے شک وہ صراط مستقیم پا لیتا ہے جو طالب ایسے مرشد سے روگردانی کرتا ہے وہ یقیناً اسم ذات اللہ اور اسم محمد رسول اللہ ﷺ سے روگردانی (disaffiliate) کرتا ہے پس جبکہ کلمہ طیب بھی یہی دو اسماء ہیں اس لئے درحقیقت وہ کلمہ طیب سے روگردانی کرتا ہے اور جو کلمہ طیب سے روگرداں و منحرف ہوتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد (apostate) کی نماز، روزہ اور کسی بھی قسم کی عبادت قبول نہیں۔ (عین الفقر)

مرشد کامل کی پہچان یہ ہے کہ وہ طالب صادق کو آٹھ چیزیں عطا کرتا ہے۔ طالب خطا سے محفوظ رہے اور اگر خطا کرے بھی تو مردود نہ ہو۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں:

Marfat.com

1- صدق المقال (سچ بولنا)

2- اکل الحلال (حلال کھانا)

3- طاعت

4- ہمت وتوفیق

اور چار چیزیں جن کا تعلق باطن سے ہے:

1- ذکرِ زوال جن سے تمام چیزیں ذکر کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

2- ذکرِ کمال جن سے جملہ فرشتے ذاکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

3- ذکرِ حال سے جملہ انبیاواولیا ازل تا ابد مومن مسلم کی ارواح ملاقات کرتی ہیں۔

4- ذکرِ احوال سے ذاکر غرق فی التوحید ہوکر نور حضور کے لازوال مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کا وجود پاک ہوکر معرفت الٰہی و مجلس محمدی ﷺ کی حضوری کے قابل ہوجاتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

''جان لے کہ قادری طریقہ بادشاہ ہے اور دوسرے تمام طریقے اس کے فرمانبردار محکوم و رعیت ہیں۔'' (نور الہدیٰ)

''تمام طریقوں کی جہاں انتہا (end) ہوتی ہے وہاں سے سروری قادری کی ابتدا (beginning) ہوتی ہے۔''

مرشد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے سلطان العارفین کا یہ شعر یاد رکھنا چاہئے:

ذاکر آں بے سر بود اسرار دار

بین اولش دیدار بعد از اعتبار

ترجمہ: ''سرفروش ذاکر (طالب) صاحب اسرار ہوتے ہیں، پہلے وہ دیدار الٰہی کرتے ہیں پھر اعتبار کرتے ہیں۔''

(بحوالہ......مرشد کامل......مؤلف ڈاکٹر طالب مولا مصری)

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ مرشد کمال کی پہچان آخر کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طالب مولا جب تلاش حقیقت کے لیے سفر کا آغاز کرتا ہے تو اس کے لیے مرشد کامل کا ہاتھ پکڑنا لازم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اب مرشد کامل کی پہچان کیا ہے؟ وہ کیسی شخصیت کا مالک ہونا چاہئے جس کے پاس جا کر بندہ اس کی صحبت اختیار کرسکے اور اس سے سبق طریقت پڑھے اور خاص طور پر آج کل کے مشکل ترین اور پرفتن دور میں کامل کی پہچان اور بھی مشکل ترین کام ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوالعباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی معرفت آسان ہے لیکن ولی اللہ کی حقیقت کی معرفت مشکل اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال و جمال کی وجہ سے معروف ہے لیکن ولی اللہ ایک مخلوق، اس لیے مخلوق کی معرفت مشکل ہے کیونکہ وہ انہی کی طرح احکام شرع کی پابندی کرتا ہے لیکن اس کا باطن انوارِ فقر میں مشغول ہے اس لیے اس کی معرفت مشکل ہو جاتی ہے۔'' (روح البیان)

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان کی ظاہری شکل (appearance) کو ہر کوئی دیکھتا ہے لیکن ان کی حقیقت (reality) کسی کو معلوم نہیں ہوتی کسی خوش بخت کو ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔'' اگر کسی قوم کو ان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ ان لوگوں کے لیے بمنزلہ محبت ہو جاتی ہے کہ اگر انہوں نے ان کی قدر و منزلت کے مطابق تعظیم و تکریم کی تو کامیاب و کامران رہیں گے۔ اگر ان سے ان کی مخالفت سرزد ہوئی یا معمولی گستاخی و بے ادبی ہوئی تو مارے جائیں گے اور خاتمہ خراب ہوگا۔ (روح البیان)

اگر طالب صدق ہو تو مرشد کامل کی پہچان آسان ہے کہ وہ اسے اپنے مطلب سے پہچانتا ہے۔ بعض لوگوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کے گمراہی (misguidance) کے دور میں مرشد کامل کا ملنا ناممکن ہے۔ اس لیے اس کی طلب اور تلاش تو اپنی جگہ وہ تو سرے سے ہی انکار کر دیتے ہیں حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بے راہ روی (perversion) کے دور میں بھی اہل اللہ موجود ہیں جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

''میری امت میں کچھ لوگ قیامت تک دین حق پر قائم رہیں گے۔'' (قلم)

دوسری حدیث میں ہے:

''قیامت نہیں آئے گی جب تک زمین پر اللہ والے لوگ موجود ہیں۔''

ان لوگوں کی تلاش کرنا ان کی صحبت اختیار کرنا ہم پر فرض ہے۔

فرمان حق تعالیٰ:

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔'' (القرآن)

سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر علم و عالم و فقر کامل نہ ہوتے تو جہان میں بچے کھیل کود میں اور جوان تکبر کے ساتھ مستی و ہوا میں اور بوڑھے غیبت (backbiting) و گپ شپ میں لگے رہتے اور ہر گز کھیل کود و مستی و ہوا و غیب سے باز نہ آتے۔'' (عین الفقر)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

ترجمہ: ''میرے اولیا میری قبا کے نیچے ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' (حدیث قدسی)

تاہم ایسے حقائق وشواہد بھی موجود ہیں جن سے بندہ با آسانی راہنمائی حاصل کر کے مقصد تک پہنچ سکتا ہے۔علما ومحقق حضرات نے مرشد کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

1-مرشد شریعت۔ 2- مرشد طریقت۔ 3-مرشد معرفت۔ 4-مرشد حقیقت۔

اگر کسی طالب کو جامع صفت مرشد کامل مل جائے تو اس کی خوش نصیبی۔اسی طرح تکوینی امور واختیار اور باطنی عہدہ کمال کے لحاظ سے مختلف درجات ومقامات مقرر ہیں، انہیں رجال الغیب کہا جاتا ہے۔جن کے ذمہ نظام کائنات چلانے کی کوئی نہ کوئی ذمہ داری سونپی (assign) گئی ہے۔

ان میں سلطان الفقر سب پر حاکم اور مقام محمدی ﷺ پر فائز ہوتا ہے تمام فقرا اولیا عامل اور تکوینی امور چلانے والے سب کے سب سلطان الفقر سے فیض پاتے ہیں جو سلطان الفقر کو نہیں مانتا اس سے عہدہ لے لیا جاتا ہے اور اس کا ایمان سلب (take away) ہو جاتا ہے۔گویا سلطان الفقر نائب رسول، محی الدین ومجدد دین ہوتا ہے اور پورے نظام باطن تکوینی امور واختیار اور روحانیت کے میدان میں شیر شہسوار، نور الہدیٰ، صاحب جمعیت، قطب الاقطاب، شیخ المشائخ اور مظہر ذات (witness to Allah) ہوتا ہے۔سلطان الفقر ہستی کا فیض ہر زمانے میں ہوتا ہے۔(زمانہ کی مدت مقید نہیں)

حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''چونکہ اسم ذات اللہ جامع جمیع صفات ومنبع جمیع کمالات ہے لہذا وہ اصل تجلیات اور رب الارباب کہلاتا ہے۔اس کا مظہر جو عین ثانیہ ہو گا وہ عبداللہ عین الاعیان ہو گا۔عبداللہ اسم محمد اور رب الارباب اور اسم اعظم (the Ineffable Word) ہے ہر زمانے میں ایک شخص قدم محمد ﷺ پر رہتا ہے جو اپنے زمانے کا عبداللہ ہوتا ہے۔اس کو قطب الاقطاب وغوث کہتے ہیں۔ جو عبداللہ یا محمدی المشرب ہوتا ہے وہ بالکل بے ارادہ، تحت امر اور قرب فرائض میں رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو کچھ کرنا ہوتا ہے اس کے توسط سے کرتا ہے۔ (فصوص الحکم 232)

اسی طرح حضرت شیخ مؤید الدین جندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسم اعظم وہ ہے جس کا ذکر مشہور ہو چکا ہے، جس کی خبر چار سو پھیل گئی ہے، جس کا چھپانا لازم اور ظاہر کرنا حرام ہے۔وہ حقیقتاً ومعناً عالم حقائق ومعنی سے ہے اور صورت والفاظ سے ہے۔جمیع حقائق کمالیہ سب کی سب احادیث کا نام حقیقت ہے اور اس کے معنی وہ انسان کامل ہے جو ہر زمانہ میں ہوتا ہے یعنی وہ قطب الاقطاب اور امانت الٰہیہ کا حامل اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (deputy; caliph) ہوتا ہے اور اسم اعظم کی صورت ولی کامل کی ظاہری صورت کا نام ہے۔'' (تفسیر روح البیان از محمد اسماعیل حقی رحمتہ اللہ علیہ ترجمہ اویسی صاحب

Marfat.com

رحمتہ اللہ علیہ)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فقر (sainthood) ایک صورتِ نور ہے جسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت نصیب رہتی ہے۔ یہ ایک فیض بخش صورت ہے جس کا نام سلطان الفقر ہے۔ سلطان الفقر کا نور آفتاب سے زیادہ روشن اور اس کی خوشبو کستوری (musk) وگلاب وعنبر وعطر کی خوشبو سے زیادہ فرحت بخش ہے۔ جو شخص دوران خواب سلطان الفقر کی زیارت کر لیتا ہے۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور حضور اس خوش نصیب کو باطن میں دست بیعت کر کے تلقین فرماتے ہیں۔'' (کلید التوحید کلاں)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہر صدی کی ابتدا میں ایک ایسا بندہ مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید (revive) فرمائے گا۔'' (روح البیان رواہ ابوداؤد فی سنہ)

ایسی ہستی کامل (مرشد اکمل) کو صورت و سیرت سے پہچانا جاتا ہے بشرطیکہ دل میں سچی طلب ہو کیونکہ جو پورے جذبہ ذوق وشوق سے مرشد کی تلاش کرتا ہے تو کبھی مایوس نہیں لوٹتا اور جس کے دل میں معمولی کجی (crookedness) (ٹیڑھ) ہوتی ہے وہ اس تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''جس نے اپنے زمانے کے امام کو ادراک قلبی سے دریافت نہیں کیا پس تحقیق وہ جہالت (کفر) کی موت مرے گا۔''

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کیست کافر بے خبر ز ایمان شیخ
کیست مردہ بے خبر ز جان شیخ

ترجمہ: ''(یعنی) کافر ہے وہ جو شیخ (مرشد) کی قوت ایمانی سے ناواقف ہے اور مردہ ہے وہ شخص جو کامل مرشد کی روحانی طاقت سے بے خبر ہے۔''

فرمان حق تعالیٰ:

''مَنْ طَلَبَنِیْ فَقَدْ وَجَدَنِی.'' (جو میری طلب کرتا ہے وہ مجھے پا لیتا ہے)

اللہ تعالیٰ چونکہ نہ زمین میں سما سکتا ہے اور نہ آسمانوں میں بلکہ بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہے۔ جہاں اس کی سمائی ہے وہاں سے انوار و صفات کا اظہار (reflect; emanate) ہوتا ہے جن سے طالب پہچان حاصل کر لیتا ہے۔

Marfat.com

مرشد کامل کو مندرجہ ذیل صفات (characteristics) سے پہچانا جاتا ہے:

مرشد کامل کی پہلی صفت ونشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو حق ذات کی پہچان معرفت وقرب کی دعوت دے گا اور اس کی صحبت میں رہنے والے طالب (مرید) دونوں جہان سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے یعنی وہ طالب دنیا و طالب عقبیٰ سے طالب مولا بن چکے ہوں گے۔ کسی مرشد کے کمال کا اندازہ اس کے طالب (مریدین) سے لگایا جاتا ہے اگر اس کے طالب (مریدین) دنیا کی طرف توجہ رکھتے ہیں تو مرشد بھی اہل دنیا سے ہے۔ اگر طالب عقبیٰ کی خواہش رکھتے ہیں تو مرشد اہلِ جنت سے ہے اگر طالب (مریدین) ماسواء اللہ کے کسی کو طلب (seek after) نہیں کرتے تو سمجھ لیں ان کا مرشد کامل ہے۔ یعنی مرشد کامل کی دعوت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اس تعلیم وتلقین ونظر نگاہ سے ایک عام آدمی طالب مولا بن جاتا ہے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے

دوسری شناخت کہ جس کا سلسلۂ طریقت آخر میں یا درمیان میں یا شروع میں نبی پاک ﷺ سے منقطع (delink) ہو فیض محمدی ﷺ سے محروم اور گمراہ ہوتا ہے۔ ایسا مرشد جتنا بھی کمال ظاہر کرے بالآخر اس کے طالب گمراہی وجہالت کے گڑھے (abyss) میں جا کر گرتے ہیں اور روسیاہ رہتے ہیں۔ مرشد کامل جامع جمعیت، صحیح العقیدہ، سنت نبوی ﷺ پر کاربند اور باطنی رابطہ واتصال رکھتا ہو۔ جو مرشد شریعت اور سنت مبارکہ پر صدق دل سے عامل نہیں اس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''اگر تم کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا (levitate) دیکھو یا آگ کھاتا ہوا دیکھو یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو اور وہ میری سنتوں میں سے کسی ایک سنت کا تارک (relinquisher) ہو تو اسے جوتے مارو کہ وہ شیطان ہے اور اس سے جو کچھ صادر (emanate) ہو رہا ہے وہ محض استدراج (deception; fraud) ہے۔'' (الحدیث از عین الفقر)

حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اے عاقل اے طالب دیکھ یہ مشائخ طریقت وارباب حقیقت سب کے سب شریعت مطہرہ کی تعظیم کررہے ہیں اور کیوں نہ کریں کہ وہ اصل نہ ہوئے مگر اسی تعظیم اور اسی سیدھی راہ پر چلنے کے سبب ان سے یا ان کے سوا اور اولیا کاملین کے سرداروں میں سے کسی سے بھی منقول نہیں کہ اس نے شریعت مطہرہ کے کسی حکم کی تحقیر (ridicule) کی ہو یا اس کے مقبول کرنے سے باز رہا ہو بلکہ وہ سب اس کے حضور گردن رکھے ہوئے ہیں اور اپنے باطنی علوم کی بنیاد سنت محمدی ﷺ پر رکھتے ہیں۔'' (تصوف وطریقت)

اکمل ہستی کی ظاہری صورت پر اسم ذات اللہ کا رنگ چڑھا ہوتا ہے ایسے بے مثل رنگ کی کوئی مثال و

Marfat.com

تشبیہ نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ کا رنگ لیا ہے اور بھلا اللہ کے رنگ سے بڑھ کر اور کس کا رنگ بہتر ہے۔'' (البقرہ)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ قلب نفس اور جسم کا رنگ ولی کامل (مرشد اکمل) کے قلب قالب اور جسم پر چڑھ جاتا ہے اور یہی صبغتہ اللہ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ رنگ بلا واسطہ صحبتِ رسول اللہ سے حاصل ہوا اور نائبین کو یہ ایک یا چند واسطوں کے بعد حاصل ہوا۔'' (قرب الٰہی)

حدیث شریف میں ہے:

''اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نہ انبیا علیہم السلام ہیں اور نہ شہدا لیکن قیامت میں ان کے درجات کو دیکھ کر انبیاء اور شہدا رشک کریں گے۔عرض کی گئی حضور ﷺ وہ کون سے حضرات ہوں گے ہمیں ان کا تعارف کروائیے اور ان کے اعمال بھی بتائیے۔(تا کہ ہم بھی اس زمرہ (category) میں شامل ہو سکیں) یا کم از کم ان سے محبت کر سکیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:''وہ ہیں جو رشتہ داری اور مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کریں گے بخدا ان کے چہرے انوار سے چمکتے ہوں گے اور نور کے منبروں (pulpits) پر بیٹھیں ہوں گے اور قیامت کے دن جبکہ اور لوگ خوفزدہ ہوں گے انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم سے مر رہے ہوں گے وہ ہر قسم کے غم سے محفوظ ہوں گے۔'' (روح البیان)

حضرت عبداللہ سلمٰی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اولیا کرام کی کوئی علامت ہے جس سے ہم انہیں پہچان سکیں کہ واقعی یہ اولیا اللہ ہیں۔فرمایا: ان کا کلام نرم اور خلق حسن میں یکتا اور چہرے پر بشاشت (cheerfulness) ٹپکتی ہے اور وہ سخاوت (magnanimity) کرتے ہیں اور ہر ایک سے شفقت سے پیش آتے ہیں اور ہر ایک کا عذر قبول کر لیتے ہیں۔

مرشد کامل کی صورت دیکھ کر ہر بندہ اس کے دامِ محبت میں آ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے: اے جبرائیل میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔تو جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتا ہے۔پھر آسمان میں منادی کرتے ہیں: اے اہل آسمان اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔پھر سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر زمین میں اس نیک بندے (مرشد کامل) کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے اور زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔(مسلم شریف)

تفسیر مظہری میں حضرت اسما بنت یزید سے نقل ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: کیا میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں جو سب سے بہتر ہیں۔صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

ضرور بتائیے۔فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان کا دیدار ہو اللہ یاد آ جائے کیونکہ ان کا دل ایسا آئینہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات (splendours) کا عکس پڑا ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اولیا اللہ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''وہ لوگ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد آئے۔'' (بغوی)

شیخ ابومدین قدس سرہ نے فرمایا کہ شیخ کامل وہ ہے جو سالک کو سیرت حسن کی تصویر بنا دے اور ہر قدم راہِ راست پر پہنچا دے اور معرفت الٰہی کے انوار سے قلب کو منور (illuminate) فرما دے، غیوبیت سے ہٹا کر مشاہدہ بھی لگا دے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرشد کامل طالب اللہ کو تصور اسم ذات اللہ کے ذریعے معرفت و دیدار کا سبق دیتا ہے اور دنیائے جیفہ مردار (carrion) سے بیزار کر کے ہزار ہا بار توبہ کراتا ہے مرشد کامل وہ ہے جو تصور اسم ذات اللہ سے معرفت دیدار منکشف کرتا ہے اور پھر اسم ذات اللہ میں سے لوٹ آتا ہے کیونکہ ابتدا و انتہا کا کوئی مرتبہ بھی اسم ذات اللہ سے باہر نہیں۔'' (نور الہدیٰ)

آپ رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

''جو فقیر مکمل طور پر فناء فی اللہ (Oneness with Allah) ہو جاتا ہے وہ مرشد کامل ہوتا ہے ایسا مرشد کامل طالب صادق کو پہلے ہی روز علم دیدار کا سبق دیتا ہے۔'' (نور الہدیٰ)

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد کامل کو تین نشانیوں سے پہچانا جاتا ہے۔

1- جب مرشد کامل کی صورت (چہرہ) پر پہلی نظر پڑے تو گواہی دے اور اس قدر اطمینان ہو کہ دل یہ خواہش کرے اس نورانی چہرے کو بس دیکھتا ہی رہوں۔

ایہہ تن میرا چشماں ہووے
میں مرشد ویکھ نہ رجاں ھو

2- جب مرشد کامل کی گفتگو سنے تو پھر اس کے دل میں خواہش پیدا ہو کہ ایسی پر لطف گفتگو ہوتی رہے اور میں سنتا رہوں۔

3- اگر وہ مرشد کامل کی صحبت میں بیٹھے تو اس میں خواہش پیدا ہو کہ اس کی صحبت میں ہی رہوں۔

مرشد کامل کی شخصیت اس قدر مسحور کن (charming) اور نورانی ہوتی ہے کہ طالب اس کے حلقے میں آ کر فرحت، آسودگی، آزادی اور خوشی محسوس کرتا ہے طالب اللہ کو مرشد کامل پہلے روز ہی سبق دیتا ہے کہ اپنے نفس کو طابع فرمان کر کے اہل صفا میں سے ہو جایا یہ کہ نفس کی انانیت (conceit) و ہستی کو فنا کر دے یہ کام اسم

Marfat.com

اللہ کی حاضرات کے سبب تکمیل پاتا ہے ہر آدمی کے وجود کا ایک مرتبہ ہے اور ہر مرتبے کے آدمی یعنی اہلِ نفس، اہلِ قلب، اہلِ روح، اہلِ سِرّ اور اہلِ توفیق نور الٰہی کی اپنی الگ الگ صورت ہے جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے چنانچہ نفس امارہ (one's baser self) والے کی صورت کو اس سے جاننا چاہئے کہ وہ ترش اور بدخو ہوگا جو بات کرے گا جہالت کی کرے گا چاہے وہ کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو یعنی اس کی گفتگو میں قہر غضب اور غصہ ہوگا۔ صاحب قلب صفا دل ذاکر کی صورت اس بات سے پہچانی جائے گی کہ اس میں محبت ہوگی اخلاص ہوگا اور اس کی گفتگو میں وہ تاثیر ہوگی کہ سننے والے کو لذت آئے گی اور وہ روشن ضمیر (godly) ہو جائے گا اہل روح ذاکر کی صورت کو اس بات سے پہچاننا چاہئے کہ اس کا ہر بول پُر اخلاص اور منافقت (hypocrisy) سے پاک ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ سے یگانگی کی تاثیر بخشے گا۔ صاحب سِرّ کی صورت کو اس بات سے پہچانا جائے گا کہ صاحب سِرّ کی زبان کے ہر بول میں مشاہدہ اسرار ربانی کا بیان ہوگا اس کا جسم دنیا میں ہوتا ہے مگر جان لامکان میں اس کی گفتگو میں وہ تاثیر ہوتی ہے کہ سننے والے کے وجود میں حیا (modesty) اور ادب پیدا ہوتا ہے اور صاحب توفیق (مرشد کامل اکمل) کی صورت کو اس بات سے پہچاننا چاہئے کہ وہ ہمیشہ طاعت و بندگی میں عاجزی و انکساری (humility) سے سر جھکائے پورے صدق کے ساتھ اپنے معبود کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے اس کی بول چال میں وہ تاثیر ہوتی ہے کہ جس سے یہودی صفت نفس امارہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ یہ سب صورتیں وجود میں جمع ہو جاتی ہیں تو مجموعی طور پر وجود نیک سیرت ہو جاتا ہے اس میں مشاہدے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے وجود میں صورت نور الٰہی ظاہر ہوتی ہے۔ صورت نور الٰہی لازوال کو اس بات سے پہچاننا چاہئے کی اس (طالب) کے منہ سے نکلنے والی ہر بات سے مشاہدہ ربانی و قرب و حضور کی بدولت نور الٰہی جھلکتا ہے۔ (کلید التوحید خورد)

اللہ تعالیٰ کے بعض محبوب بندے اس طرح رہتے ہیں کہ ان کی پہچان عام علامات سے کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

اس فکری انحطاط (intellectual decadence) اور پرفتن غیر آسودہ ماحول میں جہاں انسان کی حقیقت کو پامال (trample) کیا جا رہا ہے اس کی حالت پس خوردہ اور لاغر کر دی گئی، اس کی ترقیِ باطن کو کمالِ عرفان کے بجائے فلسفہ اور جادو، زہد، خلوت، ریاضت کو بدعت قرار دیا گیا ہے۔ تصوف پر بے شمار وخطرناک حملوں اور پرحوادث ماحول بنانے میں جن مخالفین کا ہاتھ ہے ان میں ایسے لوگ بھی شمار ہیں جو پیر، شیخ کے روپ میں اس پُرعظمت اور اللہ تعالیٰ کے محبوب مکرم بندوں کے منصب و مقام کو بدنام (discredit) کر رہے ہیں یہ لوگ راہبر کی صورت میں راہزن، سادھ کی صورت میں چور، خیر خواہ کی صورت میں دشمنِ جان، بزرگ کی صورت میں اصل شیطان اور خطرناک ترین ہیں۔

Marfat.com

صحبت شیخ کے متعلق محدثین وفقہا اور صوفیائے کرام نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ فقیہہ محدث احمد شہاب الدین بن حجر ہیثمی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں کہ سالک کے لیے بہتر ہے کہ ان معارف کو حاصل کرنے سے قبل ان امور پر کاربند رہے جن کا حکم اس کے شیخ کامل نے دیا ہے کیونکہ اس کا شیخ ہی طبیب (physician) اعظم ہے وہ ہر ایک کو اس کی بیماری اور مزاج کے مطابق دوا تجویز (recommend) کرتا ہے اور اسے وہی غذا دیتا ہے جو اس کے لیے فائدہ مند ہو۔

شیخ الاسلام ابراہیم باجوری رحمۃ اللہ علیہ ''جوہر توحید'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''یعنی اخلاق کے ساتھ متصف ہو جا جن پر بہترین لوگ کاربند رہے۔''

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی شیخ کے ہاتھ پر ریاضت کی منازل طے کرنا زیادہ منافع بخش ہے کیونکہ صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے لیے ایک مردِ کامل کا حال ایک آدمی کو ہزار آدمیوں کے وعظ سے بہتر ہے۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے جو قرآن وسنت کو جاننے والا ہو یعنی بیعت کرنے سے پہلے اسے پرکھ لے۔ اگر وہ قرآن وسنت پر عمل پیرا ہو تو اس کی صحبت کو لازم پکڑے اس کے حضور مؤدب رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی توبہ سے اس کا دل صاف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا والی ہے۔

1- سالک کو چاہئے کہ وہ شیخ عارف کی صحبت اختیار کرے جو اس کو ہلاکتوں سے بچائے۔

2- اس کے دیدار سے اللہ یاد آتا ہو اور بندہ کو مولیٰ تک پہنچائے۔

3- اپنے ہر ہر سانس کا محاسبہ کرے اور اپنے خواطر کا ترازو (balance) میں وزن کرے۔

4- فرائض جو کہ راس المال ہے اس کی حفاظت کرے اور نوافل جو کہ سراسر نفع ہے اس پر مواظبت اختیار کرے۔

5- خالی الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور ان تمام امور نوافل میں اعانت مولیٰ اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ عالم اگرچہ علم میں تبحر (a great scholar) ہو اور اپنے زمانہ کا یکتائے روزگار بن جائے تو بھی اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے علم پر اکتفا کرے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اہل طریقت کی بارگاہ میں حاضر ہوتا کہ وہ اس کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کریں یہاں تک کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جن کے تصفیۂ باطن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں الہام (inspiration) فرماتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ دنیاوی آلائش سے چھٹکارا حاصل کرے اور اس کے علم میں جو حرص وہوا اور نفس امارہ کی آلائش ہو چکی ہے اس سے اجتناب (avoid) کرے تاکہ اپنے دل کو علم لدنی سے فیض یاب کرنے کے لیے تیار کرلے اور مشکوٰۃ

Marfat.com

نبوۃ کے انوار حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔ یہ عموماً ایسے شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ جو نفسانی امراض کے علاج اور نفس کو معنوی نجاسات سے پاک کرنے کا طریقہ جانتا ہوتا کہ وہ اسے نفس امارہ کی رعونت (haughtiness) اور اس کی خفیہ فریب کاریوں سے نجات دلائے۔

اہل طریقت کا اجماع (consensus) ہے کہ انسان پر کسی شیخ طریقت کی بیعت کرنا واجب ہے جو اسے ان صفات کو زائل کرنے کا طریقہ بتائے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری سے مانع ہو۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کی جماعت میں داخل ہونا فرض عین ہے کیونکہ انبیا کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخص قلبی امراض اور عیوب سے خالی نہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں ابتدا میں احوالِ صالحین اور مقاماتِ عارفین کا منکر تھا حتیٰ کہ میں اپنے مرشد یوسف نساج کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ وہ مجاہدہ کے ساتھ میرے دل کی صفائی کرتے رہے یہاں تک کہ میں واردات سے مشرف ہوا اور میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ اے ابو حامد! اپنی مشغولیات کو چھوڑ دو اور اس قوم کی سنگت اختیار کرو جن کو میں نے زمین میں اپنی توجہ کا مرکز ٹھہرایا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری محبت میں دارین (دنیا و آخرت) کا سودا کر دیا۔ میں نے عرض کی: باری تعالیٰ مجھے ان کے بارے میں حسن ظن (good judgement) عطا فرمایا۔ میں نے عطا فرما دیا۔ دنیا کی محبت میں مشغول نہ ہونا یہی تیرے اور ان کے درمیان دیوار ہے اس کی محبت سے خود بخود دستبردار ہو جا۔ قبل اس کے کہ تجھے مجبوراً اس سے ہاتھ اٹھانا پڑے۔ اے غزالی! میں نے تجھ پر جوارِ قدس سے اپنے انوار کی بارش کر دی۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ میں خوشی خوشی بیدار ہوا اور شیخ یوسف نساج کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب ذکر کیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا: اے ابو حامد! یہ تو ہمارے ابتدائی اشارے (intimations) ہیں اگر تو نے ہماری صحبت جاری رکھی تو تیری بصیرت (insight) کو تائید الٰہی کا سرمہ لگا دیا جائے گا۔

شیخ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص طریقت اور راہِ سلوک کو اپنانے کا پختہ عزم رکھتا ہو اسے چاہئے کہ کسی شیخ کی تلاش کرے جو اہل تحقیق میں سے ہو اور طریقت کے اسرار و رموز سے واقف اور نفس کا تابع (slave) نہ ہو اسے مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری حاصل ہو اور جب اسے ایسا مرشد مل جائے جو ان تمام صفات کا جامع ہو اسے چاہئے کہ وہ اس کی حکم کی اتباع کرے اور جن چیزوں کو ترک کرنے کا حکم دے ان سے رک جائے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہارا شیخ وہ نہیں جس سے تم نے کچھ سنا ہو بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس سے تم نے کچھ حاصل کیا ہو۔ تمہارا شیخ وہ نہیں جس کا کلام تم نے سنا ہو بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس کا ایک اشارہ تم میں سرایت (pervade) کر جائے۔ تمہارا شیخ وہ نہیں جو تمہیں دروازہ کی طرف بلائے بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہارے تمام حجابات اٹھا دے اور تمہارا شیخ وہ نہیں جو تمہیں اپنے حال سے بلند مقام پر فائز کر دے، تمہارا شیخ وہ

Marfat.com

ہے جو تمہیں حرص و ہوا کے قید خانے سے باہر نکال کر مولیٰ سے ملا دے۔ فرماتے ہیں کہ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہارے دل کے آئینہ کو صیقل (burnish) کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں انوار الٰہی اور اس کی تجلیات کی بارش ہو جاتی ہے اور تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک لے جائے اور اس سفر میں تمہارے ساتھ قدم بقدم چلتا رہے حتیٰ کہ بارگاہ قدسی کے انوار میں داخل کر کے کہے: یہ ہے تمہارا پروردگار۔ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کی صحبت اختیار نہ کر جس کا حال تمہاری بلندیٔ درجات کا سبب نہ ہو اور جس کا حال اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی نہ کرے۔

امام ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ غوثیہ میں فرماتے ہیں:

☆...... اگر تیرے لیے مقدر ساز گار ہو اور قضا تجھے ایسے شیخ کامل کی بارگاہ میں لے جائے جو رموز حقیقتِ سے آشنا (acquainted) ہو تو۔

☆...... تو اس کی خوشنودی میں مصروف ہو جا اس کے حکم کی اتباع کر اور ان تمام امور کو ترک کر دے جن میں پہلے جلد بازی (rashness) کرتا تھا۔

☆...... اور شیخ کے جن امور سے تو ناواقف ہو ان پر اعتراض نہ کر کیونکہ اعتراض کرنا لڑائی جھگڑے کے مترادف ہے۔

☆...... حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ تیرے لیے کافی ہے جب انہوں نے بچہ کو قتل کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر اعتراض کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مرید کے لیے ''وصول اِلی اللہ'' کے راستے کو مختصر کر دیتا ہے جو بغیر شیخ کے اس راستہ پر چلتا ہے وہ بھٹک جاتا ہے اور اپنی تمام عمر صرف کرنے کے باوجود بھی منزلِ مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شیخ اس گائیڈ کی مثل ہوتا ہے جو تاریک راتوں میں حاجیوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر اس منزل کا حصول بغیر شیخ کے صرف کتابوں کے مطالعہ سے ممکن ہوتا تو حجۃ الاسلام امام غزالی، امام عزالدین بن عبدالسلام رحمہم اللہ علیہم جیسے علما کو شیخ کی ضرورت پیش نہ آتی۔ حالانکہ وہ طریقت میں داخل ہونے سے پہلے فرمایا کرتے تھے جو شخص بھی یہ گمان (apprehension) کرتا ہے کہ ہمارے اس طریقہ کے علاوہ بھی حصولِ علم کا کوئی راستہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے لیکن جب دونوں طریقت میں داخل ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے تو اپنی عمر کے کثیر ایام بے کاری (idleness) اور حجاب میں گزار دیئے اور اس طرح انہوں نے صوفیائے کرام کے طریقہ کو ثابت کیا اور اس کی تعریف و توصیف کی۔''

شیخ ابوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص تمام علوم و فنون کا جامع ہو اور مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ اس کی صحبت ہو پھر بھی وہ

Marfat.com

صوفیائے کرام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا (attain) تاوقتیکہ وہ کسی شیخ سے تربیت حاصل نہ کر لے۔ جو شخص کسی شیخ کامل سے تربیت حاصل نہیں کرتا تصحیح معاملات میں اس کی اتباع جائز نہیں۔''

شیخ ابومدین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو متادب شیوخ سے آداب حاصل نہیں کرتا وہ اپنے متبعین کے لیے خرابی عمل کا باعث بنتا ہے۔''

شیخ ابوزروق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم و عمل کا مشائخِ عظام (geat saints) سے حاصل کرنا دوسرے لوگوں سے حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

1- ترجمہ: ''بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا۔'' (العنکبوت 49)

2- ترجمہ: ''اور پیروی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا۔'' (لقمان 15)

''تو اس راستے پر بغیر کسی راہبر کے نہ چل جسے تو جانتا نہیں وگرنہ کسی نشیب و فراز (vicissitudes) میں گر جائے۔''

کیونکہ راہبر اور مرشد سالک کو امن و امان کے ساحل تک پہنچاتا ہے اور اس کو پھسلنے اور راستہ کے خطرات سے بچاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے راہبر کی راہنمائی میں اس راستہ پر چل چکا ہوتا ہے جو اس راہ کے پیچ و خم (twists and turns) سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہاں تک کہ اس کو مطلوبہ منزل تک پہنچا دیتا ہے اور پھر اسے دوسروں کی راہنمائی کے لیے اجازت دے دیتا ہے۔

شیخ معظم مربی عارفین محمد ہاشمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کسی ایسے شیخ کے دستِ اقدس میں ہاتھ دو جو باحیات، عارف باللہ، مخلص اور صادق ہو، علم صحیح اور ذوقِ سلیم (good sense) کا مالک ہو، بلند ہمت اور مقبول حالت والا ہو۔ اس نے منازلِ سلوک کو مشائخ کرام کے ہاتھ پر طے کیا ہو۔ بزرگوں سے آداب حاصل کیے ہوں راستہ کے پیچ و خم جاننے والا ہوتا کہ تجھے ہلاک ہونے سے بچائے اور ماسواء اللہ سے فرار کی تجھے تعلیم دے۔ منازلِ سلوک میں تجھے اپنے ساتھ چلائے، یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے اور اس کے ساتھ ساتھ تجھے نفس کے نقائص سے آگاہ کرے اور ان احسانات سے آشنائی کرائے جو تجھ پر اللہ کی طرف سے ہیں۔ جب تجھے اس کا عرفان حاصل ہو جائے گا تو اس سے محبت کرنے لگے گا اور جب محبت کرنے لگے گا تو اس کے حصول میں مجاہدہ کرے گا تو وہ تجھے اپنی راہ دکھائے گا اور تجھے اپنی بارگاہ کے لیے منتخب کرے گا۔''

تصور (conception) کا تعلق محبت سے ہے جب طالب کا عشق مرشد سے انتہا کو پہنچتا ہے تو پھر مرشد کا تصور اس کے پورے وجود سے چھلکتا (reflect) نظر آتا ہے۔ اس کی صورت و سیرت میں مرشد سے مشابہت ہو جاتی ہے۔ اسے مرتبہ فنا فی الشیخ (Oneness with the Mentor) کہتے ہیں۔ اسی سٹیج پر

Marfat.com

طالب اپنے مرشد کے تصور اور تصرف و توجہ سے ایک لمحہ بھی دور و محروم نہیں رہتا۔ حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''طالبِ صادق مرشد کامل سے اتنی شدید محبت کرتا ہے کہ اس پر عاشقوں کا یہ قول صادق آتا ہے کہ میرا گوشت تیرا گوشت میرا خون تیرا خون وہ اپنے مرشد پاک کے سامنے عجز و انکساری سے خاک بن کر رہتا ہے۔ اس پر اپنی جان فدا کرتا ہے اور اس کی محبت میں اپنا دل چاک چاک کر دیتا ہے اگر طالب مرشد سے بے اخلاص و بے اعتقاد ہو کر اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے اور اس کی مخالفت پر اتر آتا ہے تو خس کم جہاں پاک (good riddance!)، وہ دنیا و آخرت میں ہلاک ہو جاتا ہے۔'' (نورالہدیٰ)

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی صاحب صورت فنافی الشیخ طالب گناہ کی طرف مائل (incline) ہونے لگتا ہے تو صورت شیخ مانع ہو کر اسے گناہ سے روک لیتی (with hold) ہے اور پوری قوت سے شہوت گناہ کا غلبہ توڑ دیتی ہے اگر کوئی صاحب صورت فنافی الشیخ طالب سوتا ہے تو توفیق الٰہی سے خواب میں وہ صورت اس کا ہاتھ پکڑ کر توحید ''الا اللہ'' کی معرفت میں غرق کر دیتی ہے۔ اگر کوئی صاحب صورت فنافی الشیخ طالب مراقبہ کرتا ہے تو وہ صورت اس کی دستگیری کرتی ہے اور مجلس محمدی ﷺ کی حضوری سے مشرف کر کے اسے مراتب و مناسب دلواتی ہے۔ یہ مرتبہ ہے باطن صفا فنافی الشیخ طالب کا ایسے ہی طالب کے لیے آیا ہے کہ ''سلام ہو اس پر جو ہدایت کی راہ چلا''

(نورالہدیٰ)

''مقام فنافی الشیخ یہ ہے کہ جوں ہی طالب اللہ اپنے شیخ کی صورت کو اپنے تصور میں لاتا ہے تو اسی وقت صورت شیخ حاضر ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور اسے معرفت الٰہی عطا کر دیتی ہے یا اسے مجلس محمدی ﷺ میں پہنچا دیتی ہے۔ ایسے شخص کو ''یُحیِی وَ یُمِیتُ'' (یعنی دل کو زندہ کرنے والا اور نفس کو مارنے والا) کہتے ہیں۔

(نورالہدیٰ:95)

تصور شیخ نص (a categorical injunction of the Holy Quran) و حدیث سے ثابت ہے۔ قرآن پاک کی سورۂ یوسف میں مذکور ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ارادہ کر لیا اور وہ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان (proof) نہ دیکھ لیتے۔ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تفسیر صاوی میں موجود ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی صورت ظاہر ہوئی جسے اس آیت میں رب کی برہان کہا گیا ہے اور اسی کے باعث آپ اس ارادے سے محفوظ و مامون رہے۔ اس آیت سے اولیا صوفیا نے تصور شیخ یا رابطہ کا ثبوت لیا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں

Marfat.com

ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ سے نبی مکرم ﷺ کا حلیہ (physical description) مبارک پوچھا تا کہ اپنے ذہن میں محفوظ (secure) کر سکیں۔ یہ حدیث بھی تصورِ شیخ کی دلیل ہے۔ متعدد احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام حدیث بیان کرتے وقت فرماتے: كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ گویا میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں۔ مواہب اللدنیہ اور کتب فقہ میں بھی اس بات کی تصریح موجود ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی حاضری کے وقت زائر (pilgrim) کو چاہئے کہ حضور انور ﷺ کے چہرہ اقدس کا تصور کرے۔ ان تمام دلائل سے تصورِ شیخ کا ثبوت ملتا ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات جلد سوم میں فرماتے ہیں: تصورِ شیخ بلا کسی تکلف کے حاصل ہو جانا پیر و مرید کے درمیان نسبت کی علامت ہے جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور بارگاہ الٰہی میں پہنچنے کا کوئی راستہ اس سے زیادہ قریب کا نہیں ہے، جسے طریقت کی بڑی دولت ملی ہو اسے یہ سعادت بھی عطا کی جاتی ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرّہ نے فقرات میں ارشاد فرمایا: ''پیر کا سایہ ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر ہے۔'' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ القول الجمیل میں فرماتے ہیں کہ جب مرشد موجود نہ وہ تو اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان محبت و تعظیم سے خیال کرتا رہے، پس اس کے تصور سے وہی فائدہ پہنچے گا جو اس کی صحبت سے پہنچتا ہے۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت قدس سرہ ملفوظات حصہ میں فرماتے ہیں: خلوت (seclusion) میں صورتِ شیخ کا تصور کرے اور یہ خیال کرے کہ میرا شیخ میرے سامنے اور اپنے قلب کو شیخ کے قلب کے نیچے تصور کر کے اس طرح سمجھے کہ سرکار دو عالم ﷺ سے فیوض و انوار شیخ کے قلب پر فائض ہو رہے ہیں اور وہاں سے چھلک کر میرے دل میں آ رہے ہیں اس تصور کو قائم (establish) کرے یہاں تک کہ تکلف کی حاجت نہ رہے۔ کچھ عرصہ بعد یہ حالت ہو جائے گی کہ شجر حجر اور در و دیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی بلکہ کسی حال میں بھی جدا نہ ہوگی اور ہر کام میں مددگار رہو گی۔

عارف کامل حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ سراج العوارف میں فرماتے ہیں: اپنے مرشد کو ہر آن ہر وقت ہر حالت سے آگاہی اور خبردار جانے یعنی حقیقتاً اپنی صفت علیمی اور علام الغیوبی کے ساتھ اس مظہر یعنی برزخ شیخ میں جلوہ گر ہے وہ میرے حال سے واقف ہے۔ چنانچہ وہی تمام عالم میں مختلف مظاہر (phenomena) میں جلوہ گر ہے۔ یہاں بھی اپنی صفت ہدایت اور اپنے اسم ہادی کے ساتھ اس برزخ (the Purgatory) میں تجلی فرما ہو کر ہدایت فرماتا ہے اور شیخ اس کے اسم ہادی کا مظہر ہے۔

حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

راہِ طریقت میں سب سے پہلی اور اہم بات مرشد کامل کا ملنا ہے۔ جسے مرشد کامل کی صحبت نصیب

Marfat.com

ہو گی سمجھ لے اسے منزل مل گئی۔ اس لیے طالب مولیٰ پر یہ لازم ہے کہ بیعت کرتے وقت مشاہدہ حق تعالیٰ اور اطمینان قلب کے ساتھ یقین کامل (conviction) رکھے کیونکہ اس کا ظاہری ہاتھ مرشد کے ظاہری ہاتھ پر ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اس کی روح کا ہاتھ مرشد کامل کے انوار ذاتی کے ہاتھ پر ہوتا ہے کیونکہ مرشد وہ نہیں جو صرف ظاہری ہاتھ پکڑ کر نصیحت کر دے بلکہ مرشد کامل اپنی روحانی قوت وتصرف کے ہاتھ سے طالب کے دل پر کنٹرول کرتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''ہاتھ اس کا ہوتا ہے اور اس سے پکڑنے والا میں (اللہ) ہوتا ہوں۔''

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست

دست او جز قبضہ اللہ نیست

ترجمہ: ''پیر کا ہاتھ غائب (باطن) تک پہنچتا ہے اس لیے اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گویا حق تعالیٰ ہی سے بالواسطہ عہد کرنا ہے۔''

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا، بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں، کار کشا و کار ساز

مرشد کامل روحانی تصرف و کمال اور انوار ذات کا مظہر ہوتا ہے اور طالب و مرید کے من پر تصرف (control) کرتا ہے پھر اسے اپنے باطنی انوار سے سیراب کر کے کمال و عرفان پر پہنچاتا ہے۔ تعلیم و تلقین کا طریقہ رواجی و ظاہری نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنی صحبت میں رکھ کر نگاہ کرتا ہے جس سے طالب کے دل میں اللہ کی محبت اور نور پیدا ہوتا ہے۔

سلطان العارفین اس طریقہ کے متعلق فرماتے ہیں:

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ھو

ترجمہ: ''میرے مرشد نے میرے من (باطن قلب روح) میں اسم ذات اللہ کی بوٹی لگائی ہے۔''

باجھ فقیروں کسے نہ ماریا باھو ایہہ ظالم چور اندر داھو

مرشد چونکہ فیضان نظر (beneficence) سے قلوب کو منور کرتا ہے اس لیے اگر چاہے تو اپنے مریدین کو ایک ہی دم (in a flash) میں منزل و مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

ہک نگاہ جے عاشق ویکھے لکھاں کروڑاں تارے ھو

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''قلندر کے من سے حق تعالیٰ کی خوشبو تلاش کر جب توفیق کامل سے تلاش کرے گا تو محرم راز ہو جائے گا۔''

''(خبردار) اللہ کے ولیوں کو اللہ سے الگ جان بیٹھا ہے اگر تو نیاز مندی (humility) کے خیال سے دیکھے تو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ اولیاء اللہ کیا ہوتے ہیں۔''

چوں تو کردی ذات مرشد را قبول
ہم خدا در داتش آور ہم رسول
نفس نتواں کشت الا ذات پیر
دامن آں نفس کش محکم بگیر

ترجمہ: ''تو نے پیر (مرشد) کی ذات کو قبول کر لیا اس سے تجھے اللہ تعالیٰ بھی مل گیا اور رسول بھی اس نافرمان نفس (recalcitrant self) کو پیر کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں مار سکتا (mortify)۔ تو اس نفس مارنے والے پیر کا دامن مضبوطی سے پکڑ۔''

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خودی کی خلوتوں میں کبریائی
خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

مرشد کامل کا طریق ارشاد رسول اللہ کی سنت سے ہٹ کر کبھی نہیں ہوتا مرشد کامل طریق نبوی ﷺ کے مطابق ذاتِ حق کی دعوت دے کر طالب مولا کے باطن میں کامل نظر سے تزکیہ کی شمع روشن کرتا ہے اور پھر طالب کو کہتا ہے اپنے باطن میں زبان قلب سے پڑھ لا الٰہ الا اللہ یعنی اندر سے تمام غیر خواہشات وتصورات جو دراصل غیر اللہ ہیں ان پر ''لا'' کی تلوار چلا دے جب طالب مولا تلقین وحکم مرشد کامل سے اس عمل کو دہراتا ہے تو اس کی باطنی آنکھ سے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں اور اسے حی وقیوم (the Living and the Eternal) ذات کے جلوے نظر آتے ہیں۔ چونکہ دل میں ہزاروں تخیلات وتصورات موجود ہیں اور انسان ان تصورات وتخیلات خواہشات و محبتوں میں الجھ (entangle) جاتا ہے جو دراصل اپنی کثافت وکدورت سے باطنی علم کو ماند اور بصیرت کو اندھا کرتی ہیں یعنی بصارت کے باوجود انسان اندھا کہلاتا ہے۔

ترجمہ: ''پس یہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔'' (القرآن)

مرشد کامل کے پاس جب بھی کوئی طالب مولا آتا ہے تو مرشد کامل سب سے پہلے اس کے دل کی تختی کا

Marfat.com

مطالعہ کرتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے کہ اس میں کتنی طلب حق، عشق وفا اور تسلیم ورضا ہے۔ جان لے کہ مرشد کامل سب سے پہلے طالب کے وجود پر نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ آیا اس کے وجود کا برتن (vessel) درست اور پختہ ہے یا خام اور شکستہ ہے یا معرفت الٰہی کی نعمت اور نور وحدت ذات کی تجلیات کے مشاہدات کے قابل بھی ہے کہ نہیں یا وہ نفس و باطل کو چھوڑنے والا ہے کہ نہیں یا کم حوصلہ ہے کہ وسیع حوصلہ والا ہے وہ حاضرات اسم ذات اللہ سے پرکھ لیتا ہے کہ آیا طالب اللہ دریانوش ہے یا معرفت الٰہی کے قریب ہی قطرے سے مست (intoxicate) ہو کر خود نوش کرنے والا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

اگر طالب مولا اپنی طلب میں کامل ہے تو مرشد کامل اسے ایک ہی نظر میں واصل باللہ فنافی اللہ کر دیتا ہے۔

سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر مرشد کامل مکمل طالب اللہ کو ریاضت کروانے اور زہد تقویٰ میں ڈالے تو تقریباً بارہ سال یا چوبیس سال یا چالیس سال کا عرصہ لگ سکتا ہے اور اگر عطا کرے تو بے ذکر و فکر، بے زہد و تقویٰ پل بھر میں وصال عطا کر دے کیونکہ جہاں لازوال استغراق فنافی اللہ اور بقا اللہ وصال کے احوال ہیں وہاں مشقت سالہا سال کی کیا حاجت۔''

(عین الفقر)

البتہ طالب کو لوازمات طریقت سے متعارف (introduce) کرایا جاتا ہے۔ چونکہ ہر انسان میں شعور و لاشعور کی کیفیتیں اور صلاحیتیں موجود ہیں شعور کا تعلق تربیت اور لاشعور کا تعلق ودیعت سے ہے۔ حاضر و موجود کا علم، ہنر، تجارت، سیاست و حکومت وغیرہ جیسے علوم کا تعلق شعور سے ہے۔ جس طرح لاشعور کی صلاحیت ودیعت (divine blessing) پر منحصر ہے اسی طرح شعور بھی تربیت اور تجربہ کے مرہون منت ہے کیونکہ علما، صلحا، دانشور، شعرا، ڈاکٹرز، انجینئرز اور دیگر علوم و فنون کے ماہرین کی کوشش، تربیت اور اصلاح سے شعور پیدا ہوتا ہے جبکہ لاشعور (the Subconscious) میں مثبت تبدیلی کوئی ماہر روحانی حبیب (مرشد اکمل) ہی اپنے تصرف سے لاسکتا ہے۔ مادی واسطہ کے بغیر ایسے عمل کو ودیعت کہا جاتا ہے چونکہ ہر انسان دو مختلف حقیقتوں کا مجموعہ ہے جسم و روح، تن اور من، ظاہر و باطن مرشد چونکہ جسم، تن اور ظاہر کے بجائے روح، من اور باطن پر اپنا تصرف کرتا ہے۔ اس لیے حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الف اللہ چنبے دی بوٹی من میرے وچ مرشد لائی ھو

جب سالک مرید (طالب مولا) مرشد کامل کی صحبت اختیار کرتا ہے تو مرشد کامل تصور اسے اسماء الحسنٰی اور ذکر وعبادت کی ریاضت میں مشغول کر دیتا ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک و حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سانس کے ساتھ کیا جائے۔

Marfat.com

ترجمہ: ''اور اپنے رب کا ذکر کرو اپنے سانس کے ساتھ خفیہ طریقے سے۔'' (القرآن)

اور دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ: ''جب اپنی نمازیں ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور کروٹ کے بل (یعنی ہر حال میں) کرو۔'' (القرآن)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سانس گنتی (numbered) کے ہیں جو سانس بھی اللہ کے ذکر کے بغیر نکلا وہ مردہ ہے۔'' چونکہ محبت اور ذکر صحبت سے مشروط (conditioned) ہے اس لیے سفر طریقت میں مرشد و مربی کی طلب و تلاش پہلی شرط ہے۔ دست بیعت، مشق، ریاضت، توجہ اور تلقین کے بارے میں سلطان العارفین فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ تلقین ارشاد اور دست بیعت، ہدایت لینا اور پیرو مرشد اختیار کرنا فرض عین ہے اور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت عظیمہ ہے اور یہ بات صراطِ مستقیم، واجب، اجابت اور مستحب ہے تلقین اور ہدایت سلک و سلوک سے معرفت، قرب (intimacy) اور مشاہدہ ربانی نصیب ہوتا ہے۔'' (توفیق الہدایت)

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ ظاہری علم استاد سے اور باطنی علم مرشد سے حاصل کرنا چاہئے بشرطیکہ مرشد صاحب راز ہو اور اسے حی و قیوم کے علم سے کماحقہ واقفیت حاصل ہو اور وہ قرآن و حدیث کے مطابق دنیا، نفس اور شیطان کا دشمن ہو۔''

مرشد کے عطا کردہ مشق اور تصور کے متعلق فرماتے ہیں:

''طریق کی مشق باعث قرب حق ہے۔ کیونکہ یہ اسم ذات اللہ کے تصور سے برحق ہے جسے طریق قادری کی مشق حاصل نہیں اسے معشوقی اور محبوبی کا طریقہ کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ مشق وجود میں وہی عمل کرتی ہے جو سیاہی کاغذ پر کرتی ہے۔'' (توفیق الہدایت)

ریاضت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ریاضت باطنی راز ہے۔'' (توفیق الہدایت)

مزید فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ مرشد عارف فقیر کامل صاحب توجہ ہوتا ہے۔ جو مرشد صاحب توجہ نہیں وہ ناقص، خام اور ناتمام ہے توجہ معرفت اور توحید الٰہی کی چابی ہے بے توجہ مرشد تقلیدی (نقال) (mimic) ہے۔'' (توفیق الہدایت)

Marfat.com

گویا مرشد کامل کی توجہ اور اس کے عطا کردہ تصور کی مشق کے بغیر بے تلقین ریاضت سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کثرتِ عبادت سے صرف عادت پختہ ہو جاتی ہے۔ جبکہ اصل مقصد سے ہمیشہ کے لیے دوری مقدر نظر آتی ہے۔

عالم لاہوت میں ہزاروں سال گزارنے اور وہاں عشق و محبت کے اظہار میں امانتِ الٰہیہ قبول کرنے اور اسے نبھانے کے وعدہ کے باوجود انسان نے دنیا میں آ کر اس عارضی صحبت میں اپنی اصلی چیز کھو کر نفس و دنیا کی محبت و خواہش کو اپنے اوپر وارد (adopt) کر لیا ہے۔ جیسے یہ اس کے جسم کا حصہ ہوں۔ جز و بدن بننے والی ان مجسم (concrete) خواہشوں اور محبتوں کو اب اپنے سے ''لا'' کی تلوار سے کاٹنا یقیناً تکلیف دہ مرحلہ ہے۔

جیسے فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا اور پھر تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔'' (البقرہ)

اس مشکل ترین کام کو مرشد یُمِیۡتِ نفس و یُحۡیِی الۡقلب کر کے آسان کر لیتا ہے کیونکہ مرشد کامل ایسی حکمت عملی سے طالب کے جسم سے ان غیر محبتوں کو نکال کر حق تعالیٰ کی محبت وارد کرتا ہے جس طرح ایک سرجن ڈاکٹر مریض کے بیمار اور متعفن (putrid) حصے کو نکال کر جسم میں تندرستی اور صحت داخل کرتا ہے۔ ان غیر محبتوں اور نفسی خواہشوں کو قرآن مجید میں غیر اللہ اور شرک بتایا گیا ہے۔

ترجمہ: ''اے محبوب پاک ﷺ کیا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی نفسی خواہشوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔'' (القرآن)

اور حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''ہر وہ چیز جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ مشغول کرے پس وہی تمہارا بت ہے۔'' (الحدیث)

مرشد کامل، ان غیر محبتوں اور نفسی خواہشوں (sensual desires) کے ختم ہو جانے پر محبت الٰہیہ طالب کے دل میں وارد کر دیتا ہے اب جو طالب، طلب اور محبت کے کمال کو پہنچتا ہے وہی محبت کے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق بہترین طلب اللہ ہی کی طلب ہے۔

طَلَبُ الۡخَیۡرِ طَلَبُ اللّٰهِ وَ ذِکۡرُ الۡخَیۡرِ ذِکۡرُ اللّٰهِ

ترجمہ: ''سب سے اچھی طلب اللہ ہی کی ہے اور سب سے بہترین ذکر اللہ کا ذکر ہے۔''

جب طالب کامل کو مرشد اکمل کی صحبت مل جاتی ہے تو وہ مرشد کامل طالب کو تلقین توحید و تصور اسم ذات اللہ عطا (bless) کر کے تسلیم و رضا کی تعلیم کے لیے ریاضت میں ڈال دیتا ہے اور اسے کہتا ہے اب تو ہر وقت و حال، ظاہر و باطن میں اس کی توحید کا مطالعہ کر۔

حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

ز ہر حرف توحید بنی ہر سطر توحید بین
باش دائم در مطالعہ تاشوی الحق الیقین

ترجمہ: ''تو ہر حرف اور ہر سطر میں ہمیشہ توحید کا مطالعہ کرتا کہ تجھے حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔''

تسلیم و رضا(total surrender to Allah) چونکہ وہ بنیادی نقطہ ہے جس میں طالب کی کامیابی کا راز مضمر ہے اور محبت کاملہ کے صادق جذبوں کی علامت بھی یہی ہے۔

فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور ہم آزماتے ہیں تمہیں، خوف، بھوک و پیاس مالوں اور اولاد کے نقصان سے اور خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو، کہ جب ان پر آزمائش کے لیے کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں بیشک ہم تو صرف اللہ کے لیے رہ رہے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔'' (القرآن)

محبت کے بغیر کوئی بھی مشکل اور تکلیف برداشت نہیں ہوتی جیسے جیسے صحبت و ریاضت کا دورانیہ بڑھتا رہا اتنا ہی مرشد سے محبت بڑھتی گئی۔ یہ تقاضائے فطرت ہے کہ ریاضت اور خلوت سے محبتیں، تصورات اور غالب تاثیریں آہستہ آہستہ زائل (wane) ہو جاتی ہیں جس طرح دیارِ غیر جانے سے وقت کے ساتھ ساتھ انسان سابقہ تعلقات و تصوات بھولنے لگتا ہے اور موجودہ تعلقات و محبتیں غالب آ جاتی ہی۔ اسی طرح انسان عالمِ ارواح سے اپنا تعلق اور انوارِ حق تعالیٰ کی محبت کو بھلا بیٹھا ہے جبکہ مرشد کامل طالب کو ریاضت میں رکھ کر اس کو اپنے اصلی وطن کی یاد دلاتا ہے اور اس میں حقیقی محبت اجاگر (bring out) کرتا ہے۔ جب طالب میں وہ محبت غلبہ کرتی ہے تو اسے سب سے پہلے مرشد کامل کا مقام معلوم ہوتا ہے جس نے اسے یہ سبق پڑھایا، پھر مرشد ہی اس کے دردِ محبت کا درماں (remedy) نظر آتا ہے۔ تب وہ مرشد کی ہر آزمائش کو بخوشی قبول کرتا ہے جس طرح مریض صحت یابی کے لیے کڑوی دوائی کو بخوشی پی جاتا ہے۔

مرشد کامل طالب مولا کو مُـوْتُـوْا قَبْـلَ اَنْ تَـمُـوْتُـوْا 'موت سے پہلے مرنے (اختیاری موت) (voluntary death) کی عملی تربیت دیتا ہے یعنی اس کے دل سے حب دنیا، خواہشات نفس اور وساوس شیطانی (satanic apprehensions) ختم کرنے کے لیے ایک مدت تک ریاضت میں رکھتا ہے پھر جب یہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں اس پر مہربانی کر دی جاتی ہے کیونکہ اس اختیاری موت کے بعد ہی دیدارِ حق تعالیٰ روا ہے۔

اس لیے ریاضت سے سخت تر امتحان اور کوئی نہیں کیونکہ مرشد وہ کرتا ہے جو طالب نہیں جانتا جس کی مثال حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہم السلام کے بیان میں موجود ہے اس لیے اکثر ناقص (deficient) طالب مرشد کے امتحان اور ریاضت میں فیل و نامراد ہو جاتے ہیں اور ان کی ساری ریاضت و محنت رائیگاں (kaput) جاتی ہے۔

حضرت سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

عاشق ہوئے ہزاروں باہو پر عشق نصیب کہیں دے ہو

اس لیے راہ طریقت میں استقامت اور مرشد کی اتباع ورضا پر عمل پیرا ہونا شرط ہے۔

حضور سخی سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرشد وانگ سنارے ہووے جیہڑا گھت کٹھالی گالے ھو
پا کٹھالی باہر کڈھے بندے گھڑے یا والے ھو
کنیں خوباں دے تدوں سہاون جدوں کھٹے پا اجالے ھو
نام فقیر تنہاں دا باہو جیہڑا دم دم دوست سنبھالے ھو

صاحب تفسیر روح البیان لکھتے ہیں:

''نبی اور ولی اللہ روحانیت کے اسباب ہیں کہ وہ انوار نبوت و ولایت اپنے ہر مرید کے قلب میں ڈالتے ہیں پھر ان کی تربیت کرتے ہیں یہاں تک کہ عالم ملکوت میں قلب میں ایک راز پیدا ہوتا ہے چنانچہ حضور سرور عالم ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام سے خبر دی کہ ملکوت السمٰوت والارض میں وہ ہر شخص داخل ہوسکتا ہے جو دوبار پیدا ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام اور ولی کامل ارواح واعلیٰ علیین اور مقام قرب کے اسباب ہیں اور والدین انسانی اجساد اور عالم اشباح واسفل سافلین مقام بعد کے اسباب ہیں۔'' (تفسیر روح البیان۔ پارہ 20)

بارگاہ مرشد سے طالب مولا کو سب سے پہلے تلقین حق اور لوازماتِ طریقت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لوازمات طریقت میں رضا، صبر، شکر، توکل، مجاہدہ، ریاضت، اکل حلال، قیام اللیل، تقویٰ زہد اور جملہ گناہوں نافرمانیوں (acts of disobedience) کفر وشرک سے توبہ شامل ہے۔

سلطان العارفین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد کی بارگاہ سے طالب کو آٹھ چیزیں عطا ہوتی ہیں جن کی بدولت وہ خطا نہیں کرتے اور اگر اس سے خطا سرزد ہو بھی جائے مردود نہیں ہوتا۔

آٹھ چیزیں یہ ہیں (ان میں سے) چار چیزیں ظاہر کی ہیں جن سے طالب اک وجود پاک ہوتا ہے، وہ چیزیں یہ ہیں۔

1- صدق المقال یعنی سچ بولنا۔

2- اکل حلال یعنی حلال روزی (lawful sustenance) کھانا۔

3- اطاعت یعنی فرمانبرداری۔

4- ہمت توفیق۔ بھی شریعت کی ممنوعہ (forbidden; prohibited) چیزوں کو ترک کرنے کا نام ہے۔

اور چار چیزیں طالب کے باطن میں پائی جاتی ہیں۔

1- ذکرِ زوال: ذکر زوال اس ذکر کو کہتے ہیں کہ جس کی بدولت مشرق ومغرب کی تمام مخلوق ذاکر کی

Marfat.com

طرف رجوع کرے اور ہر خاص و عام کا طالب و مرید بن جائے۔ تمام اہلِ دنیا اور بادشاہ دنیا اور اس کی ساری رغبت (inducement) اور اس کے تمام امرا و وزرا سب کے سب اس کے حکم کے غلام اور فرمانبردار بن جائیں۔ یہ ابتدائی مراتب ہیں اور فقیر کی نظر میں کمتر و کمینے اور حقیر ہیں۔

2- ذکرِ کمال: ذکرِ کمال اس ذکر کو کہتے ہیں جس کے اثر سے آسمانوں اور زمین کے تمام فرشتے عرش اور چاروں طرف مقرب فرشتے سب کے سب اللہ کے حکم سے ذاکر کے زیرِ فرمان آجاتے ہیں اور اسے بذریعہ الہام راحت کی بشارتیں دینے لگتے ہیں۔ "تحقیق وہ لوگ جنہوں نے عہد کر لیا کہ ہمارا معبود مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس بات پر ثابت قدم (stead fast) رہے ان لوگوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو انہیں خوشخبری اور بشارت دیتے ہیں"۔ (سورۃ حم سجدہ) اور وہ باطنی توجہ کے ساتھ اپنے ارد گرد فرشتے اور ہزاروں ہزار غیبی لشکر دیکھتا ہے۔ یہ عطا بھی اللہ کے لطف و کرم اور مرشد کامل کی بارگاہ سے حاصل ہوتی ہے۔

3- ذکرِ حال: اس ذکر کو کہتے ہیں کہ جس کی بدولت ذاکر روزِ اول پیدا ہونے والی جملہ ارواح سے ہر ایک کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے اور مجلس و ملاقات کرتا ہے۔

4-ذکرِ احوال: ذکرِ احوال اس ذکر کو کہتے ہیں کہ جس میں ذاکر نورِ ذات کی لازوال تجلیات کے مشاہدہ میں غرق ہو کر اپنی جان سے گزر جاتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے جمال الٰہی کو دیکھتا ہے۔ (کلید التوحید خورد)

سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس طالب مولا پر مرشد مہربانی فرماتا ہے پہلی نظر سے اسے قیدِ نفس سے آزاد (liberate) کر دیتا ہے۔ طالب چڑیا کے بچہ کی طرح ہے۔ (نفس) عقاب کے پنجہ (talon) میں ہوتا ہے اور مرشد کامل اسے عقاب (نفس) کے پنجہ سے چھڑا کر مشاہداتِ حق میں ڈال دیتا ہے۔

مرشد کمال کی خدمت میں آنے والے طالب تو کثیر تعداد میں ہوتے ہیں لیکن کامل فیض خاص الخاص بلکہ اخص لوگوں کے حصہ میں آتا ہے اور جب کسی پر عنایت کی جاتی ہے اس وقت نہ ظواہر اور لوازمات پر انحصار کیا جاتا ہے اور نہ یہ چیزیں رکاوٹ (obstruction) بنتی ہیں۔

شہبازِ عرفاں سلطان الاولیا حضرت سخی سلطان محمد عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ اکثر فرماتے:

"قادری فقیر (مرشد کامل) کامل تصرف کا مالک ہوتا ہے اس کی نگاہ نشانہ پر لگنے والے تیر (arrow) کی مثل ہوتی ہے یعنی جتنا بھی بڑا مجمع (gathering) ہو اور وہ جس کو چاہے فیض سے نواز دے اسے حجروں (chamber) میں چھپنے کی ضرورت نہیں۔"

(بحوالہ "مرشد کامل" ڈاکٹر محمد طالب المولیٰ)

Marfat.com

انسان کا روحانی سفر نامہ

یاد رہے کہ دین کے معنی ہیں ''جوہر (essence) انسانی کی شناخت اور اس کی تکمیل''، یعنی مرتبہ انسان کی پہچان اور اس کے حصول کا نام دین ہے۔ دوسرے الفاظ میں خودشناسی (self-knowledge) و خودبینی و خودبانی کا نام دین ہے اور خودشناسی یہ ہے کہ انسان کی تخلیق دو چیزوں سے عمل میں لائی گئی ہے۔ ایک چیز تو ظاہری وجود ہے جسے جسم یا تن بھی کہتے ہیں اور جسے ظاہری آنکھ سے دیکھا اور ہاتھوں سے چُھوا بھی جا سکتا ہے اور دوسری چیز باطن ہے جسے نفس یا جان یا دل کہتے ہیں۔ اُسے نہ تو ظاہری آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ظاہری ہاتھوں سے چھوا جا سکتا ہے، اسے صرف باطن ہی کی آنکھ سے دیکھا بھالا جا سکتا ہے۔ عارفوں (mystics) کی اصطلاح میں انسان کے اس باطن اور اصلی وجود کو دل کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ''دل'' گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں ہے جو سینے کے اندر بائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ گوشت کا یہ لوتھڑا (lump of flesh) تو جانوروں اور مُردوں کے سینے میں بھی موجود ہوتا ہے اور ظاہری آنکھ سے اسے دیکھا بھی جا سکتا ہے اور جس چیز کو ظاہری آنکھ دیکھ سکے اُس کا تعلق اسی ظاہر دنیا سے ہے جسے بہر حال فنا (perish) ہونا ہے لیکن حقیقت دل کا تعلق اس ظاہری جہاں سے ہرگز نہیں بلکہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے، اُس سے یہ ظاہری جسم چھن بھی جائے تو اس کا قائم رہنا روا ہے کہ اسے فنا نہیں ہے، معرفتِ الٰہی اور جمال خداوندی کا مشاہدہ اس کی خاص صفت ہے۔ عبادت کا حکم اسی کو ہے، ثواب و عذاب اسی کے لیے ہے، سعادت و شقاوت اسی کا مقدر ہے اور اسی کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہی معرفتِ الٰہی کی چابی (key) ہے اور یہی دین کی حقیقت ہے۔

دین کی اسی حقیقت سے آگاہی کے لیے صوفیائے کرام ابتدائے خلق پر نظر ڈالتے آئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی روحِ اقدس کو اپنے نورِ جمال سے ظاہر فرمایا۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

Marfat.com

"خَلَقْتُ رُوحَ مُحَمَّدٍ مِّنْ نُورِ وَجْهِي" ترجمہ: "میں نے روح محمد ﷺ کو اپنے چہرے کے نور سے پیدا فرمایا۔" پھر روح محمد ﷺ سے تمام ارواح کو احسن صورت پر ظاہر فرما کر اپنے قرب کے مقام لاہوت کو ان کا اصلی وطن بنا کر اس میں انہیں رکھا۔ عالمِ لاہوت میں روح کا نام روح قدسی رکھا۔ ارواح قُدسیہ کو چار ہزار سال تک اپنے بے حجاب قُرب خاص "لَاهُوْت" میں رکھا جہاں انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہوئی۔ بعدہ اللہ تعالیٰ نے ارواح قُدسیہ سے سوال کیا "اَلَسْتُ بِرَبِّكُم" ترجمہ: "کیا میں تمہارا رب ہوں؟" اور ارواح نے بیک زبان (with one voice) "بلیٰ" کہہ کر اقرار کیا۔ صوفیا کے نزدیک یہ سوال و اقرار معرفت ذاتِ الٰہی سے متعلق ہے۔ اور جب ارواح قُدسیہ نے ذاتِ الٰہی کی معرفت کا اقرار کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں صفاتِ الٰہی کی معرفت سے بہرہ ور ہونے کے لیے "انسان کامل" ﷺ کے نور سے "کُن" فرما کر مخلوق کے اٹھارہ ہزار عالم کے تین طبقات (strata) "جبروت، ملکوت اور ناسوت" پیدا فرمائے۔ مخلوق کے یہ تینوں طبقات دراصل صفات الٰہی کا ظہور ہے۔ اس لیے ان تینوں طبقات کی طیر سیر اور مشاہدہ دراصل صفاتِ الٰہی کی معرفت کا مشاہدہ ہے۔

طبقاتِ خلق کے ظہور کے بعد ارواح قُدسیہ کو ان طبقات کے مشاہدے کے لیے نزول کا حکم ہوا تو روح قُدسی کو جبروت میں داخل ہونے کے لیے نور جبروت کا لباس پہنایا گیا تاکہ جبروت روح قدسی (اصلی انسان) کے نور سے جل نہ جائے کیونکہ جبروت میں روح قدسی کے انوار برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جیسا کہ معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جبرائیل علیہ السلام نے آگے بڑھنے سے یہ کہہ کر معذرت (excuse) کرلی کہ اگر میں سرانگشت کے برابر بھی آگے بڑھا تو (نُورِ لاہُوت سے) جل جاؤں گا کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نُورِ جبروت سے پیدا کیے گئے ہیں۔ روح قدسی نور جبروت کا پہلا بشری لباس پہن کر عالمِ جبروت میں داخل ہوئی تو یہاں اس کا نام روح سلطانی رکھا گیا۔ عالمِ جبروت میں طیر سیر اور مشاہدہ کر کے جب اس نے اللہ تعالیٰ کی جبروتی صفات کی معرفت حاصل کرلی تو اسے عالمِ جبروت سے نکل کر عالمِ ملکوت میں داخلے کا حکم دیا اور اسے نور ملکوت کا دوسرا بشری لباس پہنایا گیا جس کی بدولت اسے ملکوت میں داخلہ نصیب ہوا۔ یہاں اسے روح سیرانی کا نام عطا ہوا۔ ملکوت کی طیر سیر اور مشاہدہ کر کے اس نے اللہ تعالیٰ کی ملکوتی صفات کی معرفت حاصل کی۔ اس کے بعد اسے نور ناسوت کا تیسرا بشری لباس پہنا کر عالمِ ناسوت میں اتارا گیا۔ "ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ" "یعنی پھر ہم نے اسے سب سے نچلے درجے میں اُتارا" تاکہ یہاں وہ اللہ تعالیٰ کی ناسوتی آیات (نشانیاں) کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی صفاتی معرفت کی تکمیل کرلے۔ یہاں اُس کا نام روحِ جسمانی رکھا گیا اور اُس کی بدولت وہ یہاں حیوانِ ناطق (rational animal) کہلایا۔

اب جو انسان نزول کرتا ہوا مختلف منازل طے کر کے اس موجودہ جہان "عالمِ ناسوت" میں آپہنچا تو

Marfat.com

یہاں اسے مستقل قیام نہیں کرنا بلکہ آیات الٰہی کے انوار میں تیرتے ہوئے واپس لاہوت میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں پہنچ کر عشق الٰہی کی دائمی نعمت سے سرفراز ہونا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ:"ثُمَّ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ" (پھر تمہیں لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے) یعنی پہلے انسان نے نزول(fall) کیا اور اب اسے عروج کرنا ہے اور وہ بھی انہی دیکھی بھالی راہوں سے گزر کر جوں جوں انسان عروج(rise) کرتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیاں واضح سے واضح تر ہوتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ جب انسان خلق کی حدوں کو توڑ کر توحید حق تعالیٰ سے ہمکنار ہو جاتا ہے تو پکار اٹھتا ہے۔"اب میں نے اپنے رب کو پا کر اپنا مقصود (object) حاصل کر لیا ہے، جیسا کہ فرمان حق تعالیٰ ہے کہ "سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ"(پارہ ۲۵ حم السجدہ ۔۵۳) ترجمہ:"ہم اپنے قُرب کے طالبوں کو دکھاتے جاتے ہیں اپنی (معرفت و پہچان کی) نشانیاں آفاق (اس جہان) میں بھی اور عالمِ النفس (عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت، عالمِ لاہوت، عالمِ یاہوت اور عالمِ ہاہوت) میں بھی حتیٰ کہ ذات حق تعالیٰ کی حقیقت اُن پر کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔"

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کے چار وجود ہیں، 1- ناسوتی وجود یعنی موجودہ جسمانی وجود۔ 2- ملکوتی وجود۔ 3- جبروتی وجود۔ 4- لاہوتی وجود۔ ان چاروں میں سے پہلے تین وجودوں کا تعلق عالم خلق سے ہے اور یہ تینوں فانی(mortal) ہیں اور ان میں صفات الٰہیہ کی معرفت سے فیض یاب ہونے کی استعداد و صلاحیت(capacity) موجود ہے جب کہ چوتھے لاہوتی وجود کا تعلق عالم خلق سے نہیں بلکہ عالم امر سے ہے اور یہ غیر فانی ہے اور اس میں ذات الٰہیہ کی معرفت سے فیض یاب ہونے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب کے حصول کے لیے ان چاروں وجودوں کی تعلیم و تربیت کے لیے علیحدہ علیحدہ نصاب مقرر ہے۔ حیوانی ناسوتی وجود کی تعلیم و تربیت کے لیے علم شریعت اور اعمال شریعت کا نصاب ہے جس کی تدریس علمائے ظاہر کے ذمہ ہے۔ علم شریعت اور اعمال شریعت اختیار کیے بغیر ظاہری ناسُوتی وجود اپنی سعادت و کامیابی سے محروم رہ جاتا ہے اور آخرت کے ابدی انعام جنت الماویٰ تک نہیں پہنچ پاتا کیوں کہ جنت الماویٰ اعمال شریعت کا ثمرہ ہے اور یہ جنت عالم ناسوت کا پرتو ہے۔

ملکوتی وجود کی تعلیم و تربیت کا نصاب "علم طریقت" ہے یعنی کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے احکام و فرامین پر صدق دل(heart and soul) سے عمل پیرا ہونا۔ اعمال طریقت سے اس ملکوتی وجود کی نمود ہوتی ہے جو عالم ملکوت میں پہنچ کر صفات الٰہیہ کے ملکوتی انوار سے فیض یاب ہو کر وہاں کے ثمر "جنت النعیم" سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اعمال طریقت کے بغیر جنت نعیم کا حصول قطعاً ناممکن ہے۔

جبروتی وجود کی تعلیم و تربیت کے نصاب کا نام علم معرفت اور اعمال معرفت ہے، اس نصاب کی تدریس بھی شیخ کامل کے ذمہ ہے۔ اعمال معرفت اختیار کر کے انسان عالم جبروت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

جبروتی صفات کی معرفت حاصل کرتا ہے اور تقدیر الٰہیہ کو سمجھ کر اس کی موافقت اختیار کر کے تسلیم و رضا کا رویہ (attitude) اپناتا ہے جس کا ثمر اُسے ''جنت الفردوس'' کی صورت میں میسر آتا ہے۔ علم معرفت اور اعمال معرفت اختیار کیے بغیر ''جنت الفردوس'' تک رسائی قطعاً ناممکن ہے۔

گویا انسان کی کامیابی کا گر یہ ہے کہ پہلے وہ اعمال شریعت کو اپنائے (adopt) اور اس کے ساتھ ساتھ اعمال طریقت اختیار کر کے ظاہری وجود کی نفی کرے تاکہ اس کا ملکوتی وجود ظاہر ہو کر عالم ناسوت سے نکل کر عالم ملکوت میں واپس پہنچے۔ عالم ملکوت میں پہنچ کر اعمال معرفت اختیار کرے تاکہ اس کے ملکوتی وجود کی بھی نفی ہو جائے اور اس کا جبروتی وجود ظاہر ہو کر عالم جبروت میں واپس پہنچے۔ لاہوتی وجود کی تعلیم و تربیت کے نصاب کا نام علم حقیقت اور اعمال حقیقت ہے اور اس کی تدریس بھی شیخ کامل کے ذمہ ہے۔ علم حقیقت اور اعمال حقیقت اختیار کرنے سے جبروتی وجود کی نفی ہو جاتی ہے اور انسان بشریت (humanity) کی قید سے نکل کر عالم امر کی قدوسی صورت میں عالم خلق کی تینوں قوسوں (ناسوت، ملکوت، جبروت) کو توڑتا ہوا اللہ تعالیٰ کے مقام قرب یعنی عالم لاہوت کی جنت میں داخل ہو جاتا ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ''اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃٌ لَّا فِیھَا حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ وَّلَا عَسَلٌ وَّلَا لَبَنٌ بَلْ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی وَجْہِ اللّٰہِ'' ترجمہ: ''تحقیق اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسی جنت بھی ہے کہ نہ اس میں حور و قصور (houri's and palaces) ہیں اور نہ شہد و دودھ ہے بلکہ اس میں ذات حق تعالیٰ کا دیدار ہے۔''

یہاں پہنچ کر وہ مخلص بن جاتا ہے اور نفس و شیطان و حُبِ دُنیا کے شر سے خلاصی (deliverance) پا جاتا ہے کیوں کہ عالم لاہوت میں مخلوق داخل نہیں ہو سکتی اور انسان کے اسی مرتبہ اخلاص کے متعلق شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کہا تھا: ''فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ. اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ'' (پارہ ۲۳ ص ۸۲ تا ۸۳) ترجمہ: ''تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہو جائیں گے۔''

انسان کا یہی وہ مقام 'لَا تَخَفْ' ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ'' (پ۔ ۱۱۔ یونس ۶۲)

ترجمہ: ''خبردار! بے شک اللہ کے ولیوں پر کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم ہے'' اور یہی وہ ''مقام قدس'' ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ'' ترجمہ: ''اور ہم نے روح قدسی سے اس کی مدد کی۔''

انسان کی اسی نورانی حالت (refulgent state) کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ'' (پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ۸۵) ترجمہ: ''محبوب! آپ فرما دیں کہ روح عالمِ امر میں سے ہے'' (یہ

Marfat.com

عالم خلق میں سے نہیں جو تمہاری سمجھ میں آ جائے) اور انسان کی اسی حیثیت (status) کے متعلق فرمایا ہے کہ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" (پارہ ا۔ البقرہ۔۳۰) ترجمہ: "بے شک میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔" اور یہی انسان کی وہ روح قدسی ہے جس کو اپنا راز قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ: "اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ"

ترجمہ: "انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں" انسان کی اسی نورانی حالت (روح قدسی) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دے کر فرمایا۔ "وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ" (پارہ ۲۳۔ ص۔۷۲) ترجمہ: "اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی" اور اسی حالت کو صوفیائے کرام نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے مثال کے طور پر سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ نے فرمایا ہے:

"کُنْ فَیَکُوْنَ" تے کل دی گل اے۔ اَساں پہلے دی پریت لگائی"

جب تک انسان اس دنیا میں تربیت کے یہ چاروں کورس (یعنی شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت) عملی طور پر کسی باعمل شیخ کامل کی نگرانی (supervision) میں مکمل نہیں کر لیتا اس وقت تک اپنے مقصد حیات کو نہیں پا سکتا اور وہ ناکام رہتا ہے کیونکہ کامل شریعت کی مکمل پیروی کے بغیر انسان کبھی فلاح یافتہ نہیں ہو سکتا اور کامل شریعت کی تعریف (definition) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمائی ہے: "اَلشَّرِیْعَةُ شَجَرَةٌ وَّالطَّرِیْقَةُ اَغْصَانُھَا وَالْمَعْرِفَةُ اَوْرَاقُھَا وَالْحَقِیْقَةُ ثَمَرُھَا وَالْقُرْاٰنُ جَامِعُ جَمِیْعِھَا" ترجمہ: "شریعت ایک درخت ہے اور طریقت اس کی ٹہنیاں ہیں معرفت اس کے پتے ہیں حقیقت اس کا پھل ہے اور قرآن ان سب کا جامع (compendium) ہے۔" (یعنی سب چیزیں قرآن میں جمع کر دی گئی ہیں)

شریعت کی اسی تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

یعنی انسان جب شریعت (قہاری)، طریقت (غفاری)، معرفت (جبروت) اور حقیقت (قدوسی) کے چاروں نصاب تربیت مکمل کر لیتا ہے تو تب مسلمان بنتا ہے۔

ان چاروں علوم کے بغیر انسان نفس کے بہکاوے (temptation) سے ہرگز نہیں بچ سکتا کیونکہ شریعت کے دائرے میں نفس اوامر و نواہی (اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی ممنوعہ باتوں) کی مخالفت کرنے پر انسان کو آمادہ کرتا ہے، طریقت کے دائرے میں نفس دینی موافقت کے پردے میں دھوکہ دے کر گمراہ کرتا ہے یعنی نفس بظاہر دینی امور کی انجام دہی میں اس انداز سے موافقت کرتا ہے کہ انسان دین کے کام کرتے ہوئے

Marfat.com

بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔دائرہ طریقت میں نفس نبوت وولایت کا دعویٰ کرنے پر اکساتا(urge) ہے،معرفت کے دائرے میں نورانیت کی بنا پر نفس دھوکہ دے کر شرک خفی میں مبتلا کر دیتا ہے اور انسان کو ربوبیت کا دعوی کرنے پر مائل کرتا ہے۔جیسا کہ فرمان حق سبحانہ وتعالیٰ ہے کہ "اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ" (پارہ ۲۵ الجاثیہ ۲۳) ترجمہ: "محبوبؐ! کیا آپؐ نے اس شخص کو دیکھا جو اپنی خواہشات کا اپنا معبود بنائے پھرتا ہے۔"

مگر دائرہ حقیقت میں شیطان، نفس، ملائکہ اور مخلوق کے دیگر افراد داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ اس دائرے میں غیر ماسوائے اللہ جل جاتا ہے۔انسان جب دائرہ حقیقت (عالم لاہوت) میں داخل ہوتا ہے تو اس کی تمام بشری صفت فنا ہو جاتی ہیں اور وہ "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کا مصداق(proof) بن جاتا ہے اس لیے وہ قرب ذات الٰہی کے قابل ہو جاتا ہے چونکہ صفات بشری میں غیریت کا مادہ ہے اس لیے انہیں تجلی ذات باری تعالیٰ کے سوا فنا حاصل نہیں ہو سکتی اور معرفت ذات کے بغیر نادانی کا پردہ نہیں اٹھ سکتا۔

مقام حقیقت میں اللہ تعالیٰ خود بندہ کو بلا واسطہ غیر علم لدنی کی تعلیم فرماتا ہے اور بندہ خضر علیہ السلام کی طرح اللہ پاک کو اس کی تعریف سے پہچانتا ہے اور اسی ہی کی تعلیم سے اس کی عبادت کرتا ہے۔اس مقام پر وہ ارواح قدسیہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مرتبہ محمدیہ ﷺ سے واقف ہو جاتا ہے اور تمام انبیائے کرام اسے وصال ابدی کی بشارت(glad tidings) دیتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ عالم لاہوت میں مرشد کامل اکمل کی زیر نگرانی جب بندہ اعمال حقیقت اختیار کرتا ہے تو وہ عالم لاہوت سے آگے بڑھ کر عالم "یاہوت" میں داخل ہوتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان انوار کا عالم ہے جو ذات الٰہی سے سب سے پہلے ظاہر ہوئے تھے اور جس کے متعلق سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: "سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا ہوا۔" عالم یاہوت میں داخلہ "فَنَا فِي الرَّسُوْلِ" کا مرتبہ ہے۔اس مقام پر پہنچ کر ہی طالب اللہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے اپنے ہی دستِ شفقت سے توحید ذات باری تعالیٰ کے دریائے ژرف (عالم یاہویت) میں غوطہ دے کر مقام توحید پر پہنچاتے ہیں۔یہاں وہ موحد بن کر پکار اٹھتا ہے۔

مٹا دیا میرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الا ھُوْ

یعنی یہاں اسے اپنی ذات کا اتہ پتہ بھی نہیں رہتا بلکہ اللہ ہی اللہ دکھائی دیتا ہے۔عارف باللہ حضرات عالم لاہوت میں قرب الٰہی سے کم کسی مرتبے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ان کے نزدیک عالم ناسوت سے لے کر عالم جبروت کی آخری حد "سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى" تک کے تمام مقامات ودرجات محض کھیل تماشہ (fun and

Marfat.com

(games) اور بازی گری ہے کہ ان کا تعلق محض خلق سے ہے۔ یہ مقامات و درجات خالق سے بہت دوری پر ہیں۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

1- ''قربِ الٰہی اور بندے کے درمیان تہتر کروڑ تراسی لاکھ اکتیس مراتب ہیں جن میں سے سب سے بالائی مرتبہ ''سِرُّ الاَمُّبِیُّ'' ہے۔ اس سے آگے لامکان (The Throne of God) ہے لیکن ایک فقیر کی نظر میں یہ سب مقامات و درجات مچھر کے پَر جتنی وقعت بھی نہیں رکھتے کہ ان میں رجوعات خلق پائی جاتی ہیں۔'' (عین الفقر)

2- ''اے درویش! اگر تو ہوا میں اڑتا ہے تو تُو مکھی کے درجہ پر ہے اگر تُو پانی پر چلتا ہے تو تُو تنکے کے مرتبے پر ہے اور اگر تُو لوحِ محفوظ (جو عالم جبروت میں ہے) کا مطالعہ کر کے لوگوں کو ان کی تقدیروں کا حال بتلاتا ہے تو تُو نجومی (astrologer) کے مرتبے پر ہے۔''

3- ''قطب کا مرتبہ عرش سے ۷۰ ہزار مراتب آگے ہے اور غوث کا مرتبہ اس سے بھی ۷۰ ہزار مراتب آگے ہے لیکن یہ ادنیٰ اور کمتر مراتب ہیں۔''

غوث قطب سب اُرے اُریرے عاشق جان اگیرے ہُو
جس منزل تے عاشق پہنچن اُتھے غوث نہ پاندے پھیرے ہُو
عاشق وِچ وصال دے رہندے جِتھاں لامکانی ڈیرے ہُو
میں قُربان تنہا نتوں باہُو جِنھاں ذاتوں ذات بسیرے ہُو

علامہ اقبالؒ تو قُرب ذات سے کم درجے کو طریقت کا کفر قرار دیتے ہیں۔

یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں
کہ مرد حق ہو گرفتار حاضر و موجود

☆......☆......☆

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

☆......☆......☆

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

سیدنا غوث اعظم شاہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جسے علم حقیقت کے ذریعے مقام وصال حاصل نہیں ہوا وہ فی الحقیقت عالم نہیں ہے اگرچہ اس نے

Marfat.com

لاکھوں کتابیں پڑھ رکھی ہوں کیوں کہ وہ روحانیت (spirituality) کو نہیں پہنچا ہے۔ظاہری علوم کے ذریعے بدنی اعمال کی جزا صرف جنت الماویٰ ہے جہاں صرف صفات الٰہی کا عکس (reflection) ظاہر ہوتا ہے اس لیے محض ظاہری علم حاصل کر لینے سے انسان حرمِ قدسی اور مقامِ قرب (مقام لاہوت) میں داخل نہیں ہوسکتا کیوں کہ عالم لاہوت تو عالم پرواز ہے جہاں دونوں بازوؤں کے بغیر نہیں اڑا جا سکتا اور علم ظاہری اور علم باطنی ہی وہ دو بازو ہیں جن کے ذریعے عالم کو لاہوت میں پرواز نصیب ہوتی ہے۔حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے میرے بندے! اگر تو میرے حرم (holy of holies) میں داخل ہونا چاہتا ہے تو عالم ملک، عالم ملکوت اور عالم جبروت کی طرف توجہ مت کر کیونکہ عالم ملک عالم کے لیے بمنزلہ حجاب ہے، عالم ملکوت عارف کے لیے بمنزلہ حجاب ہے اور عالم جبروت واقف کار کے لیے بمنزلہ حجاب ہے، جس نے ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیا وہ اللہ تعالیٰ کے قُرب (intimacy) سے دور ہو گیا۔''

یعنی اسے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل نہ ہو سکا لیکن درجات (جنت الماویٰ جنت النعیم اور جنت الفردوس) سے وہ محروم نہیں کیا گیا۔ایسے لوگ قُربِ الٰہی چاہتے ہیں لیکن پا نہیں سکتے کیونکہ انہوں نے غیرحق کی آرزو اور طلب کی۔اہل قرب کو وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے دل نے سوچی اور وہ ہے ''جنت قرب'' کہ جس میں حور و قصور اور لذات نعمائے بدن نہیں بلکہ صرف جمال الٰہی کے جلوے ہیں۔''

انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی ہستی کے اندرونی معاملات کو پہچانے کیوں کہ یہاں جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کے گلے سے لگا دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ''وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ'' (پارہ ۱۵۔ نبی اسرائیل ۱۳) ترجمہ: ''اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی ہے۔''

لٰہذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے اور اپنے نفس کی خاطر اس بات کا دعویٰ (claim) نہ کرے جس کا اسے حق نہیں پہنچتا۔عالمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اندر روح قدسی کی نمود کرے اور مرشد کامل کی نگرانی میں تصور اسم ذات اللہ سے اس کی تربیت کرے، عالم اجساد سے نکل کر عالم روحانیت کی طرف بڑھے اور عالم سرّ میں پہنچے کیونکہ وہاں ذات باری تعالیٰ کے سوا کوئی دیار و امصار نہیں ہے وہ نور کے صحرا کی مانند ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔انسان روح قدسی کی صورت میں اس کے اندر پرواز کرتا ہے اور اس کے عجائب و غرائب کو دیکھتا ہے جن کا بتلانا ممکن نہیں ۔ یہ مقام ان سچے توحید پرستوں کا ہے جو اپنی ہستی کو عین وحدت ذات میں گم (lose) کر دیتے ہیں۔مشاہدہ جمال الٰہی کے وقت وہاں وجود کالعدم ہو جاتا ہے اور غلبہ حیرت و محویت کے باعث انسان کو اپنا وجود نظر نہیں آتا۔روح قدسی کے ظہور (emergence) کے بعد انسان خلق کے سمندروں کو پار کر کے ''امر'' یعنی روحانیت کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔یاد رہے کہ خلق کے تمام جہان عالم امر (the spiritual

Marfat.com

(world کے مقابلے میں ایک قطرے کی مانند ہیں۔ اس کے بعد علوم روحانیت اور علم لدنی (inspired knowledge) کا فیض حروف و آواز کے بغیر جاری ہوتا ہے اور چشم بصیرت اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ لہٰذا انسان پر واجب ہے کہ اہل بصیرت کی موافقت اختیار کرے اور ''عالم لاہوت'' کے واقف کار ولی مرشد کی تلقین و تربیت سے دل کی آنکھ حاصل کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و وصال سے بہرہ ور (profit by) ہو سکے۔'' (نقل واخذ از سر الاسرار)

Marfat.com

مطلوب ومقصود مومن

فرمان حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''نیکی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ ایمان لائیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر اور انبیا پر اور اللہ کی محبت میں اپنا مال خرچ کریں اپنے قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے پر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور جب کوئی وعدہ کریں تو اسے پورا کریں اور صابر رہیں سختی اور مصیبت کے وقت میں اور شدت جنگ (جہاد) کے وقت میں تو یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ (پ۲۔ البقرہ ۱۷۷)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مطلوب ومقصود مومن کے عقیدے (creed) اور طرزِ عمل کا احاطہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کامیابی وسرخروئی کا انحصار محض روبقبلہ ہونے پر نہیں بلکہ عقیدے کی درستی (rectitude) اور محبت الٰہی کی شدت پر ہے۔ اور درست عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لایا جائے اللہ پر، یومِ قیامت پر، فرشتوں پر، انبیا پر اور کتب الٰہیہ پر۔''

1- اللہ پر یوں ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ وہ واحد حیُّ القیوم ذات ہے جس کا کوئی شریک وثانی نہیں ہے۔ نہ ذات (person) میں نہ صفات (attributes) میں۔ وہ علیم وخبیر بھی ہے، سمیع وبصیر بھی ہے، قادر وقدیر بھی ہے۔ الغرض وہ ہر صفت کا مالک ہے۔ ہمارا مالک ورزاق ہے۔ ہم اس کی بارگاہ میں قرب سے اسی کی طرف سے اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے، ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور اسی ہی نے ہمیں اپنی مملکت میں تصرف بخشا ہے جس کا حساب وہ ہم سے لے گا۔ لہٰذا ہر امر میں ہمیں اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اپنی ہر غرض اور ہر طلب کے لیے اسی سے سوال کرنا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ ساز نہیں۔ البتہ

Marfat.com

مختلف امور کی چارہ سازی کے لیے اس نے جو اسباب پیدا کیے ہیں ان سے استفادہ حاصل کرنے یا ان اسباب کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مضائقہ (harm) نہیں کہ یہ رجوع بھی دراصل اسی ذات کی طرف رجوع ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مومن کی نگاہ ہر وقت اس کی توحید پر رہے اور توحید یہ ہے کہ ہر چیز کے باطن میں انوارِ الٰہی کو دیکھا جائے اور ہر فعل کے پیچھے حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھا جائے۔ اس کے برعکس سوچ و رویہ شرک (polytheism) کہلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں ظلمِ عظیم ہے کیونکہ ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے شریک کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کا شریک صرف انسان کی اپنی سوچ میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں بھی شرک کا رد فرمایا ہے تو انسان کی اسی سوچ اور اسی رویے کا رد فرمایا ہے کیونکہ فی الحقیقت تو اللہ تعالیٰ کا شریک ہے ہی نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار یہی سمجھایا ہے کہ ''اے انسان! تُو کیوں میرے شریک بناتا رہتا ہے؟ کبھی تو سورج، چاند اور ستاروں جیسے اجرامِ فلکی (heavenly bodies) کو میرا شریک سمجھ بیٹھتا ہے، کبھی پتھروں اور درختوں کو میرا شریک بنالیتا ہے، کبھی کسی جانور کو میرا شریک بنالیتا ہے اور کبھی صاحبِ اقتدار بندوں کو اور کبھی اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو میرا شریک بنالیتا ہے حالانکہ یہ سب چیزیں میری مخلوق ہیں۔ تیرے اس رویے سے میری خدائی میں تو کوئی خلل نہیں پڑتا لیکن تو خود خسارے میں چلا جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تو خسارے کا شکار ہو جائے لہٰذا باز آ جا اس رویے سے۔''

دراصل سب سے بڑا شرک انسان کا اپنی خودی یعنی ''مَیں'' کی پرورش (nourish) کرنا ہے کیونکہ تمام برائیاں اسی ''مَیں'' کی پیداوار ہیں اور یہی ''مَیں'' اپنے اپنے وقت کی فرعون (Pharaon) ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتی رہتی ہے اور اس فرعون کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سزا دیتا چلا آیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیا میں تشریف آوری سے 55 روز پہلے ابرہہ نامی ایک عیسائی سپہ سالار ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو مسمار (demolish) کرنے آ پہنچا۔ ان دنوں خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ حاجی لوگ ان بتوں کی پرستش کر کے اور ننگے بدن خانہ کعبہ کا طواف کر کے حج کیا کرتے تھے۔ جب وہ خانہ کعبہ گرانے کے لیے اپنے لاؤ لشکر سمیت آگے بڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کا لشکر بھیج کر اسے اس کے لشکر سمیت تباہ و برباد کر ڈالا مگر خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے بتوں کو نہ چھیڑا۔ یہ سارا واقعہ قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں درج ہے۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اصل دشمن اور شریک بت نہیں بلکہ انسان کا وہ رویہ ہے جس کی نمائندہ ''مَیں'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابابیل (swallows) بھیج کر ''مَیں'' کو تو تباہ و برباد کر ڈالا مگر بتوں کو رہنے دیا حالانکہ ابرہہ اللہ تعالیٰ کو ماننے والا تھا اور اس کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار تھا لیکن تھا وہ ''مَیں'' کا پجاری۔

اگر یہ ''مَیں'' بندے کے ساتھ حرم کعبہ میں ہو یا کسی مسجد میں ہو، حالتِ نماز میں ہو یا حج میں، بندہ

Marfat.com

مشرک ہی رہتا ہے لیکن بندہ ''مَیں'' کے بغیر ہو تو جہاں بھی ہو وہ موحّد ہوگا۔ دیکھتے نہیں کہ جب بندہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کر رہا ہوتا ہے تو اکثر اس کے آگے پیچھے دوسرے بندے موجود ہوتے ہیں۔ کسی کے پیچھے یہ قیام ورکوع وسجود کر رہا ہوتا ہے اور کوئی اس کے پیچھے قیام ورکوع وسجود کر رہا ہوتا ہے لیکن نہ یہ مشرک ہوتا ہے اور نہ دوسرے مشرک ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت اس کی سوچ اور اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک (partner) موجود نہیں ہوتا۔ نہ تو مسجد کی دیواریں اور ستون اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید کو ضعف پہنچاتے ہیں اور نہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی توحید میں حائل ہوتا ہے کیونکہ اس کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے شریک کا تصور تک نہیں ہوتا۔ وہ پکا مومن اور موحّد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم جہاں بھی رہو اور جس حال میں رہو اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کے شریکوں سے پاک رکھو کہ دلِ مومن عرشِ الٰہی ہے۔ جب دل اور دماغ شرک سے پاک ہوگا تو ماحول اور حالات اسے مشرک نہ بنا سکیں گے، چاہے وہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو۔

مومن کی تو شان (glory) ہی یہ ہے کہ شرک کا ارتکاب اس سے ہوتا ہی نہیں وہ کبھی بھی اپنے دل و دماغ میں اللہ کے شریک کو جگہ نہیں دیتا۔ اسی لیے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ: ''مجھے اپنی امت سے شرک کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

اگر کسی کو کلمہ طیب ''لَآاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ'' پڑھ لینے کے باوجود کوئی شخص یا کوئی درخت یا کوئی بت یا کوئی مقام یا کوئی مزار وغیرہ اللہ تعالیٰ کا شریک نظر آتا ہے تو سمجھ لیں کہ اس نے ابھی کلمہ طیب کو سمجھا ہی نہیں ہے اور ابھی وہ مشرک کا مشرک ہی ہے اور مشرک کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

2- قیامت کے دن پر ایمان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو فنا (termination) کر دینے کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ اس دن کو اپنے مقررہ وقت پر ضرور آنا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا میں گزارے ہوئے دنوں کا حساب لے گا۔ ان کے برے اعمال پر انہیں سزا دے گا اور نیک اعمال پر انہیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ گنہگاروں کو جہنم رسید کیا جائے گا اور نیکوکاروں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جنت میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ پل صراط پر سے بندوں کو گزرنا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شفاعت (intercession) فرمائیں گے اور ان کے بعد دیگر مقبولانِ حق بھی حسبِ مراتب شفاعت کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سعادت مند لوگوں کو حوضِ کوثر سے سیراب فرمائیں گے۔ روزِ قیامت کا قیام، پل صراط سے گزرنا، حوضِ کوثر سے سیرابی، روزِ قیامت کے وہ تمام احوال جو قرآن اور دوسری

Marfat.com

کتب الٰہیہ میں آئے ہیں یا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیائے کرام نے بیان فرمائے ہیں، سب برحق ہیں۔

3- فرشتوں پر ایمان لانا اس طرح ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار نوری بندے ہیں۔ان میں نر و مادہ کی تخصیص نہیں ہے۔ان کی تعداد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔وہ سب ہر وقت اللہ کی تسبیح و تہلیل اور اس کے احکام کی بجا آوری میں لگے رہتے ہیں۔تمام تکوینی امور وہی سرانجام دیتے ہیں۔ان میں سے چار فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور باقی تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ان کے نام اس طرح ہیں۔جبرائیل علیہ والسلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام اور عزرائیل علیہ السلام۔

4- کتب الٰہیہ پر ایمان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی اصلاح و ہدایت اور راہنمائی کے لیے جو کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں وہ سب برحق ہیں۔ان میں سے چار بڑی کتابیں ہیں۔ توریت (Pentateuch) جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔زبور (the Psalms) جو حضرت داؤد علیہ والسلام پر نازل ہوئی۔انجیل (The Bible) جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔قرآن مجید جو حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ان کے علاوہ پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر، تیس صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر، دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

5- انبیائے کرام پر ایمان اس طرح ہے کہ تمام انبیا اور تمام رسول اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں وہ سب کے سب معصوم ہیں یعنی ہر قسم کے گناہ اور عیبوں سے پاک ہیں۔ان کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ان میں سے تین سو تیرہ (313) رسول ہیں۔تمام انبیا اور رسول مرد ہیں، کبھی کوئی عورت نبی یا رسول نہیں ہوئی۔ سب سے آخر میں تشریف لانے والے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ان کے بعد نہ کوئی نبی ہوا ہے نہ ہوگا۔وہ سب امور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے لائے ہیں برحق ہیں۔جن چیزوں کو کرنے کا آپؐ نے حکم دیا ہے ان کا نہ کرنا گناہ اور ان کا انکار کرنا کفر (infidelity) ہے۔اسی طرح جن باتوں کے کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے ان کا کرنا گناہ اور ان کے کرنے پر بضد ہونا کفر ہے۔

ایمان کے بعد محبت الٰہی ہی ایسی قوت ہے جو راہ حق میں صعوبتیں اور سختیاں (trials and tribulations) برداشت کرنے کا حوصلہ بخشتی ہے اور انسان ہر قسم کی آزمائش سے ہنستا کھیلتا گزر جاتا ہے۔ جس دل میں محبت الٰہی کا جذبہ موجود ہوگا اس دل میں کسی اور چیز کا ہونا ناممکن ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ مومن کو اپنی محبت میں جان و مال کی قربانی سے آزماتا ہے۔وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا میری محبت کا دعویدار مومن صرف ایمان کی حد تک ٹکا رہنا چاہتا ہے یا اس سے آگے بڑھتے ہوئے عشق و محبت کی وادی میں داخل ہو کر دنیا و مافیہا کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں قربان کر دیتا ہے۔لیکن عاشقانِ الٰہی ''اللہ بس ماسوائے اللہ ہوس'' کا نعرہ لگاتے

Marfat.com

ہوئے نغمہ زن ہوتے ہیں۔

ایمان سلامت ہر کوئی منگے، عشق سلامت کوئی ہُو
منگن ایمان شرماون عشقوں دل نوں غیرت ہوئی ہُو
جس منزل تے عشق پہنچا دے ایمان نُوں خبر نہ کوئی ہُو
میرا عشق سلامت رہوے باھُوؒ ایمان نوں دیواں دھروئی ہُو

لہٰذا مندرجہ بالا آیت مبارک میں ایمان کے بعد محبت الٰہی میں مال قربان کرنے کا ذکر فرمایا کہ اگر تم دعویٰ ایمان میں سچے (earnest) ہو تو میری محبت میں اپنا مال خرچ کر کے دکھاؤ اپنے قریبی رشتہ داروں پر، یتیموں پر محتاجوں پر، مسافروں پر، مانگنے والوں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے پر۔ اس میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ مال صرف محبت الٰہی کی خاطر خرچ کرو نہ کہ اپنے ننگ و ناموس (prestige) کی خاطر یا اپنی نمود و نمائش کی خاطر یا کسی کو زیر بارِ احسان کرنے کی خاطر یا اجر و ثواب کی خاطر کہ یہ سب ریا کاری (hypocrisy) اور سوداگری ہے لیکن:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
(اقبالؒ)

ایمان اور محبت الٰہی کے بعد اعمالِ صالحہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان اور محبت الٰہی کا تقاضا ہے کہ تم میری حاکمیت (authority) کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ دو اور جب کسی سے عہد کرو تو اسے پورا بھی کرو کہ اپنے وعدوں کو ایفا (honour) نہ کرنے والے میرے قرب کے قابل نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں میری راہ میں جہاد کرتے ہوئے سختی و تنگدستی پیش آجائے تو صبر اختیار کرو کہ:

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

یاد رہے کہ صبر کی تین شرائط ہیں:

1- صبر و رضا: یعنی راہِ حق میں جب کوئی دکھ یا تکلیف یا تنگی و سختی پیش آجائے تو اس کا ذکر نہ تو قول سے کیا جائے اور نہ ہی فعل سے کہ ایسا کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے کیونکہ انسان پر ہر حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے۔

2- قبول قضا: یعنی راہِ حق کی ہر سختی اور تنگی کو اللہ تعالیٰ کی قضا سمجھ کر خوشی سے قبول کر لینا اور حرفِ شکایت (word of complaint) زبان پر نہ لانا۔

Marfat.com

3- صدق ووفا: یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی (will) کے لیے پورے صدق اور اخلاص سے کوشش کرنا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہونے کے لیے یہ چار عوامل ہیں۔یعنی 1- ایمان۔ 2- محبت الٰہی۔ 3- اعمال صالحہ اور۔ 4- خلوص نیت سے جدوجہد اور صبر۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے مالا مال (bless) فرمائے۔(آمین)

Marfat.com

نورِ تکلم

سوال: حضور! گناہ کی وضاحت فرما دیں اور مغفرت کے ذریعے کیا ہیں۔ ممکن ہو تو اس پر بھی روشنی ڈال دیجئے۔

جواب: درست پوچھا آپ نے۔ قیمتی سوال ہے۔ فقیر کی خانقاہ کے تربیتی ماحول میں مددگار سوال ہے۔ جرم کیا ہے؟ یہ بات مجرم سے زیادہ کون جانتا ہے اور سزا سے بچنے کے راستے کون کون سے ہیں۔ اس سبجیکٹ پر بھی مجرم کا Work پولیس آفیسرز کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ گناہوں کی جتنی وزنی صلیب (cross) میرے کندھوں پر ہے۔ کوئی میرے لڑکھڑاتے (tottering) قدموں سے پوچھے۔ احساس زندہ ہو تو گناہ بوجھ محسوس ہوتے ہیں...... میں نے پل پل اپنی زندگی کا اسی کرب (agony) میں گزارا ہے کہ جیسے مجھے ہونا چاہیے تھا میں ویسا نہیں ہو سکا۔ اللہ جی کا بندہ جیسا ہونا چاہیے، میں ویسی عبدیت کا حامل نہیں۔ میرے پاک رسول ﷺ کا جیسا نمائندہ امتی ہونا چاہیے۔ میں شرمندہ ہوں سرکارؐ سے۔ میں ویسا آئیڈیل امتی نہیں بن سکا۔ میں اپنے مرشد کی طریقت کی سفید چادر پر لگا ہوا بدنما داغ ہوں۔ میں اپنے مرشد کا اچھا مرید بھی نہیں بن سکا اور اپنے مریدوں کا اچھا مرشد بھی نہیں بن سکا۔ میرا ہر پہلو ناقص ہے۔ میں مجرم ہوں۔ اس کا مجھے اعتراف ہے۔ میں دھرتی کے سینے پر پڑا ہوا گناہوں کا انبار ہوں، اس کا مجھے احساس بھی ہے اور اقرار بھی۔ بس امید ہے تو اتنی کہ میں جانتا ہوں خطا کار (guilty) ہوں اور اس پر نادم (penitent) ہی نہیں، شرمندہ بھی ہوں۔ اور یہ بھی سمجھتا ہوں۔ سمجھتا نہیں بلکہ دیکھتا ہوں کہ معبود کا کرم عبد کے اعمال سے مشروط نہیں ہوتا۔ کریم تو بس کریم ہوتے ہیں۔ اس لئے مجھ سے یہ پوچھا جانا کہ گناہ کیا ہے؟ اور مغفرت (redemption) کے کیا ذریعے ہیں۔ بالکل موزوں آدمی سے کیا جانے والا موزوں سوال ہے۔

جسم خلیات (cells) سے مرکب ہے۔ انسانی جسم کی تعمیر و تخریب انہی خلیات کی مرہونِ منت ہے۔

Marfat.com

ہمارے جسم کے تمام خلیات ایک مرکزی کنٹرول کے تابع ہیں۔اگر جسم پر کہیں کوئی چوٹ وغیرہ آجائے تو مرکزی کنٹرول پوائنٹ سے نئے خلیے تخلیق ہونے کا حکم صادر ہوتا ہے اور مردہ خلیے پیپ وغیرہ کی صورت میں کائنات کے جسم سے خارج کردیئے جاتے ہیں۔فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ کیونکہ زندوں (the quick) کی کائنات میں مردوں (the dead) کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔اس بات کو کبھی نہ بھلائیے گا۔قرآن مرشد سے زندہ اور مردہ کی Explanation چاہیں گے۔فی الحال اُدھار رہی یہ بات...... جو مردہ خلیے جسم سے نکال دیئے جاتے ہیں ان کی جگہ لینے والے نئے خلیوں کو یہ ہدایت کی ہوتی ہے کہ اپنی جسامت اور تعداد اتنی رکھنا جس سے انسانی جسم کا تقویمی نظام Disturb نہ ہو کیونکہ جو احسن تقویم ہے اس کا حسن سلامت رہنا چاہیے۔چنانچہ نئے خلیے اس مہارت سے زخم بھرتے ہیں کہ زخم کا نشان نہ جلد کی سطح سے بہت گہرا ہے اور نہ ہی بہت ابھرا ہوا نظر آئے۔بس متوازن متوازن سا ہو۔فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ. جسم کی Growth کے لئے مسلسل پیدا ہوتے رہنے والے خلیے، مرکزی کنٹرول کے وفادار رہتے ہوئے، اس شاعرانہ عروض (prosody) کو ملحوظ رکھتے ہیں...... کبھی کبھی کسی بدتمیز لمحے میں کچھ سرکش خلیے اپنے مرکزی کنٹرول سے بغاوت کر جاتے ہیں اور بے مرشدانہ انداز سے اپنی مرضی کے ساتھ آزادانہ اور غیر مقلدانہ نہج پر خود بخود بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ان کی جسم کو قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔لیکن چونکہ وہ خود مختار ہوتے ہیں اس لئے Requirement نہیں دیکھتے۔ توازن مجروح کرتے جاتے ہیں۔تخلیق کے کامل حسن کو غیر ضروری تخلیقی بدعت (heresy) سے آلودہ (pollute) کرتے جاتے ہیں۔خواہ مخواہ بڑھتے چلے جاتے ہیں اور پھر سارا جسم Disturb ہو جاتا ہے۔یہ ہے کینسر کے بارے میں Expert Opinion اعمال، روح کے لئے خلیات کا کام کرتے ہیں۔ مثبت اور پاکیزہ اعمال سے روح طاقتور ہوتی ہے۔منفی اور نجس اعمال سے روح کمزور ہوتی ہے۔اعمال حسنہ روح میں تعمیری بالیدگی (growth) پیدا کرتے ہیں۔اعمال سیۂ روح میں تخریبی پژمردگی پیدا کرتے ہیں۔ خوبصورت اعمال ''مرکزی کنٹرول'' کی ماتحتی میں ہوتے ہیں۔''مرکز'' کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں۔ بدصورت اعمال ''مرکز'' سے بغاوت کر کے سرانجام پاتے ہیں۔آزادانہ ہوتے ہیں اور پھر روح کو کینسر ہو جانا ہے...... اب ذرا گناہ کی تاریخ معلوم کریں تاکہ گناہ کی تعریف متعین (determine) ہو سکے۔کسی شے کی ابتدا معلوم ہو جائے تو اس کا ارتقائی سفر معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے...... سمجھ میں نہیں آرہا کہاں سے شروع کروں...... اچھا سورۃ بقرہ نکالیے۔میں اس کی آیت نمبر 168 پڑھ رہا ہوں۔

''وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ''.

(شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

وَلَا تَتَّبِعُوۡا اس کا اتباع نہ کرو۔اس کے متبعین نہ بنو...... سورۃ یٰسین کی غالباً آیت نمبر 60 میں بھی کم و

Marfat.com

بیش یہی مضمون موجود ہے۔خود شیطان نے بھی یہ دعویٰ بڑے عجیب لہجے میں کیا۔میں سورۃ ص کی آیت نمبر 82 پڑھ رہا ہوں۔"قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ" (بولا مجھے تیری عزت کی قسم۔میں سب کو گمراہ کروں گا) ادھار رہی بات۔کبھی عزت موضوع ہوا تو دیکھیں گے کہ ابلیس نے قسم کیا کھائی تھی لیکن ایک بات طے ہے کہ ابلیس کی نظر میں آدم کی عزت ہو نہ ہو۔اللہ جی کی عزت ضرور تھی۔اس نے ملعون (cursed) ہونے کے باوجود اللہ کی عزت کی قسم کھائی تھی۔اسی لئے تو جہاں اسے اللہ کی "عزت" نظر آئے اس پر اپنا سایہ بھی نہیں ڈالتا، اس سے دور رہتا ہے۔جانتا ہے میں نجس (unclean) ہوں اور یہ اللہ کی عزت ہے......اللہ کی عزت تو ملائکہ کے درمیان قسم کھانے کے کام آتی ہے۔یہ قسم اس نے ملکوتی رسم کے مطابق کھائی تھی۔جب سے ابلیس نے سب کو گمراہ (mislead) کرنے کی قسم کھائی۔گناہ کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ابلیس گمراہ کرتا رہا، لوگ گمراہ ہوتے رہے۔ہر گناہ گمراہی ہے۔ہر گمراہی گناہ ہے۔ہر گناہ ابلیس کے بہکاوے (temptation) میں آکے ہوتا ہے۔ابلیس ہر گناہ کی بنیاد بنا جاتا ہے۔حتیٰ کہ اگر کبھی خدا کسی کی زبان سے یہ کہہ بھی دے کہ یہ کام کرلو تو تم گمراہ نہیں ہوگے۔تو ابلیس کسی نہ کسی روپ میں اس کی شدید مخالفت کرتا ہے۔اور وہ کام نہیں کرنے دیتا......یہ نقطہ ذہنوں میں محفوظ کرلو کہ ہر گناہ کی اساس ابلیس ہے۔ابلیس کے جواب میں اللہ نے کہا۔میں اسی سورۃ کی 85 نمبر آیت پڑھ رہا ہوں۔

"لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَ مِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ"

(میں تجھ سے اور جو تیرا اتباع کریں گے ان سے دوزخ کو بھر دوں گا)

یار! یہ جو تَبِعَکَ ہے نا۔اس پر مجھے ایک نوکیلی سی بات یاد آئی...... برسبیل تذکرہ......فی الحال سورۃ ص والے موضوع کو روکو۔ابھی اس پر مزید بات کریں گے۔فی الحال سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر 14 پڑھنا ......شیطان کے جو متبعین ہیں نا۔اللہ نے انہیں پتہ ہے کیا کہا ہے......ارے واہ! شیطان کو Followors بڑے مخلص اور مضبوط ملتے ہیں۔اللہ جی ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔"وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ" منافقین کا ذکر رہا ہے کہ جب وہ صاحبانِ ایمان کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں! "آمَنَّا" ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ان کے ساتھ مذاقاً (by the way of joke) مومن ہونے کی بات کی تھی۔

اللہ جی ایک منٹ! آدمؑ کے واقعہ میں تو شیطان ایک تھا۔جبکہ شیاطین جمع کا صیغہ (number) ہے۔اس سے مراد تو بہت سے شیطان ہوں گے۔ہم تو ایک سے تنگ ہیں۔ہم غریبوں کے لئے تو ایک مردود ہی کافی تھا۔اس آیت میں شیاطین کہہ کے تو آپ نے ہمیں ڈرا (scare) ہی دیا۔تو اللہ کہے گا۔عبداللہ بھٹی! ابذاتہ

Marfat.com

شیطان تو ایک ہی ہے۔ یہ منافق مکے کے جن کافر سرداروں کے پاس جا کے کہتے تھے، شیطان کے پیروکار تھے۔ اس لئے ہم نے انہیں بھی شیاطین ہی کہا...... بابا! شیطان کے پیروکاروں کا Level دیکھو وہ اس Level پہ اتباع کرتے ہیں...... جس کا اتباع کررہے ہیں۔ اسے خود پہ اتنا طاری کر لیتے ہیں اس کی ذات میں اتنا گم ہو جاتے ہیں کہ خدا سند (certificate) دے دیتا ہے کہ تم بھی شیطان ہو۔ استنباط یہ برآمد ہوا کہ جو جس کا مکمل پیروکار ہے بالآخر ''تو من شدی'' کے درجے میں داخل ہو کے عین وہی ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک بات کرتا ہوا واپس موضوع کی طرف لوٹ جاؤں۔ اگر اصول یہی ہے کہ جو شیطان ہوتا ہے تو پھر اسے کوئی محمد کا مکمل پیرو ہو تو اسے خدا کے کاغذوں میں کیا کہیں گے؟ اسی لئے کہا ''اوّلنا محمد ﷺ اَوسطنا محمد ﷺ آخرنا محمد ﷺ کُلّنا محمد ﷺ''۔

واپس موضوع کی طرف آیئے۔ ہر گناہ کی پشت پر ابلیس ہے۔ یہیں بات چھوڑ دی تھی نا۔ ابلیس عزازیل کے روپ میں آسمانوں کا ایک معتبر کردار تھا۔ یہ لعنت کی تاریخ ہے کہ اگر کوئی ایک معتبر ملعون ہو جاتا ہے تو اس کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ میں اوروں کے گلے میں بھی یہ طوق (yoke) ڈال دوں۔ یہ تاریخ بار بار دہرائی جاتی ہے۔ اسے دہرایا جانا چاہیے تاکہ آدمؑ کی کہانی زندہ رہے...... ابلیس کے ملعون ہونے کے بعد، کائنات میں جتنے گناہ ہوئے ان کا ذمہ دار بالواسطہ طور پر ابلیس ہے۔ ہم ''تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰن'' کے زمرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں...... ارے بابا! ہم تو شیطان کی وجہ سے گناہگار ہوئے۔ یہ شیطان کیوں گنہگار ہوا...... یہ مردود پہلے تو ایسے نہیں تھا...... معلم الملکوت تھا۔ اللہ کے معتمدین (acolytes) میں تھا۔ خدا عادل ہے۔ اگر اس نے فرشتوں کی افسری اسے دی تھی تو میرٹ پر دی ہوگی یقیناً Without Merit اتنا قیمتی عہدہ دینا تو خدا کے عدل میں نقص (travesty) کے مترادف ہوگا۔ اور یہ ممکن نہیں...... پھر یہ کس وجہ سے گنہگار ہوا۔ کیوں ملعون قرار پایا...... گناہ کی تاریخ میں ابھی پیچھے کی طرف اور سفر کرتے ہیں۔ یاد رکھنا! یہ جو ہم نے سن رکھا ہے کہ سجدۂ آدم سے انکار کی بنا پر ابلیس ملعون (condemn) قرار پایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ بروئے قرآن شاید یہ درست نہیں ہے۔ فقیر کی باتیں تو چبھتی (stinging) ہوئی تو ہوتی ہیں۔ بعض اوقات ناقابلِ تسلیم بھی ہوتی ہیں اور بعض اوقات ناقابلِ تفہیم ہونے کی وجہ سے ناقابلِ برداشت بھی ہو جاتی ہیں۔ ابلیس سجدۂ آدمؑ سے انکار کے باعث ملعون نہیں ہوا! میری اس بات سے اگر تھوڑی حیرت ہوئی ہو تو معاف کر دیجئے گا۔ میں آپ کو یہ کہانی نئے سرے (afresh) سے سناتا ہوں۔ سورۃ صٓ کی آیت نمبر 67 سے ایک بات شروع ہوئی۔ ''قل'' کہہ کے نبی اکرمؐ کی زبان سے ارشاد فرمایا گیا۔ میں آیت نمبر 69 سے پڑھ رہا ہوں۔ ''مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ.'' ترجمہ! اشرف علی تھانوی صاحب۔

''مجھ کو عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ جب وہ تخلیق آدم کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔''

Marfat.com

ہمیں آج تک تو یہی معلوم تھا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا تھا۔"اِنِّي جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَة" اور فرشتوں نے جواب میں "یَـفْسِکُ الـدِّمَـاءَ" والی بات کی تھی۔بحوالہ سورۂ بقرہ......لیکن آج معلوم ہوا کہ بات مشورۂ نہیں ہو رہی تھی۔نوبت جھگڑے(quarrel; dispute) تک جا پہنچی تھی۔ملاءِ اعلیٰ میں تخلیق آدم پر باقاعدہ"یَـخْتَـصِـمُوْنَ" وہ جھگڑے تھے۔ظاہر ہے کہ یہ لڑائی فرشتوں کی خدا کے ساتھ تو ہو نہیں سکتی۔ورنہ سارے فرشتے ملعون ہو جاتے۔خدا کے ساتھ"خصوصیت" کا تصور تو بڑا بے معنی ہوگا۔اس کے حکم کی نافرمانی تو ناممکن ہے۔لیکن براہِ راست اس کے ساتھ جھگڑا شاید ملائکہ کی Approach سے بڑی بات ہے۔اُدھار رہی یہ بات۔کبھی اس جھگڑے کے فریقین(disputants) متعین کریں گے۔قرآن مرشد سے پوچھ کر۔اس جھگڑے کی وجوہات بھی معلوم کریں گے۔فی الحال صرف یہی کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ ملائکہ محض تسبیح و تہلیل میں مصروف،کیفیات سے عاری،کسی مخلوق کا نام نہیں۔کبھی"ملائکہ" موضوع ہوئے تو تفصیل دیکھیں گے۔ادھار رہا۔موضوع پہ آتے ہیں۔میں آیت نمبر71 سے پڑھ رہا ہوں۔"اِذْ قَـالَ رَبُّکَ لِـلْـمَـلٰـئِـکَـةِ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِن طِیْنٍ" (اللہ سائیں نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔)

یہ آدم کی تخلیق سے پہلے کی بات ہے""بناؤں گا"۔دلیل ہے کہ ابھی بنا نہیں تھا۔سورۃ بقرہ میں "اِنِّـی جَـاعِلٌ" ہے۔وہ تب کی بات ہے جب آدمؑ خلیفہ مقرر ہو رہے تھے۔یہاں"انی خالق" ہے۔یہ تب کی بات ہے جب ابھی آدمؑ "بین الماء والطین" تھے۔"فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِن رُّوْحِی فَقَعُوْ لَهٗ سٰـجِـدِیْـنَ" جب میں اسے ٹھیک بنا لوں۔سَـوِیَّة کا معنی سنوارنا(do up) ہوتا ہے۔جب میں اس کو خوب سنوار لوں۔آرائش دے لوں اور اس میں اپنی روح پھونک(infuse) دوں تو اس کے سامنے سجدے میں گرنا۔"مسجودِ ملائکہ" کے گریڈ تک پہنچنے سے پہلے دو Stage ہیں۔نمبر ایک"سـویة" مجھے ذرا سنوار لینے دو۔نمبر دو "وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُوْحِی" اس میں اپنی روح پھونک لینے دو۔جب میں ایسا کر لوں"فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ" اس کے حضور سجدہ بجا لنا۔معلوم یوں ہوتا ہے کہ خلیفہ کی تخلیق کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ اسے"سـویة" کا مصداق بھی کرے۔"وَنَـفَخْتُ فِیْهِ مِن رُّوْحِی" کا مصداق بھی کرے۔جس کا خلیفہ ہو۔اسے سنوارتا بھی وہ خود ہے اور اس میں اپنی روح بھی منتقل کرتا ہے۔روح جسم کا باطن(interior) ہے۔گویا ظاہر میں اس کا بے شک کوئی اور نام ہو۔جسمانی طور پر چاہے اس کی بناوٹ مختلف ہی ہو۔روحانی طور پر وہ عین وہی ہوتا ہے جس کا وہ خلیفہ ہے۔بالالفاظ دیگر اس کا آؤٹ Out تو اس کا اپنا ہوتا ہے لیکن اس کا ان In اس کا اپنا نہیں ہوتا۔In اس کا ہوتا ہے جس کا وہ خلیفہ ہو...... میں کہتا ہوں۔چھوڑ یہ فرقہ وارانہ جھگڑے۔ہو سکے تو اندر کا سفر کر۔محمدؐ کے بعد جو تجھے اندر سے محمدؐ کا مکمل پیروکار(follower) لگے سمجھ لینا محمدؐ کا برحق خلیفہ ہے۔کیونکہ قرآن نے یہ طے کر دیا کہ جو جس کا خلیفہ ہو اس میں روح اسی کی ہوتی ہے۔اس کے پاس"رُوْحُکَ رُوْحِی" کی سند ہوتی ہے۔"فَقَعُوْا

Marfat.com

لَہٗ سٰجِدِیْنَ" اسے سجدہ کردینا۔یعنی تعظیم دے دینا۔"فَسَجَدَ الْمَلٰئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ. اِلَّآ اِبْلِیْس اسْتَکْبَرُوْا فَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ" سارے ملائکہ نے سجدہ کردیا۔اِلَّا ابلیس مگر ابلیس نے نہ کیا۔اشرف تھانوی کا ترجمہ پڑھنا ذرا...... "مگر یہ کہ غرور (conceit) میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔"

ٹھیک کیا ترجمہ "مِنْ" کا معنی "میں" "نہیں ہوتا۔"میں" کی عربی "فِی" ہے...... "مِنْ" کا معنی "میں سے" ہوتا ہے۔"مِنْ" کے لئے منبع کا پہلے سے موجود ہونا لازم ہے۔مثلاً اگر کوئی کہے۔اَنَا مِنْ لَاھُور میں لاہور میں سے ہوں۔تو اس آدمی کے "مِنْ" ہونے سے پہلے لاہور کا موجود ہونا ضروری ہے...... اگر اللہ نے کہا "مِنَ الْکٰفِرِیْنَ" وہ کافروں میں سے ہو گیا۔تو ابلیس کے کافر ہونے سے پہلے کفار کا ایک گروہ ہونا لازم ہے۔جن میں سے ابلیس ہو گیا۔تو ان کے دشمنوں کو اتنا جدید نہ مان۔جتنے یہ قدیم ہیں۔ان کے بیری بھی اتنے ہی قدیم ہوتے ہیں۔روشنی اور تاریکی ایک ہی عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ان کا لمحہ تخلیق ایک ہی ہوتا ہے۔ازل، آدم کی تخلیق کے روز کو نہیں کہتے۔ازل تو تخلیق کے روز اول کو کہتے ہیں۔آدم سے پہلے تو بہت کچھ تخلیق ہو چکا تھا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

جی! ابلیس "مِنَ الْکٰفِرِیْنَ" قرار پایا۔کافر تو ہو گیا۔ابھی ملعون نہیں ہوا...... یاد رکھنا! ضروری نہیں کہ ہر کافر ملعون ہو۔یہ ممکن ہے کہ کافر ہو ملعون نہ ہو۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مسلمان ہو اور ملعون بھی ہو...... ہجرت اولیٰ کے وقت نجاشی (Negus) غیر مسلم تو تھے ملعون نہیں تھے۔جبکہ شمر مسلم بھی تھا اور ملعون بھی۔کافر کے لئے توبہ کی گنجائش (room) موجود ہوتی ہے کہ کسی وقت وہ سایہ شفاعت کی پناہ میں آ جائے۔پچھلی غلطیوں کی معافی مانگ لے۔مغفور قرار پائے مگر ملعون وہ ہوتا ہے جس کے لئے توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے جس کے رجوع (recourse) کی گنجائش باقی نہ رہے۔ظلم، حُرابن ریاحی نے بھی کئے لیکن رجوع کی گنجائش موجود رہی۔اس نے اپنا در استغفار کھلا رکھا۔لیکن شمر نے تو دروازہ استغفار کو اپنے ہاتھوں سے پارہ پارہ کر دیا۔یہ بھی یاد رکھنا خدا کسی پر توجہ کا دروازہ بند نہیں کرتا۔انسان خود اپنے نفس کے لئے ظالم ہے۔اپنا باب استغفار خود پر خود بند کر لیتا ہے اور پھر ملعون قرار پاتا ہے...... کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ. ابلیس کافروں میں سے ہو گیا مگر ابھی ملعون نہیں ہوا۔ابھی اس کے مقدر کا حتمی فیصلہ نہیں ہوا۔کیونکہ جس کے جرم پر فیصلہ صادر کر دیا جائے۔فیصلہ صادر ہونے کے بعد مجرم کو صفائی کا موقع نہیں دیا جاتا۔یہ Stage تو فیصلے سے پہلے کی ہے کہ مجرم سے جرم کی Description چاہی جائے......"قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ" اللہ نے پوچھا۔"اے ابلیس! تجھے کس شے نے باز رکھا اسے سجدہ کرنے سے، جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔"

نوٹ کرو یہ بات۔خلیفہ نظر کے فیض (good influence) سے نہیں بنتا۔خلیفہ محض

Marfat.com

امر (command) سے نہیں بنتا۔ خلیفہ ''کُـــنْ'' کی تخلیق نہیں۔ خلیفہ میں Physical Exercise شامل ہوتی ہے۔ خلیفہ کو ہاتھوں سے بنانا پڑتا ہے۔ کام ہلکا ہو تو ایک ہاتھ سے ہو جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی پوری توانائیاں صرف کرنا چاہے۔ کام بھاری ہو تو بہرحال دونوں ہاتھ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ خلیفہ جب بھی بنتا ہے، بنانے والے کی پوری توانائیاں اس میں شامل ہوتی ہیں۔ خلیفہ محض دعا کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ خلیفہ کو باقاعدہ لمحہ لمحہ کر کے تعمیر کرنا پڑتا ہے۔ خلیفۂ برحق کا انکار تو معمولی شے نہ سمجھ! یہ خالق کی توانائیوں کا انکار ہے۔ بنانے والے کی محنتوں کا انکار ہے...... ہاں اسے ابلیس! تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ میری ریاضتوں کے ثمر کو...... یہ پوچھنا، اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی مقدمہ زیرِ سماعت (sub judice) ہے۔ ابھی ملزم کو مجرم قرار نہیں دیا گیا ورنہ Explanation After Punishment چہ معنی دارد۔

''تو نے تکبر کیا۔ کیا تو عالین میں سے ہے۔''

''اِسۡتَکۡبَرۡتَ'' کا مادہ ک، ب، ر، ہے معنوی طور پر اس کا مطلب ہے خود کو بڑا (self-importance) سمجھنا۔ بزرگ سمجھنا۔ باعتبار منزلت بھی اور باعتبار عمر بھی۔ ابلیس سمجھتا تھا شاید خلافت کا معیار عمر میں بڑا ہوتا ہے۔ یا قد میں بڑا ہوتا ہے اس نے آدم کو چھوٹا سمجھ کے سجدہ نہیں کیا تھا۔ تو خدا نے کہا۔ تُو نے خود کو Senior سمجھ لیا۔ تکبر کیا۔ کیا تُو ''عـــالـیـن'' میں سے ہے۔ عالین جمع کا صیغہ ہے۔ واحد عالی۔ مادہ وہی ع، ل، ی...... جس کے مرکبات نجومی ہیں۔ اعلیٰ، عالی، علی، متعال، علوّ، معلی وغیرہ۔ ترجمہ بڑی شان والے۔ بلند مرتبے والے...... معلوم ہوتا ہے عالین بھی کوئی طبقہ تھا۔ جو آدمؑ سے پہلے موجود تھا اور وہ واحد جماعت تھی جس پر آدمؑ کو سجدہ کرنا واجب نہ تھا۔ بلکہ وہ خود عالین تھے۔ جھک جاتے تو عالین نہ رہتے...... ابلیس نے جواب دیا۔ ''میں اس سے بہتر ہوں۔ تُو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اسے مٹی سے بنایا۔''

ادھر اس کے منہ سے یہ بات نکلی، اُدھر ارشاد ہوا۔ ''دفع ہو جا یہاں سے۔ میرے دربار سے نکل جاؤ۔ تُو مردود ہے یقیناً تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔''

میں پوچھتا ہوں اللہ شہنشاہ جی! اس نے حکم سے انکار کیا سجدہ نہیں کیا۔ آپ نے اسے کافر بھی قرار دیا۔ اسی وقت اس پر لعنت ڈال کر۔ دفع کر دیتے۔ تو میرا معبود کہے گا۔ عبداللہ بھٹی! تُو میرے اصولوں سے واقف نہیں۔ اس نے سجدہ نہ کر کے ایک عمل بد کیا۔ اَنَا خَیۡرٌ مِنۡهُ کہہ کر کے اپنے برے عمل کی وجہ بتائی۔ اور جلال احکم الحاکمین کا ایک ضابطہ ہے کہ وہ عمل پر سزا نہیں دیتا۔ عمل کے پیچھے موجود نیتوں پر سزا دیتا ہے۔ جب تک اس نے یہ Declare نہیں کیا کہ میں نے انا خیر منہ کی بنیاد پر سجدہ نہیں کیا۔ تب تک وہ کافر تو تھا۔ رجیم اور ملعون نہیں تھا۔ گویا حوالاتی (under-trial) تھا۔ سزا یافتہ (convict) نہ تھا۔ سزا اسے سجدہ نہ کرنے کی بنیاد پر نہیں ملی۔ سزا اسے جرم انـا خیـر منـه پر ملی۔ اور بے وقوف نے اپنے بہتر ہونے کا دعویٰ بھی نسبی بنیادوں پر کیا۔ میں

Marfat.com

آگ سے ہوں۔ یعنی اپنے Work کو نہیں، اپنے Material کو برتری کی بنیاد قرار دیا۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں بہتر ہوں۔ عدالت عظمٰی نے اس جرم کو Confirm کر کے اسے ''یوم الدین'' تک لعنت کی سزا سنادی۔

لو گناہ کی تاریخ متعین ہوگئی۔ بعد والے گناہ تو اسی گناہ کے وسیلے سے وجود میں آتے رہے۔ ریکارڈ کے مطابق منصۂ شہود پر آنے والا یہ اولین گناہ تھا۔ سنو سنو! یہ زعم اتنا خطرناک ہے کہ عزازیل جیسی معتبر شخصیت کو بھی پل بھر میں ملعون بنادیتا ہے۔ انا خیر منہ یعنی احساس برتری، وہ خط تنسیخ (dividing-line) ہے جو تمام نیکیوں کو معدوم کر دیتا ہے۔ خدا جانے ابلیس نے کتنی صدیاں عبادت کی تھی۔ اس ایک فقرے نے ساری برباد کر دی...... سوچتے رہنا۔ ارد گرد دیکھتے رہنا۔ کیا ہم سب انفرادی یا اجتماعی طور پر یہی جرم تو نہیں کر رہے۔ ہم شاہ جی ہیں۔ ہم چودھری صاحب ہیں۔ ہم رانا صاحب ہیں۔ اور فلاں ...... فلاں تو ''کمی'' ہے۔ کیا ہمارا یہ خاندانی شرف۔ ہمارا یہ نسبی تفاخر انا خیر منہ تو نہیں ہے۔ ہمارے فرقہ ورانہ جھگڑے۔ ہماری سیاسی گروہ بندیاں۔ ہماری معاشی رقابتیں (rivalries) انا خیر منہ کی بنیاد پر تو نہیں؟ کیا یہ ہمارا عمومی رویہ تو نہیں کہ ہم خود کو ایک دوسرے سے برتر۔ اپنے فرقے کو دوسروں سے برتر، اپنے نسبت کو دوسروں سے برتر، اپنی سیاسی جماعت کو دوسروں سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے جذبہ انا خیر منہ کو تسکین ملے۔ سوچنا! کہیں ہمارے اندر ابلیس نہ گھر کر گیا ہو۔ کہیں اس نے ہمیں اپنی سوچ، اپنے خیال اور اپنی نیت نہ دے دی ہو۔ سوچنا کہیں ہم مذہب انا خیر منہ قبول کر کے شیطان کے اتباع میں نہ چلے گئے ہوں۔ فقیر کی منت قبول کرنا۔ بنام خدا میرے پاس بیٹھنے والو۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ خود کو اس جذبے سے محفوظ رکھنا۔ دوسروں کو کبھی حقیر (inferior) نہ سمجھنا۔ خود کو کبھی دوسروں سے برتر (superior) نہ سمجھنا۔

آدم کے کسی روپ کی تحقیر نہ کرنا
پھرتا ہے زمانے میں خدا بھیس بدل کے

نفرت کرنی ہے تو ابلیس سے کرو۔ خواہ تمہارے اندر ہو یا باہر۔ نفرت کرنی ہے تو ابلیسی نظریئے سے کرو۔ باقی کسی کی نفرت کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا۔ جہاں نفرت ہو وہاں رب نہیں رہتا۔ تو میرے سردارو! اس بات کو نوٹ کرلو۔ ہر گناہ کی اساس ہے۔ جذبۂ انا خیر منہ ...... بات کچھ طویل نہیں ہوگئی......؟ گناہ کی بات ہے نا۔ خواہ مخواہ لمبی ہوتی جارہی ہے...... خیر، آگے چلتے ہیں۔ گناہ کو عربی میں ذَنب کہتے ہیں۔ جس کی جمع ذنوب ہے۔ ''ذنب'' کو قرآن مرشد نے تین گروپوں اور دو گریڈز Grades میں تقسیم کیا ہے۔ گریڈ نمبر ایک گناہ صغیرہ (venical sin)، گریڈ نمبر دو گناہ کبیرہ (mortal sin)۔ علمائے کرام نے تو ان کی تعداد بھی معین کر رکھی ہے۔ میں آپ کو اس کی ایک چھوٹی سی توضیح دیتا ہوں۔ نوٹ کرلو۔ گناہ صغیرہ ہر وہ گنا ہوتا ہے جو کسی دوسرے کی زندگی کو ڈسٹرب کئے بغیر Ultimately صرف گناہ گار کو ہی نقصان پہنچائے۔ جیسے شراب نوشی۔

Marfat.com

اور گناہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہوتا ہے جس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچے۔ جیسے قتل و غارت (bloodshed)۔ گناہ کبیرہ سے فرد کے ساتھ ساتھ معاشرہ بھی ڈسٹرب ہوتا ہے۔ گناہانِ صغیرہ۔ کہا جاتا ہے کہ قابلِ معافی ہوتے ہیں۔ اور گناہانِ کبیرہ نا قابلِ معافی۔ یہ یاد رکھنا کہ بڑے گناہ وہ ہوتے ہیں جن سے معاشرے میں فطری قدروں کو یا انسان کے حیاتیاتی اور شعوری ارتقا کے سفر کو بالواسطہ یا بلاواسطہ نقصان پہنچے۔ شرک کو بھی گناہ کبیرہ اسی لئے قرار دیا گیا ہے کہ مرکز توحید کو ترک کرنے سے انسان اپنے اقوال و اعمال میں منتشر سا ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً سارا معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہو سکتا ہے۔ انسانوں کو ایک مرکز کی ماتحتی میں رکھنا ہی دراصل خدا کی خواہش ہے اور سارے انبیا کی کوشش بھی...... اس بات کو پھر کبھی پھیلائیں گے۔ فلاح کی چابی ہے مرکزیت!

اب آتے ہیں۔ گناہ کے تین معروف گروپس Groups کی طرف۔ سورۃ مجادلہ کی آیت نمبر 8 ذرا پڑھ دیجئے۔

دیکھ رہے ہو جی! انہیں سازشوں سے منع کیا گیا تھا۔ مگر یہ باز نہیں آئے۔ یہ بدستور مشورے کرتے ہیں۔ اثم کے، عدوان کے اور معصیت کے۔ معصیت الرسول کہا گیا ہے۔ لیکن معصیت چونکہ خدا کی بھی ہوتی ہے۔ فعل تو ہے معصیت۔ خدا کی ہو یا رسول کی...... اس لئے گناہ کے یہ تینوں زاویے ذہنوں میں بٹھالو۔ اثم۔ عدوان۔ معصیت۔ سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ غالباً آیت نمبر 2 ہوگی۔

''اِثم اور عُدوان پر باہم تعاون نہ کیا کرو۔''

اشارہ محسوس کرو۔ گویا اثم اور عدوان گناہ کی وہ دو صورتیں ہیں جن کے لئے ایک انسان کا دوسرے انسان سے تعاون ہونا ضروری ہے۔ کسی کے تعاون کے بغیر یہ گناہ سرانجام نہیں پاتے۔ جبکہ معصیت تنہا بھی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اللہ سائیں نے جڑ کو پکڑا ہے۔ لَا تَعَاوَنُوْا۔ بس باہم تعاون نہ کرو۔ مائدہ شروع سے پڑھو۔ یہ خطاب صاحبانِ ایمان سے ہے۔ یعنی مومنین سے مخاطب ہو کر کہا جا رہا ہے۔ اثم اور عدوان میں تعاون نہ کرو۔ اس سے فوراً پہلے دعوت دی گئی ہے۔ ''یعنی بِرّ اور تقویٰ میں تعاون کرو۔''

گویا رب سائیں نے اثم اور عدوان کو اور تقویٰ کا متضاد باندھا ہے۔ نہ اثم اور عدوان بغیر تعاون کے سرزد ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی منزل بِر اور تقویٰ بغیر تعاون کے حاصل ہوتی ہے۔ اچھا بھئی۔ اگر ہم سب کچھ Explain کرنے لگ گئے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ مئی کی راتوں کے دامن میں اتنی وسعت (expanse) کہاں۔ رات تھک جائے گی۔ گناہ کی یہ تین قسمیں اجمالاً (in fine) میں نے عرض کر دی ہیں۔ اگر آپ کی سماعتیں توانا ہیں تو بات بالکل پیاسی تو ہرگز نہیں رہی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیراب نہیں ہوئی۔ کبھی گناہ کی ان تینوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ موضوع کے طور پر چھیڑنا۔ بِر اور تقویٰ کا ترجمہ بھی میں نے دانستہ نہیں کیا۔ انشاء اللہ پھر کبھی ان دونوں کا بھی پوچھنا۔ بات کریں گے۔ آج تو گناہ کی وضاحت اور مغفرت کے

Marfat.com

ذریعے پوچھے گئے ہیں۔گناہ کی وضاحت توانا خیر منہ تک ہی کافی تھی۔میں خواہ مخواہ جزئیات میں پڑ گیا۔ اثم بھی ذنب، عدوان بھی ذنب اور معصیت بھی ذنب۔میرا خیال ہے جان چھڑانے کے بارے میں سوچیں۔ کہیں سے عفو(forgiveness) کی آکسیجن حاصل کریں۔گناہ کی گھٹن تو بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔یہ طے ہوگیا کہ قول سے فعل تک ہم کوئی بھی گناہ کریں۔یا اثم ہے یا عدوان ہے یا پھر معصیت ہے۔اللہ معاف کرے۔ قرآن بادشاہ۔ہمیں راہبری دو۔کوئی نوید دو۔کوئی سبیل،کوئی ذریعہ جس سے غریب عبداللہ بھٹی جیسے سیہ کاروں کی ضمانت ہو سکے۔جان بچ جائے ہماری۔سورۃ آل عمران نکالئے۔رکئے ذرا۔گناہ کی باتیں تو سورۃ کا نام تھا مجادلہ۔مادہ ہے۔ج،د،ل۔معنی ہے لڑائی جھگڑے والی۔کیونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرنے والوں کا ذکر ہے۔اس لئے نام مجادلہ رکھا گیا۔نجات پہ بات شروع ہوئی تو پھر وہی آل عمران...... بھلا نجات کا ذکر ہو اور آل عمران کا ذکر نہ ہو۔یہ ممکن ہی کیسے ہے! میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 191 سے لے کر 193 تک پڑھ رہا ہوں۔بات ہو رہی ہے ان کمیاب مگر منتخب افراد کی۔جو دھرتی کا زیور ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور صرف ذکر ہی نہیں کرتے۔یَتَفَکَّرُوْنَ۔فکر بھی کرتے ہیں۔اللہ کی تخلیقی کاوشوں کے متعلق سوچتے بھی ہیں۔بڑے نمائندہ افراد ہوتے ہیں۔یہ لائق تعظیم بھی قابلِ تقلید بھی...... میرے دور کا ایک یہ بھی المیہ ہے۔ذکر کی محفلیں بہت ہوتی ہیں۔فکر محفل شاذ شاذ ہے۔ذکر کرنے والے بہت ہیں۔فکر کرنے والے اللہ جی روز روز پیدا نہیں کرتے۔ذکر کو معمول بنایا تو ذاکر ٹھہرے۔فکر کے سمندر میں اُترے تو مفکر ہوئے۔مدتوں نرگس(narcissus) آگہی اپنی بے نوریوں پہ بین(bewail) کرے تو تب بھی بڑی مشکل سے چمنستان عرفان میں نور فکر کا حامل کوئی دیدہ ور طلوع ہوتا ہے۔ارے! پاپلروں کے اس جنگل میں اگر کوئی برگد(oak) اپنی فکری عظمت کے گرد فکر کا حصار کھینچے، آندھیوں کو تسخیر کرنے کی کوشش کرتا ہوا تجھے کوئی نظر آجائے تو اسے افلاک کی جانب سے زمین کی جھولی میں ڈالا ہوا تبرک سمجھ کر احترام دے۔ایسے لوگوں کو نظر انداز کرنا، مشیت ایزدی کے دفتر میں اپنی بدبختی پر مہر ثبت کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔منسوب ہو جا اس سے،موسوم ہو جا اس سے کہ یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے...... جی تو ذکر ہو رہا تھا ان کا جو ذکر بھی کرتے ہیں اور فکر بھی کرتے ہیں۔ اللہ سائیں، ان آئیڈیل انسانوں کی کچھ دعائیں بیان کر رہے ہیں۔اور خدا بطور راوی ان باتوں کو نقل کر رہا ہے۔نہ راوی ضعیف، نہ روایت ضعیف۔ان مقبول دعاؤں میں سے ایک دعا جو آیت نمبر 193 میں ہے۔ذرا پڑھیے۔عفو کے زاویے بتا رہی ہے یہ دعا۔ہمیں جان بچانے کے گر بتا رہی ہے یہ دعا......

''اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔''

لیجئے پہلا زاویہ یہ دریافت ہوا کہ گناہگار اپنے غفور اور غفار رب کے غفر پہ اعتبار کر کے اس سے مغفرت طلب کرے۔معافی مانگے۔معافی تب ہی مانگی جا سکتی ہے جب غلطی کو تسلیم کر لیا جائے۔اگر غلطی مسلمہ

Marfat.com

نہ ہو تو معافی نہیں مانگی جاتی۔ کسی ملازم کو محکمہ چارج شیٹ کرے۔ تو سیانے مشیر اسے مشورہ دیا کرتے ہیں کہ جواب میں معافی نہ مانگنا۔ کیونکہ Excuse تو بجائے خود غلطی کا پروف (Proof) ہوتا ہے۔ ''تب ہی کہا جا سکتا ہے جب بندہ بھی گناہ کو تسلیم کرے اور خالق نے بھی اس کے اعمال نامے میں اس کا گناہ Confirm قرار دے رکھا ہے۔ یہ میری بات ذہن میں رکھیے گا...... پھر مجرم نے کہہ کر معافی کی اپیل کی۔ اعمال نامے پر لکھ دیا گیا۔ ''معاف کیا'' اب وہ گناہ ریکارڈ میں تو موجود ہے لیکن ہے معاف شدہ...... اس سے اگلی اسٹیج بڑی مزیدار ہے۔ یہ رحمت کا جوشیلا زاویہ ہے۔ اس میں خدا اپنے کرم گسترانہ جلال (majesty) کے ساتھ زیادہ مہربان نظر آتا ہے۔ اسی لئے تو خدا نے اس دعا کو قرآن میں جگہ دی تا کہ بندوں کو معلوم ہو سکے کہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اور یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اگلی سٹیج ہے۔ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا. کفر کا معنی ہے انکار، تسلیم نہ کرنا۔ کفر عنا سیاتنا. ہماری غلطیوں سے انکار کر دے۔ ذہنوں میں رکھنا، پہلا طبقہ وہ ہے جس کے گناہ، گناہ قرار دیتے ہوئے اللہ انہیں معاف کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جن کی دعا کے نتیجے میں ان کے گناہوں کو گناہ تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ خدا ان کے گناہوں کو ریکارڈ پر ہی نہیں رہنے دیتا۔ ان کے نامہ اعمال کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ بڑا خوش بخت ہے وہ طبقہ جسے گناہ گار قرار دینے سے خود خدا انکار (refuse) کر دیتا ہے۔ اسی دعا کی ایک تیسری اور Superlative جہت ہے۔ بڑی ہی حسین، نہایت رومان پرور، شاٹ کٹ مگر انتہائی جامع اور وہ ہے ''تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ'' ہمیں نیکوں کی معیت میں موت دے۔ اشرف علی تھانوی صاحب نے ترجمہ کیا۔ ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے...... احمد رضا بریلوی صاحب کا ترجمہ ہے۔

اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کر...... چہ خوب، بابا چہ خوب...... سنو! کیا یہ نہیں کیا کہ انہیں اچھوں کے ساتھ زندہ رکھ۔ اللہ نے ہدایت یہ نہیں کی کہ لوگو! اچھوں کے ہمراہ زندہ رہنے کی ہمت مانگو۔ بلکہ دعا یہ تعلیم دی کہ ہمیں ابرار کی معیت میں موت دے۔ یہ لفظ ابرار اسی ''بِرّ'' سے مشتق ہے۔ جس میں باہم تعاون کا حکم دیا گیا تھا۔ صدیقین کے ساتھ موت کی دعا نہیں کی گئی۔ صالحین کے ساتھ مرنے کی دعا نہیں کی گئی، ابرار کے ساتھ مرنے کی دعا کی گئی۔ ابرار، بر سے مشتق۔ جس میں تعاون لازم۔ ''ابرار'' نیک لوگوں کو وہ طبقہ ہے جن کی نیکیوں میں مخلوق کا حصہ ہوتا ہے۔ اس کے ہر قول اور ہر فعل میں صاحبان ایمان اس سے تعاون کر رہے ہوتے ہیں اور وہ صاحبان ایمان کو تعاون دے رہا ہوتا ہے۔ جبکہ صدیقین ہوں یا صالحین یہ اپنی ذات میں صدیقین بھی ہیں اور صالحین بھی لیکن اس کے مصدق و صلح کے اثر ضروری نہیں کہ دوسروں تک پہنچے۔ جبکہ ابرار کی بر کا اثر دوسروں کی ذات پر منعکس ہو رہا ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لو، صدیقین و صالحین تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور ابرار تربیت کنندہ اسی لئے بِرّ کو تعاون سے مشروط کیا گیا۔ اور بر میں تعاون کی تلقین (urge) کی گئی...... میں پھر دوسری طرف (side-tracking) نکل رہا ہوں۔ واپس چلتے ہیں...... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اچھوں کے ساتھ جینے

Marfat.com

کی دعا تعلیم نہیں دی گئی بلکہ اچھوں کے ساتھ مرنے کی دعا تعلیم دی گئی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے خدا کے نزدیک دلیل معیت (company)...... وقتی طور پر ساتھ چلنا نہیں بلکہ مرتے دم تک ساتھ رہنا ہے۔ مع الابرار ہے نا بابا! ابرار کی معیت ...... یعنی خدا کے ہاں وفا (loyalty) کا ایک ہی معیار ہے کہ تو زندگی کی آخری سانس تک اسی کا ہو کر رہ جسے تو نے اپنا کہہ لیا ہے۔ وفا شے ہی اتنی قیمتی ہے۔ اس کا فیصلہ ہی آخری ہچکی (the last gasp) کیا کرتی ہے۔ معصوم نے دعائے عدیلہ اسی Concept کے تحت تعلیم دی ہے۔ اچھا! یہ نہیں کیا گیا کہ ابرار کی وفات تک ان کا ساتھ دینے کی توفیق (divine help) بخش، یہ ایک خاص لفظ ہے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے۔ ہمیں ہماری موت تک ابرار کی معیت سے سرفراز کر۔ وہ صاحبان ذکر و فکر جن کی یہ دعا ہے۔ یقیناً اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ اللہ تو خیر علیم بذات الصدور ہے۔ کہ کچھ وفادار ایسے بھی ہوتے ہیں جو ابرار کی زندگی میں تو ان کی معیت کے دعوے دار (claimants) ہوتے ہیں۔ ادھر ابرار نے آنکھیں بند کیں ادھر انہوں نے آنکھیں بدلیں۔ اسی لئے دعا میں اس نزاکت کا خیال رکھا گیا ہے کہ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَار. ''ہمیں'' ابرار کی معیت میں وفات دے۔ یعنی ہم مر جائیں لیکن دامن معیت پہ داغ نہ لگے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں توفنا مع الابرار کا ترجمہ پنجابی میں کروں۔ توفنا مع الابرار کا سچا ترجمہ ہے۔ ''ربا! اُسی کسے چنگے دے لڑ لگ کے مریئے۔'' اس ''لڑ لگنے'' کا اردو میں کوئی Alternative نہیں ہے...... یہ جان بچانے کا تیسرا فارمولا تھا اور شاید نہایت ہی آسان یا شاید نہایت ہی مشکل۔ اسی لئے غالباً اس دعا میں حرفِ آخر کے طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اسے Repeat کر لو۔ پہلا زاویہ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا. دوسرا زاویہ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اور تیسرا زاویہ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَار ...... یعنی یا تو رب غفار کے حضور، اپنی پلکوں پہ لرزتے ہوئے موتیوں کو سفارشی بنا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ یہاں تجھے ایک امر کا خیال ضرور ہے کہ جتنی شدت تیرے گناہوں میں ہے۔ استغفار (mercy) میں بھی اتنی ہی شدت رکھنا۔ جتنے اشتیاق سے گناہ کیا ہے، زیادہ نہیں تو اتنے ہی اشتیاق کے ساتھ استغفار کرنا۔ جتنا اہتمام (effort) گناہ کرنے میں کیا ہے اتنا ہی اہتمام استغفار میں کرنا۔ میں تجھے امید دلاتا ہوں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ لاچار غلام بلک بلک (bitterly) کر روتا رہے اور غفار آقا اس کے آنسو نہ پوچھے۔ تیری قسم...... مجھے تیری قسم، یقین رکھ تیرا رب بڑا ہی رحیم ہے، بڑا ہی کریم ہے۔ رؤف جو ہوا...... ارے بابا رؤف جو ہوا

سوال۔ حضور توبہ قبول ہونے کا کوئی یقینی طریقہ بھی ہے؟

قرآن جی سے پوچھتے ہیں کہ ہمیں کوئی آئینی Channel بتائے۔ جس سے ہمیں تشفی ہو جائے کہ ہماری استغفار کی سمت درست ہے۔ ہماری ضمانت کے کاغذات قانونی طور پر مکمل ہیں۔ لے سن استغفار کا پراسس (process)۔ سورۃ نساء نکالئے۔ میں آیت نمبر 64 پڑھ رہا ہوں۔

''ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ حکم خدا سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور اگر کچھ لوگ

Marfat.com

اپنی جانوں پر ظلم کرلیں (یعنی گناہگار ہو جائیں) تو انہیں چاہیے کہ وہ (اے رسولؐ) تمہارے پاس آئیں۔ پھر اللہ سے استغفار کریں۔ اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرے۔ تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم پائیں گے۔

قرآن حکیم کے بارے میں امت مسلمہ کی متفقہ رائے ہے کہ قرآن قیامت تک کے لئے ضابطۂ حیات ہے۔ خصوصاً وہ آیات جو بالاتفاق منسوخ نہیں ہیں۔ بہرحال انسانی زندگی میں نافذ العمل رہنی چاہئیں ...... یہ آیۂ مبارکہ منسوخ بھی نہیں ہے، کسی نے اسے منسوخ نہیں لکھا۔ حکم یہ ہے کہ گناہگار خود ہی گناہ کر کے خود ہی استغفار نہ فرمالیں۔ بلکہ تیرے پاس آ کر استغفار کریں اور اے رسولؐ! تُو بھی ان کے لئے استغفار کرے گا تو اللہ ان کے لئے تواب ورحیم ثابت ہوگا۔ یعنی عاصی (sinner) استغفار کے ساتھ ساتھ رسولؐ کی استغفار بھی شامل ہو۔ بطور سفارش ...... یا بطور شفاعت (intercession) ......

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب رسولؐ تو بظاہر دنیا میں موجود نہیں۔ آیت موجود ہے اور تا بہ قیامت لائحہ عمل موجود ہے۔ اب گنہگار کہاں جائے۔ جبکہ ضابطہ کہتا ہے کہ تب تک استغفار کامل ہو ہی نہیں سکتی جب تک رسولؐ بھی اس کے لئے استغفار نہ کرے۔ اب رسولؐ کی عدم موجودگی (absence) میں یا تو قرآن سے اس آیت کو نکال، یا یہ مان کر رسولؐ کے بعد استغفار قبول ہونی بند ہوگئی ہے۔ کیونکہ قانون تو قانون ہے نا! یا پھر کوئی ایاز ڈھونڈ لے جسے محمود نے اپنا آپ سونپ (dedicate) دیا ہو۔ اس میں اپنی روح پھونک (infuse) دی ہو! اللہ تو تیرے تواب ورحیم ہونا چاہتا ہے رے! لیکن جو Process اس نے متعین کیا ہے۔ تُو خود اسے Adopt نہیں کر رہا۔ تُو خود پہ خود ظلم کر رہا ہے۔ تُو کسی کا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن ...... مجھے مخدوم علی ہجویریؒ کی کشف المحجوب یاد آ رہی ہے۔ جسے مرشد مانا جاتا ہے۔ جو قدیم کتب میں ایک مستند (authentic) حیثیت کی حامل ہے۔ حضور داتا صاحبؒ اس کتاب کی فصل دوئم میں ایک حدیث لکھتے ہیں۔ گویا حدیث کی معروف کتابوں میں یہ حدیث کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔ میں نہیں جانتا اس کی اسناد (authority) کیا ہے۔ تاہم علی ہجویریؒ نے اسے بطور حدیث رسولؐ نقل کیا ہے۔ اور میں ان کے علمی تبحر کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ حضور داتا صاحبؒ علمائے سو سے کہیں زیادہ معتبر ہیں۔ اور کسی بھی دور میں ان کی علمی حیثیت کو معمولی نہیں سمجھا گیا۔ اور وہ حدیث ہے۔ قال رسول اللہ، اَلشَّیْخُ فِی قَوْمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِی اُمَّتِهٖ. یعنی شیخ اپنی قوم میں ویسے ہی ہے جیسے نبی اپنی امت میں ...... لے تیری استغفار کو پناہ مل گئی، تیری استغفار کامل ٹھہری۔ اب دوسری سٹیج، "کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا" ہمارے گناہ محو (delete) کر دے، ریکارڈ ہی سے مٹا دے۔ بھائی! کیسے مٹ سکتے ہیں وہ گناہ جو لکھے جا چکے ہیں۔ کوئی تو ہمارے پاس طریقہ ہونا چاہیے نا ...... سورۃ ھود نکال لیجئے۔ میں گناہ Cancel کروانے کا فارمولا آپ کو بتاتا ہوں۔ آیت نمبر 114 ہوگی غالباً ......

میرے مہربان اللہ جی ارشاد فرماتے ہیں۔ "اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰت" ترجمہ: (بے

Marfat.com

شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔)

لو میرے سردار! یا استغفار کرلو، یا حسنات (virtues) پہ تھوڑی سی محنت کرلو۔ یا کسی ''اچھے'' کے ہو کے مرجاؤ۔ جنت کے یہ تین دروازے ہیں۔ جس میں سے چاہو داخل ہو جاؤ......اب ایک اور گیٹ ہے۔ ذرا ان تینوں سے بڑا ہے۔ لیکن ہے بڑا خوبصورت اور دلچسپ بھی۔ سورۃ فرقان نکالنا ذرا۔ پچیس نمبر سورۃ ہے۔ میں اس کی آیت نمبر 69 پڑھ رہا ہوں......چلو ترجمہ ہی پڑھ لیتے ہیں۔

''بڑھایا جائے گا اس پر عذاب قیامت کے دن اور وہ ہمیشہ اس میں ذلت کے ساتھ رہے گا۔''

دھمکی مل رہی ہے۔ بہت سخت لہجے میں اور اس کے فوراً بعد ہی خوشگوار ہوا کا جھونکا (whiff)۔ اِلَّا۔ مگر۔ مَنْ تَابَ جس نے توبہ کی۔ وَ اٰمَنَ اور ایمان لایا۔ و عَمِلَ صَالِحاً اور اچھا عمل کیا۔ تین مرحلے ہیں یہ تاب ایک، امن دو اور ع ملا صالحا تین۔ پہلے توبہ......یہ توبہ کا معنی معافی نامہ نہیں ہوتا۔ اس کا معنی ہوتا ہے متوجہ ہونا، دھیان دینا۔ جو دھیانی ہے وہی گیانی ہے۔ جس نے توبہ کی یعنی جو متوجہ ہوا......کلام اللہ جی کا ہے۔ ظاہر ہے توبہ کا عطف بھی اللہ جی کی جانب ہی ہوگا۔ لیکن یہاں اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔ بس صرف یہی کہہ دیا گیا ہے۔ من تاب جس نے توبہ مبذول کرلی......کس کی جانب؟ اس کی تفصیل نہیں دی گئی۔ اور یوں بات مزید گہری بھی ہوگئی اور لطیف (subtle) بھی۔ یار! بات بڑی ہی نوکیلی (pointed) ہے۔ ''مَنْ تَابَ'' جو متوجہ ہوا۔ ''وَ اٰمَنَ'' اور ایمان لے آیا......کس پر......؟ یہاں یہ تفصیل نہیں دی گئی......وعَمِلَ صالحاً اور عمل صالح بجالایا۔ عمل بھی واحد، صالحاً بھی صیغہ واحد......یعنی کوئی ایک عمل ہے جو محیط ہے سب اعمال پر۔ عملا صالحا۔ عمل کی توضیح بھی یہاں موجود نہیں۔ یہ انداز بیان بھی کوئی اللہ جی سے سیکھے......یہ کھٹے میٹھے لہجے (bittersweet) اور ہشت پہلو لفاظی......قرآن کا ہی اعجاز ہے۔ جی......! جو متوجہ ہوا، ایمان لے آیا، عمل صالح بھی بجالایا......تو پھر ہوگا کیا......؟ یہ بات بڑی مزیدار ہے۔ فَاُولٰئِکَ یہ لوگ ہیں۔ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ. اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

یعنی انہوں نے کیا تو گناہ۔ لکھی گئی نیکی۔ پیچھے تو تذکرہ تھا کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا کا......وہاں صرف گناہوں سے انکار (repudiation) ہوا تھا۔ یہاں ایک قدم آگے کی بات ہے۔ یہاں صرف ان کے گناہوں کا انکار نہیں ہو رہا۔ بلکہ ان کے ہر گناہ کو بھی نیکی میں شمار کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا! اگر کسی کو ایسا کرتے ہوئے تو دیکھے جو بظاہر تیری نظر میں برا ہو۔ تو حتمی فتویٰ نہ صادر کردیا کر۔ اے میرے واعظ شعلہ بیان۔ ممکن ہے رے......یہ ممکن ہے کہ اس کے گناہ نیکیاں شمار کئے جارہے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عنید کی نیکیاں محض اس ''مردِ منتخب'' کے عناد کی وجہ سے بدیاں شمار ہونے لگیں۔ پیشاب ناپاک (unclean) ہی سہی لیکن یہ ناپاکی بہتے ہوئے دریاؤں کو ناپاک نہیں کرسکتی۔ دریا نجس نہیں ہوسکتے۔ جن کی منصبی ذمہ داری دوسروں کو پاک

Marfat.com

کرنا ہو۔ خدائے متعال ان کی پاکیزگی کا خود خیال رکھا کرتا ہے۔ بڑا خوش بخت طبقہ ہے یہ...... جو چھلانگ تو لگائے دوزخ میں اور اللہ اس دوزخ کو جنت بنا دے۔ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰت. بس یار ...... یار زندہ صحبت باقی۔ کبھی اس بات کو مزید وسعت (expand) دیں گے۔

سوال: ''عبد'' مجبور محض ہے یا اس سے زیادہ کچھ...... کیا فرماتے ہیں آپ؟

جواب: عبد مجبور ہے، عبد کو مجبور ہونا چاہیے۔ عبد کو مجبور رہنا چاہیے۔ عبد مجبور نہ ہو تو عبد نہیں رہتا۔ روحانی کائنات میں عبد کے ناموس (honour) کا معیار ہی ایک ہے، جو جتنا مجبور (helpless) ہے اتنا معتبر (dignified) ہے۔

نک نکیل تے ہتھ بلوچاں جدھر چلاون چلاں
میری کیہ مجال محمد ایدھر اودھر ہلاں
کی حد تک اور
''میں گڈی ہتھ ڈور سجن دے جیویں رکھے اوویں رہنا''
کی حد تک،

عبدیت کی معراج کا نام محمدؐ ہے۔ میرا اسلام اس ذات کریم کے پائے اقدس پر جس کے مالک نے اسے یہاں تک سند دی کہ یہ اپنی مرضی سے بولتا بھی نہیں ہے جب تک میں نہ کہوں۔

بات کہیں اور نکل جائے گی میں گوشہ نشین (recluse) بہت زیادہ عقلمندانہ باتیں کرنے کا نہ اہل (competent) ہوں نہ مجاز (authorised)۔ میں غریب، خانقاہ کے رنگوں کا اسیر، اساتذہ کے طرزِ تکلم سے نا آشنا۔ میں نے تو بولنا بھی لفظوں سے سیکھا ہے، میری بات قطعاً حرفِ آخر نہیں ہے۔ بلکہ پتہ نہیں کیوں میں سمجھتا ہوں کہ بات کو حرفِ آخر (the last word) ہونا ہی نہیں چاہیے۔ ذہن کے دریچے نئی صبحوں کے لیے کھلے رہنے چاہئیں۔ جب باتیں، آخری باتیں ہونے لگیں تو یہ ناطقہ (faculty of speech) ہی کی نہیں سماعتوں کی بھی موت ہے۔

یار! عبد ہر حال میں مجبور ہے لیکن ایک اختیار (power) ایسا ہے عبد کے پاس، جسے استعمال کرنے کا اگر اسے ڈھنگ آجائے تو عبد و معبود کے درمیان فاصلے کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اختیار ہے ''مانگنا''۔ دعا کہہ لو اسے، طلب کہہ لو، عرض مدعا کہہ لو، کچھ بھی کہہ لو، لیکن عبد کا یہ اختیار اتنا حسین ہے کہ معبود بجائے خود عبد کو یہ اختیار استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے جب عطا کرنے والا مانگنے والوں کو مانگنے کی دعوت دے رہا ہو تو سمجھ لو...... طلب، اظہار سے پہلے ہی قبول کر لی گئی ہے۔ میں فقیر آدمی، مانگنا میرا سبجیکٹ (Subject) اس پر مجھے فخر، وقت طلب، میرا وقت اختیار رہتا ہے، جتنی گہری نظر سے میں مانگنے والوں کو دیکھتا

Marfat.com

ہوں اتنی گہری نظر سے تو دینے والے کو میں نہیں دیکھ پایا، ظاہر ہے آدمی اپنے جیسوں کو زیادہ دیکھنا چاہتا ہے۔

جی میں کہہ رہا تھا، مجھے کچھ مانگنے والے یاد آئے ہیں، وہ میرے استاد تھے۔ میں ان کے لیے دعا گو ہوں۔ پرانی بات ہے میں ایک مرتبہ سہون شریف گیا۔ گاڑی سے اترا تو بہت سے فقیر میرے قریب آ گئے میں حسبِ توفیق انہیں دیتا رہا، ان میں سے ایک فقیر مجھے عجیب سا لگا، اس کے ہاتھ میلے (soiled) نہیں گندے (filthy) تھے۔ اس کے بال بکھرے (dishevelled) ہوئے نہیں، آپس میں جڑے (matted) ہوئے تھے۔ اس کے کپڑے ایسے تھے جیسے اس نے کئی راتیں موبل آئل کی کسی دکان کے تھڑے (stoop) پر سو کر گزارے ہیں۔ اس نے اپنا ٹیڑھا میڑھا سا ایلومینیم کا بڑا سا کٹورا میری طرف کیا۔ جو میرے ہاتھ میں تھا، میں نے اسے دیا اور ساتھ ہی نہ جانے کیوں میں نے اسے کہا کبھی نہا بھی لیا کرو۔ بات سن کے اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، میرے کان کے قریب اپنا منہ کر کے کہنے لگا میری ایک بات یاد رکھنا۔ ''فقیر جتنا میلا ہو سخی کو اس پر اتنا ہی زیادہ ترس آتا ہے۔'' اس کی بات میں کیا تھا۔ میں دو گھنٹے روتا رہا اور پھر اس کے بعد میں جب بھی سائیں کے حضور پیش ہوا میں نے خود کو ستھرا کر کے کبھی پیش نہیں کیا۔

امام بریؒ کی ہی بات ہے میں جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھا، بہت سے فقیروں نے مجھے گھیر لیا (surround)، میں نے سب کو دیا، لیکن ایک بچہ تھا وہ کہتا تھا ''اور دے'' میں نے اسے انکار کر دیا۔ گاڑی چل پڑی، وہ ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ میں نے اسے جھڑک (snub) کر کہا۔ ''کیوں دوڑ رہا ہے؟'' اس نے کہا تو نے نہیں دینا تو نہ دے تو مجھے دوڑنے سے نہیں روک سکتا۔ میں نے کھڑکی کے ہاتھ نکال کے بہت سے پیسے دیے اور کہا نہ دوڑ۔ اس نے بھاگتے بھاگتے کھڑکی کے قریب آ کے کہا، میری بات یاد رکھنا ''ملے یا نہ ملے، سائیں کے ساتھ ساتھ دوڑنا نہ چھوڑنا، بہت ملتا ہے۔''

ایک جگہ پھر وہی سین (Scene) ہوا، ان میں سے ایک فقیر میرے چند قدم چلنے کے بعد دوبارہ سامنے آیا۔ اس نے پھر مانگا۔ میں نے کہا، یار میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہیں دیا ہے۔ اس نے میری طرف گہری نظر (intently) سے دیکھا اور کہا۔ ''تم خود تو اپنے سائیں سے بار بار مانگتے ہو اور مجھے دوسری مرتبہ دینے سے بھی کترا رہے ہو۔'' میں اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا تو اس نے فقرہ کہا کہ ''اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں بار بار ملے تو دیتے وقت باریاں نہ گنا کرو۔''

میں واپس اپنی رہائش گاہ پر آ گیا۔ شام کا کھانا کھا رہے تھے کہ کھلے دروازے پر دستک (knock) ہوئی۔ ایک فقیر جسے میں پہلے دیکھ چکا تھا کھڑا تھا، میں نے اس کی طرف دیکھا اس نے دستِ طلب بڑھایا، میں نے اسے نسبتاً زیادہ پیسے دیے، وہ دو قدم چلا اور پھر پلٹا، مجھے کہنے لگا کہ میری ایک بات یاد رکھنا کہ ''دروازہ کھلا بھی ہو تو فقیر کا کام دروازہ کھٹکھٹانا ہے جو فقیر دروازہ کھٹکھٹا دے اسے دوسروں سے زیادہ دیا جاتا ہے۔''

Marfat.com

ایک مرتبہ اسی طرح ایک عورت آئی اس نے ایک بچہ تقریباً ایک سال عمر کا، اپنے کندھے سے لگایا ہوا تھا۔ میں نے اسے بھی حسبِ توفیق دیا کہنے لگی، میرے بچے کا حصہ بھی دو، میں نے کہا کہ اس کا حصہ تم کیوں مانگ رہی ہو؟ اس نے میری طرف گہری نظر سے دیکھا اور پھر پنجابی میں کہا تو بھی میری ایک بات یاد رکھ۔

''جیہڑے کھُرڑ چکے ہون، اوھناں دے حصے منگنے پیندے نیں''

محترم دوستو! مَیں خانہ فقر میں ہوں، درویش، لوگوں کی توقعات کا مرکز ہوتا ہے۔ اس فقیرنی کے درس کے بعد پتہ نہیں کتنے سجادہ نشین درویشوں کو میں یہ فقرہ سنا چکا ہوں۔ باتیں تو بہت لمبی ہیں! آپ سے بات کرتے ہوئے ویسے بھی لمبی بات چھوٹی لگنے لگتی ہے۔

میں نے تو زندگی سے یہی اخذ کیا ہے کہ اختیار ہونا اور بات ہے اور اختیار کو استعمال کرنے کا طریقہ ہونا اور بات ہے۔ اور میرا پوری خانقاہی ذمہ داری سے یہ خیال ہے کہ اگر عبد کو اختیار طلب کا سلیقہ آجائے تو معبود کو اس پہ پیار آنے لگتا ہے۔ وہ کیا شعر تھا جان کاشمیری کا۔

حقیقت میں سلیقہ ہی بنائے حسن ہوتا ہے
کسی ترتیب سے رکھو تو پتھر بھی نگینے ہیں

بس کرتے ہیں، مولا عزت برکت دے!!!

سوال: اتباعِ (obedience) رسولؐ کے صوفیانہ زاویے کیا ہیں؟

جواب: فقیر مامور (duty-bound) ہوتا ہے۔ اس بات پر کہ انسان کو انسان کے قریب کرے۔ محبت فقیر کی عبادت اور صبر فقیر کی ریاضت (exercise) ہوتی ہے۔ باہمی نفرت پھیلاتے ہوئے دیا جانے والا کوئی بھی پیغام نہ شریعت کا نمائندہ ہوتا ہے نہ طریقت کا، نہ معرفت کا اور نہ حقیقت کا۔ میرا رب، رب الناس ہے۔ ''الناس'' بلاتخصیص مذہب وملت، تمام دنیا کے انسانوں کو کہتے ہیں۔ انسانوں کی ایک گروہی اکائی امت کہلاتی ہے۔ امت کسی نبی سے منسوب ہوتی ہے۔ نبی خدا کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اگر انسان اپنی شناخت انفرادی طور پر کروانا ہی چاہے۔ تو خدائی انتظام کی ماتحتی میں امت کے ایک فرد کی حیثیت سے کرواسکتا ہے۔ اس سے زائد کوئی ذیلی شناخت نہ وجہ تفاخر (vainglory) ہے اور نہ ہی خانہ فقر میں جائز۔

روح کی دنیا میں چار اشتراک ہیں۔ یعنی وہ چار مقامات ہیں جہاں انسان مجتمع (converge) ہوتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ مسلمان باہم قریب ہوتے ہیں۔ اللہ ایک۔ رسولؐ دو۔ امام تین اور مرشد چار۔ یہ چار حوالے ہیں ہمارے۔ کہیں ہمارے اقوال واعمال روحانی حوالے سے اپنے مرشد کی نمائندگی کررہے ہوتے ہیں۔ کہیں ہمارے اقوال واعمال شرعی حوالے سے اپنے رسول کی نمائندگی کررہے ہوتے ہیں۔ اور ہم میں سے

Marfat.com

انتہائی شاذ مگر بزرگ ترین ہے وہ معظم انسان جو کبھی کبھی اپنے اقوال واعمال میں خدا کی نمائندگی کر رہا ہو۔

ہمارے ہاں کچھ اصطلاحات مروج (current) ہیں۔ جو معتبر بھی ہیں اور حوالجاتی اعتبار سے مستند بھی۔ ہمارے ہاں ایک مرشد کے حلقہ بگوش آپس میں پیر بھائی ہوتے ہیں۔ اور باہم پیر بھائی کہنے کہلانے میں خوشی بھی محسوس کرتے ہیں۔ ایک امام کے مقلدین خود کو کسی فرقے کا نام دے کر دوسروں سے متمیز بھی قرار دیتے اور باہم ایک دوسرے کے قریب بھی ہوتے ہیں۔ نظریاتی طور پر بھی اور معاشرتی طور پر بھی۔ ایک نبی کے ماننے والے کل مومن اخوۃ کی زنجیر میں بندھ جاتے ہیں۔ دیکھا آپ نے قدر مشترک کا فیض۔ یعنی میں نے خود کو مرشد کی غلامی میں دیا ادھر میں نے مرشد کی جھولی میں اپنا سر رکھا، اپنی محبت کے پھول مرشد کے پیروں میں ڈالے ادھر اس مرشد کے سارے حلقہ بگوش میرے بھائی بن گئے۔ اس بھائی بندی کی بنیاد صرف یہ تھی کہ ہمارا محبوب ایک تھا۔ ہم ایک ہی مرشد پر متفق تھے۔ کسی خونی یا رحمی رشتے سے قطع نظر، محض عقیدت کے اشتراک نے ہمارے درمیان اخوت (fraternity) کا رشتہ قائم کر دیا۔

ایک امام پر متفق ہو گئے ہم۔ امام ہماری شناخت (identity) بن گیا۔ جی ہم حنفی ہیں۔ ہم حنبلی ہیں۔ مالکی ہیں۔ شافعی ہیں، علے ھذا القیاس...... غور کیا آپ نے ہم نے تَفَقُّہ فی الدین کے حوالے سے ایک امام پر اعتبار کیا ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ دین کی جو توضیح اس شخصیت نے کی ہے وہ دوسرے آئمہ کی نسبت حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ اُدھر ہم نے ایک امام کو اپنایا۔ ایک امام پر متفق ہوئے۔ ادھر ہماری جماعت بھی علیحدہ ہو گئی۔ ہماری مسجد بھی الگ بن گئی۔ ہم نے درمیان میں اخوت کا رشتہ قائم کر دیا کسی بھی خونی یا رحمی رشتے سے قطع نظر۔

(کیا میری بات واضح ہو رہی ہے) محض فقہی محبوب ایک ہونے پر...... رسول کو لیجئے۔ افریقہ سے بلالؓ ہو۔ حبشہ (Abyssinia) افریقی ریاست ہے۔ اب اسے سوڈان یا غالباً ایتھوپیا بھی کہتے ہیں۔ رنگ کالا ہو۔ بال گھنگھریالے (curly) ہوں۔ افریقی زبان بولتا ہو۔ کیڈر کے اعتبار سے غلام ہو۔ ایشیا سے سلمانؓ ہو۔ دورِ رسالت میں دو ہی سپر پاورز تھیں۔ ایک ایران اور دوسری اٹلی۔ روم اٹلی ہی کا دارالحکومت تھا۔ کسریٰ (Chosroes) ایران کا بادشاہ تھا۔ قیصر (Caesar) روم کا۔ باقی تقریباً ساری معلوم دنیا ان دونوں میں سے کسی ایک کو خراج (tribute) دیتی تھی۔ بڑی طاقتیں دو ہی تھیں۔ ارتقا جنم ہی تضاد کی کوکھ سے لیتی ہے۔ انسانی تاریخ میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ روئے زمین پر ہمیشہ، ہر دور میں دو قومیں، دوسری اقوام کی نسبت زیادہ پاورفل رہی ہیں۔ اور دوسری قومیں عسکری، معاشی، معاشرتی حوالوں سے ان کی دست نگر رہی ہیں۔ لیکن بہر حال یہ اقتدار عارضی ہوتا ہے۔ سدا حکومت میرے رب شہنشاہ کی ہے۔ کیونکہ یہ بھی مسلمہ تاریخی حوالہ ہے کہ دو پاورفل قومیں آپس میں کسی نہ کسی حوالے سے متحارب ہوتی ہیں۔ اور اس تحارب سے فائدہ لے کر کوئی تیسری قوم یکدم ابھر کے سامنے آتی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی جگہ لے لیتی ہے اور پھر انسانی تاریخ ایک نیا

Marfat.com

موڑ لیتی ہے...... یہ میں کدھر نکل گیا...... جی تو میں عرض کر رہا تھا۔ افریقہ کی نمائندہ تہذیب حبشہ سے بلالؓ ہو۔ ایشیاء کی عظیم تہذیب کے نمائندہ خطے ایران سے سلمان فارسیؓ ہو۔ یورپ کی نمائندہ تہذیب اٹلی سے صہیب رومیؓ ہو۔ مڈل ایسٹ کی صحرائی تہذیب کا نمائندہ ابوذرؓ ہو۔ شہری تہذیب میں سے بنو تمیم کا ابوبکرؓ ہو۔ بنو عدی کا عمرؓ ہو۔ بنو امیہؓ کا عثمانؓ ہو۔ بنو ہاشم کا علیؓ ہو یا مدینے کے انصار کا رئیس سعدؓ بن ابی عبادہ ہو۔ ادھر انہوں نے اپنا دل ایک محمدؐ کو دیا، ایک نبی کی غلامی قبول کی، ادھر دفعتاً کسی صلبی یا رحمی حوالے سے قطع نظر۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِم کی سند حاصل کرتے ہوئے یہ آپس میں بھائی ہو گئے۔

میری سمجھ میں آ رہی ہے اک بات، اصول یہ برآمد ہوا کہ اگر بہت سے لوگ مل کر کسی ایک کو اپنا سمجھ لیں، کسی ایک ذات پر متفق ہو جائیں، اس ذات سے محبت کرنے لگیں تو پھر سب ایک آفاقی رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔ جس رشتے میں خون کی شرط نہیں ہوتی، زبان کی شرط نہیں ہوتی، رنگ کی شرط نہیں ہوتی، معاشرتی قدر کی شرط نہیں ہوتی، قبیلے کی شرط نہیں ہوتی...... یہاں مَیں نہ مانی جانے والی ایک بات کہہ جاؤں۔ ایک دعوت فکر دیتا ہوں طریقت امام بریؒ کے پلیٹ فارم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ ایک مرشد کو مان کر بھائی بن جانے والو! ایک امام کو مان کر بھائی کہلانے والو! ایک رسول کو مان کر بھائی ہو جانے والو! تم ایک خدا کو مان کر آپس میں بھائی کیوں نہیں بن سکتے۔ کیا خدا ایک مضبوط قدر مشترک (common value) نہیں؟......

اے بندگان دیوتائے عشق! اے راہ نوردگان ادب گاہ محبت۔ میری ایک منت مانو۔ اپنے اندر خدا کو مضبوط کرو، اپنے دل کو اس کا گھر بننے دو۔ پھر دیکھنا بغض (malice) تمہیں کفر لگے گا۔ انسان، انسان کے قریب آجائے، تو زمین پھولوں سے بھر جائے۔ زیتون کے پتے چونچ (beaks) میں لیکر اڑتی ہوئی فاختائیں۔ اپنی معصوم اٹھکیلیوں (pranks) سے مریخ (Mars) کو مسکرانے پر مجبور کر دیں۔ (فاختہ کی چونچ میں زیتون کے پتے دنیا بھر میں امن کی علامت قرار دیئے جاتے ہیں۔ مریخ علمِ نجوم کے حوالے سے جنگ وجدل کا ستارہ ہے) اور پھر گلاب کی پتیوں (rose-petals) پر چلتا ہوا۔ میرا صاحب سائیں...... تکلیف کئے بغیر حکومت کرے۔

سوال کیا گیا ہے۔ اتباع رسولؐ کے صوفیانہ زاویے کیا ہیں؟ میں محسوس کر رہا ہوں پچھلی کئی نشستوں سے کہ ہر سوال میں ایک لفظ ضرور موجود ہوتا ہے اور وہ ہے ''زاویے'' ابھی پچھلی مرتبہ کسی نے حمد کے بھی زاویے (angles) ہی چھیڑے تھے۔ میرے ساتھیوں نے درویشی کو جیومیٹری بنا دیا ہے۔ ہماری مسند پر روایتی فقرا کا یہ الزام بھی موجود ہے۔ کہ ہم نے فقیری کو سائنس بنا دیا ہے۔ مجھے ایک اللہ والے یاد آئے۔ یادش بخیر (May he lives in peace!)۔ فرمایا کرتے تھے۔ ''تجدید طریقت کی ذمہ داری مرشدؒ نے تمہیں سونپی ہے۔ تم جدتیں تخلیق کرنے پر قادر ہو، یہاں جدت بمعنی بدعت (heresy) نہیں بلکہ اصول کو محکم مانتے

Marfat.com

ہوئے فروع میں اجتہاد برائے ارتقا مراد ہے۔ ہمیں علوم تصوف کو وحی (revelation) کی روشنی میں سیکھنا، سکھانا اچھا لگتا ہے۔

جی اتباع کی بات ہو رہی تھی۔ میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر اکتیس پڑھ رہا ہوں۔ تین نمبر سورۃ ہے۔

آپ ؑ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو۔ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔

تقریباً سبھی ترجمے لفظوں کے معمولی اختلاف کے ساتھ، معنوی طور پر ایک جیسے ہی ہیں۔ محمدؐ جی! کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ تمہارے گناہ معاف کرے گا۔ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے...... میرے خالق رب نے بلسانِ رسولِ عربی ؐ سب کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ قل کے بعد آمنوا کی تخصیص نہیں ہے بلکہ لہجہ تعمیمی ہے۔

صلائے عام ہے یاران نقطہ داں کے لئے۔ کی بنیاد پر دعوت دی گئی ہے۔

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ لہجے (tone of voice) کے مفہوم کا تعین (detemine) کرنے میں بڑا مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ لہجوں کی اونچ نیچ سے معانی کی دنیا زیر و زبر (topsy turvy) ہو جاتی ہے۔ اس آیت مقدسہ کا جو ترجمہ مروج ہے۔ آج تک یہی کیا گیا۔ بلکہ یوں کہو کہ یوں ہی کیا گیا۔ کہ ارشاد رب العزت ہے۔ اے رسول کہہ دیجئے۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو...... میرا ...... اتباع کرو۔ آپ نے غور کیا۔ زور ''میرا'' پہ دیا گیا۔ حالانکہ یہ ''فـــــا'' ہے۔ ''پس'' کیا جاتا ہے اس کا ترجمہ، پس، پیش کا متضاد ہے۔ بعد یا پیچھے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آپ یوں سمجھئے کہ انگریزی لفظ Then کا عربی Alternative ہے ''فـا''...... ترجمہ بیان کرنے والوں نے کبھی ''فـا'' کو ملحوظ نہیں رکھا۔ پھر عرض کر رہا ہوں۔ ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ''اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو...... میرا...... اتباع کرو''۔ زور میرا پہ دے کر۔ حالانکہ اس کا سچا ترجمہ یہ ہے۔ ''اے رسول کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو...... تو...... میرا اتباع کرو''۔ یعنی زور ''فا'' پہ ہے، زور ''تو'' پہ ہے، زور Then پہ ہے۔ اتباع کو محبت الٰہیہ سے مشروط (condition) رکھا گیا ہے۔ اگر تمہارے دل میں اللہ بس گیا ہے۔ اگر اللہ کی محبت تمہارے سینے میں جاگزین (entrenched) ہو گئی ہے تو اب تم پہلا راؤنڈ کوالیفائی کر گئے ہو۔ اب دوسرے راؤنڈ کی تیاری کرو۔ دوسرا راؤنڈ ''اتباع'' کا ہے۔ جس طرح نفی سے اصولِ ضد کے مطابق اثبات برآمد کیا جا سکتا ہے اسی طرح اثبات سے نفی بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ اتباع تک پہنچنے کی شرط اول محبت الٰہیہ ہے۔ اللہ سے محبت ہے تو اتباع کرو۔ یہ مثبت جملہ ہے۔ اب اس کا منفی یوں ہوگا۔ کہ ''اگر تمہیں اللہ سے محبت نہیں تو میرا اتباع نہ کرنا''۔ ہم ان

Marfat.com

کو اپنے دامنِ اتباع میں نہیں لیا کرتے جن کے دل محبت الٰہیہ سے خالی ہو۔ محمدؐ بنجر (arid) زمینوں پہ برسنے والی بارش کا نام نہیں۔ محمدؐ خدا کی وہ کوشش ہے جسے وہ کبھی ضائع نہیں ہونے دیتا، اتباع محبت سے مشروط قرار پایا۔ محبت ہے تو اتباع مفید ہے۔ محبت نہیں تو اتباع بے فائدہ (futile) ہے۔ Matriculation سے پہلے تو کالج اٹینڈ کر بھی لے، کوئی کلاس جوائن کر بھی لے اس کلاس میں ملنے والا Knowledge تجھے حاصل ہو بھی جائے تو بھی قانونی طور پر تو اس کلاس میں Appear نہیں ہے۔ یہ تجھے تب پتہ چلے گا جب امتحان کا دن قریب آیا۔ تجھے تب پتہ چلے گا جب امتحان لئے بغیر تجھے Refuse کر دیا جائے گا۔ کیونکہ تو میٹرک کی سند ہی پیش نہیں کر سکا۔ جو فرسٹ ایئر میں داخلے کی شرط اول تھی...... جی! تو بات ہو رہی تھی کہ اگر اللہ کی محبت ہو تو اتباع محمدؐ کی باری آتی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ایک بات ہوئی تھی۔ کہ اگر محبوب مشترک ہو تو عاشقوں کا قافلہ، اجنبیت (alienation) کی ساری دیواریں توڑ کر آشنائی (familiarity) اور اخوت کے مضبوط بندھن میں بندھ جاتا ہے۔ ارے یہ کیسے ہو گیا۔ کہ تجھے بھی اللہ سے محبت ہو، مجھے بھی اللہ سے محبت ہو، ہمارا محبوب تو ایک ہو اور ہم آپس میں جھگڑ بھی رہے ہوں۔ قتل و غارت بھی کر رہے ہوں۔

اس بات کو میں پھر کبھی پھیلاؤں گا۔ کہ محبت مانگتی کیا کیا ہے۔ اگر تیرے اور میرے درمیان اللہ قدر مشترک نہیں بن سکا۔ اگر ہم ایک خدا کے بندے ہو کر بھی باہم رشتۂ اخوت میں نہیں بندھ سکے۔ اگر ہم واحد کو مان کر بھی وحدت نہیں بن سکے۔ تو اس کی ایک ہی وجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم نے اللہ سے محبت ہی نہیں کی۔ اگر ہم سے یہی نہیں ہوا تو اتباع کی سٹیج کیلئے ہم نے کوالیفائی ہی نہیں کیا۔ تو خواہ مخواہ اتباع کے اسٹائلز پر جھگڑ رہا ہے۔ فلاں عمل خلاف سنتِ ہے، فلاں عمل خلافِ شریعت ہے۔ بابا! گریجویشن سے پہلے ایم اے کی تیاری کرنا سٹوڈنٹ کی کوالٹی نہیں، حماقت (folly) ہے۔ ہم بری امامؒ کے دریوزہ (mendicants) گر بے جواز باتیں نہیں کیا کرتے۔ پوچھ پوچھ تاریخ سے ہجرت حبشہ کا منظر پوچھ۔ کفار مکہ کے مقابلے میں نجاشی کے پاس رہنے کو کیوں ترجیح دی گئی۔ کیا اشتراک تھا، مسلمانوں میں اور نجاشی میں۔ مقوقس مصر نے، حضور ختمی مرتبت کو تحائف ارسال کئے، ام المومنین ماریہ قبطیہؓ سے حضورؐ نے نکاح بھی کیا۔ شہنشاہ مصر نے یہ تحائف کیوں بھیجے، رسولؐ نے کیوں قبول کئے پوچھ تاریخ سے۔ کیا اشتراک تھا مسلمانوں میں اور مقوقس میں...... یوں نہیں۔ تاریخ کی سند کمزور ہوتی ہے۔

پوچھ قرآن سے اگر رومی، ایرانیوں پہ غالب ہوئے تو اللہ نے کہا ہے "یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ" اس دن صاحبانِ ایمان خوش ہوں گے۔ رومیوں کی فتح پر صاحبانِ ایمان کیوں خوش ہوں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے تو ابی بن خلف سے اس پر شرط (bet) بھی لگائی تھی۔ قرآن مجید پر تفسیری نوٹ پڑھو۔ خاص طور پر شاہ احمد رضا خان بریلوی صاحب کا تفسیری نوٹ پڑھو۔ اس میں تو غالباً انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کفار کہتے ہیں۔ اہلِ فارس

Marfat.com

ہمارے بھائی ہیں اور اہلِ روم مسلمانوں کے بھائی ہیں، مَیں بتاؤں وہ قدرِ مشترک، اس قدرِ مشترک کا نام تھا ''اللہ''۔ تب کے مومن اللہ کے رشتے (connection) کا احترام کرتے تھے۔ اب کے مومنوں کے دلوں کو اللہ جانے کس کی نظر کھا گئی......

محبت کے دو معروف زاویے ہیں۔ مجازی (mundane) اور حقیقی (divine)۔ میری بات یاد رکھنا۔ محبت مجاز کے ڈانڈے دور کہیں ہوس (lust) سے ملے ہوتے ہیں۔ مجازی محبت میں نظر جسم پر ہوتی ہے، محبّ، محبوب پر متصرف ہونا چاہتا ہے۔ محبوب کو بلا شرکت غیرے اپنی ملکیت میں لینا چاہتا ہے۔ بے وقوف، محبوب کو محکوم دیکھنا چاہتا ہے۔ مجازی محبت میں، اپنے محبوب کے ساتھ کسی دوسرے کی شراکت برداشت نہیں ہوتی۔ رقیب، دشمن ہوتا ہے۔ اسے روسیاہ کہنے کی روایت ہوتی ہے۔ حقیقی محبت کی Direction اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں کثافتوں کی نفی ہوتی ہے، لطافتوں پہ نظر ہوتی ہے۔ حقیقی محبت میں خواہش ہوتی ہے کہ میرا محبوب سب کا محبوب ہو جائے۔ اگر مرشد محبوب ہے تو ساری دنیا میرے مرشد کے پیروں سے لگ جائے۔ رسول محبوب ہے تو آرزو ہوتی ہے کہ ساری کائنات میرے سائیں کی کملی کے سائے میں آجائے۔ مجازی محبت، محبوب کو خاص کرنے کا نام ہے۔ حقیقی محبت، محبوب کو عام کرنے کا نام ہے۔ یہ تعمیم کی تخصیص پر فتح کا نقطہ ہے۔ اگر خدا محبوب ہے تو جی چاہتا ہے۔ Get one Forget all کی بنیاد پر ساری کائنات بس میرے رب کی طرف رخ کر لے۔ اللہ کا پیغام سب تک پہنچ جائے، اس کا نام عام ہو جائے۔ یہ نقطہ ذہنوں میں محفوظ (save) رکھئے گا۔ زیادہ پھیل گئی بات، اسے سمیٹتے (wind up) ہیں...... چلئے! واپس آیت کی طرف چلتے ہیں۔ ''اے رسولؐ! کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو......تو...... میرا اتباع کرو۔ پھر اللہ تم سے محبت رکھے گا۔'' بڑی حسین بات ہے۔ اتباع سے پہلے بھی محبت، اتباع کے بعد بھی محبت۔ پہلے تم نے اللہ سے محبت کی۔ پھر اتباعِ رسولؐ کیا۔ اتباع اتنی قیمتی منزل ہے کہ محبتوں کے رخ موڑ (divert) دیتا ہے۔ محبت کی ڈائرکشن تبدیل کر دیتا ہے۔ پہلے تم نے محبت کی تھی۔ تم محبّ تھے، اللہ محبوب تھا۔ اتباع کوئی معمولی شے نہیں۔ ادھر تم نے اتباع رسولؐ کیا۔ ادھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اب اللہ تمہارا محبّ ہوگا۔ تم اللہ کے محبوب ہو گے اور تم تو جانتے ہو، عشوے، غمزے، ناز، ادائیں (coquetry)۔ یہ سارے Angles تو محبوبیت کے ہیں...... عاشقوں کو تو ہم نے جب بھی دیکھا، ناز برداریاں ہی کرتے دیکھا۔ معشوقوں کی گلیوں کا طواف (circumambulate) کرتے ہی دیکھا...... میرے سردارو! وہ بات ذہنوں میں محفوظ ہے نا کہ حقیقی محبت میں جی چاہتا ہے کہ میرے محبوب کا ذکر عام ہو جائے۔ اتباع کے بعد یہ نیوتا (invitation) واپس ہوتا ہے، اب اللہ بھی چاہتا ہے کہ میرے محبوب کا ذکر عام ہو جائے۔ اس کا چرچا گھر گھر ہو جائے۔ لوگ سمجھتے نہیں فقیروں کی بات بن کیسے رہی ہے۔ وہ اسی بات پر پریشان رہتے ہیں کہ فقیر کی عزت و توقیر کی بنیاد کیا ہے۔ انہیں کیا پتہ کہ بنیادیں اوپر سے نظر نہیں آتیں۔ بنیاد

Marfat.com

دیکھنے کیلئے جھکنا پڑتا ہے......

اچھا یہ طے ہوگیا کہ جو اتباع رسولؐ کرلیں، اللہ ان سے محبت کرے گا۔ سوال تھا اتباع کے زاویے، بلکہ صوفیانہ زاویے؟

میرے ساتھی! جو زاویے مصدقہ ہوں، سارے صوفیانہ ہی ہوتے ہیں۔ اب اتباع کے زاویوں کی بات کرلیں۔ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر (schools of thought) ایک ہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اتباع رسالت میں ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے علاوہ دوسرے ہر مسلک پر معترض (detractors) بھی ہوتے ہیں۔ یہ ''معترض'' میں نے رعایتاً کہا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ محض معترض نہیں باقاعدہ حملہ آور ہوتے ہیں۔ تو آؤ! آج یہ تو متعین کرلیں کہ میری سرکار کے متبعین (followers) ہیں کون؟......قرآن مرشد سے پوچھتے ہیں۔ مجھے علی ابن الحسینؓ یاد آئے۔

فرمایا کرتے تھے قرآن چار جہتوں پر نازل ہوا۔ اس کی عبادت عام لوگوں کیلئے۔ اس کی اشارات خاص لوگوں کیلئے۔ اس کے لطیف گوشے اولیا کیلئے اور اس کے حقائق انبیأ کیلئے ہیں۔

قرآن مرشد کتنا متنوع اور ہمہ جہت (multi-dimensional) ہے۔ ادھر آدمی کا معیار بدلا، ادھر قرآن کا مزاج بدلا۔ جتنا آدمی Develop ہوا، اتنا قرآن Develop ہوا۔ قیامت تک باقی رہنے والے آئین کو اتنا ہی Flexible ہونا چاہئے تھا۔ جو پیغام انسان شعوری ارتقا کا ساتھ نہ دے سکے، اسے ہم ہسٹری تو سمجھ سکتے ہیں۔ قانون قرار نہیں دے سکتے۔ زندہ باد میرا مرشد قرآن۔ آیت کا ترجمہ ایک بار پھر دہرا لیں۔

''کہہ دیجئے محمدؐ جی! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو پھر اللہ تم سے محبت کرے گا''۔ طے ہوئی تھی نا یہ بات کہ جن کا اتباع قبول کرلیا جائے گا، جن کے اتباع کو سند صداقت حاصل ہو جائے گی۔ اللہ ان سے محبت کرے گا۔ Very Simple .... Very Simple آؤ قرآن سے پوچھتے ہیں۔ اللہ کن سے محبت کرتا ہے۔ سیدھی سیدھی بات ہے۔ جن سے اللہ محبت کرتا نظر آئے، مان لینا کہ وہی سچے متبعین ہیں۔ کیونکہ اللہ کی محبت حاصل کرنے کا محض ایک ہی ذریعہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے فَاتَّبِعُوْنِی. تحقیق کا یہ زاویہ، ہے تو ذرا Original لیکن ہے بہت یقینی۔ سورۃ آل عمران نکالئے۔ میں آیت نمبر 76 پڑھ رہا ہوں۔

ترجمہ: ''ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیز گاری کی اور بے شک پرہیز گار اللہ کو خوش آتے ہیں۔''

''جو اپنا عہد پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ متقین سے یقیناً محبت رکھتا ہے۔'' لو بابا! ہم تفصیل میں نہیں جاتے۔ اللہ نے کہا جو عہد کو پورا کرے۔ ادھار رہی یہ بات (It will be dealt with later on.)، کریں گے اگر کبھی عہد موضوع ہوا تو......اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ لکھ لو، پہلا طبقہ متقین جس سے

Marfat.com

اللہ محبت کرتا ہے۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ کا مقام حاصل کرنے کا واحد ذریعہ فَاتَّبِعُوْنِی ہے۔
جو اتباع محمدؐ کائنات کی شبنم (dew) سے اپنے گلاب چہرے کا وضو نہیں کرے گا اللہ کی محبت کا حقدار قرار نہیں پائے گا۔ اگر کسی نے یہ حق حاصل کر لیا ہے تو گویا اسے اتباع کی قبولیت کی سند حاصل ہو گئی۔ ہاں جی لکھ لیا؟ پہلا طبقہ متقین...... ویسے تقویٰ بھی ادھار رہا۔ کبھی سوال اٹھانا، تقوی کے بارے میں...... آگے چلتے ہیں۔
اسی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 146 پڑھیئے......
ترجمہ: ''اور کتنے ہی انبیا نے جہاد کیا۔ ان کے ساتھ بہت خدا والے تھے۔''
باقی ساری آیت ادھار رہی۔ کبھی متعین کریں گے۔ کہ یہ سارے کا سارا ذکر کن کا ہے...... میں آیت کے آخری حصے پر زور دے رہا ہوں۔ ''وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ''. اللہ صابرین سے محبت رکھتا ہے۔
ضابطہ وہی ذہن میں رہے۔ اللہ صرف ان سے محبت کرتا ہے۔ جو اتباع سرکاری رحمتؐ میں ہوں! دوسرا طبقہ لکھ لیجئے ''صابرین''۔ ایک دو آیتیں آگے دیکھئے۔ آیت نمبر 148 کا بھی آخری حصہ ہی پڑھوں گا۔ پوری آیت پڑھوں تو پھر میری عرض (breadth) میں طول (length) پیدا ہو جائیگا۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔ Allah loves those whose deeds are good میں نے محسنین کو محسنین ہی رکھا۔ دانستہ ترجمہ نہیں کی۔ متقین اور صابرین کا ترجمہ بھی نہیں کیا دانستہ (on purpose)۔ اصول پھر وہی۔ اللہ کی محبت اسی کا حق ہے۔ جس کا اتباع مقبول ٹھہرا ہو۔ یہاں ایک آیت برسبیل تذکرہ (in passing) یاد آئی۔ تفصیل پھر کبھی سہی۔ ایک Touch دے رہا ہوں۔ رب العزت کا ارشاد ہے...... اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ. ''بیشک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے''۔ اور یہ بھی رب العزت کا ارشاد ہے کہ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. محمدؐ! میں نے نہیں بھیجا آپ کو مگر عالمین کیلئے رحمت بنا کے۔ ''ما'' کلمہ حصر ہے۔ تفصیل میں نہیں جاتا۔ ختمی مرتبت کو رحمت قرار دے کر اللہ کہہ رہا ہے۔ بیشک اللہ کی رحمت محسنین (benefactors) کے قریب ہے۔ سنو سنو! محسنین کی ایک نشانی یاد رکھنا۔ ارے جن کے قریب وہؐ رہتے ہوں، محسنین انہیں کہتے ہیں...... تو تیسرا طبقہ لکھ لو ''محسنین''...... جن کا اتباع مستند...... آل عمران ہی کی آیت نمبر 159 پڑھ لیجئے۔ ساری آیت یہاں بھی اُدھار۔ آخری حصہ پڑھ رہا ہوں۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ. اللہ متوکلین (Those who put their trust in Him) سے محبت رکھتا ہے۔
لکھ لو چوتھا طبقہ ''متوکلین'' جن کا اتباع مسلم قرار دیا گیا...... اب ذرا سورۃ بقرۃ کی سیر کرتے ہیں۔ بقرۃ کی آیت نمبر 222 پڑھ رہا ہوں۔ مکمل آیت پڑھی تو بات لمبی ہو جائے گی اور میں مخصوص دائرے میں رہنا چاہتا ہوں۔ اس لئے آخری حصہ ہی لیتے ہیں۔ ''اللہ توابین (Those who turn to Him constantly) اور مطہرین (Those who keep themselves pure and) سے محبت رکھتا ہے۔

Marfat.com

(clean) سے محبت رکھتا ہے''۔

آپ فاضل لوگ بیٹھے ہیں۔ بخوبی واقف ہوں گے کہ مطہر اور توبہ میں کیا فرق ہوتا ہے۔ بڑی لطیف سی تفریق ہے۔ اجمالاً ذہن میں رکھئے۔ مطہر وہ ہوتا ہے جسے کوئی پاک کرے۔ اسی طرح توابین ..... توبہ کرنے والے ..... چہ خوب۔ کبھی آپ نے نماز پڑھ کے کہا میں نے نماز پڑھ لی، میری توبہ۔ کبھی کسی نے حج کر کے کہا۔ یا اللہ میری توبہ میں حج کر بیٹھا ہوں ..... لطف آ رہا ہے مجھے یہ سوچ کر۔ شکر گزار ہو رہا ہوں میں اپنے رؤف رحیم کا ..... گناہگاروں کو نوید ہو۔ اللہ توابین سے محبت رکھتا ہو۔ شرط وہی محبت الٰہی اتباع محمدیہؐ سے مشروط ہے۔ لو لکھ لو پانچواں طبقہ ''توابین'' چھٹا طبقہ ''مطہرین''۔ جن کا اتباع بھی مستند قرار پایا۔ سورۃ مائدہ نکالو ذرا ..... 42 نمبر آیت ہوگی غالباً۔

ترجمہ: ''یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

پکتھال کا انگریزی ترجمہ: Lo! Allah loveth the equitable

مُقْسِطِیْنَ کا ترجمہ انہوں نے عدل کرنے والا، انصاف کرنے والا کیا ہے۔ ویسے قسط، عدل سے الگ چیز ہے۔ ادھار رہی یہ بات بھی۔ قائم بالقسط کی گواہی تو اپنی الوہیت (divinity) پر خدا کو بھی درکار ہے..... لکھ لیجئے ساتواں طبقہ ''مقسطین''۔ جن کا اتباع شک و شبہ سے بالا (above board) ہے کیونکہ انہوں نے بھی خدا کی محبت کمالی ہے۔ ..... تھک گئے ہوں گے آپ ..... چلئے آخری آیت اس موضوع پہ پڑھتے ہیں۔ سورۃ صف، 61 نمبر سورۃ ہے۔ اس کی آیت نمبر 4 کا ابتدائی حصہ پڑھ لیجئے۔

ترجمہ: ''اللہ محبت رکھتا ہے ان سے جو لڑتے ہیں اس کے لئے۔ اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔''

یہ ہوا آٹھواں طبقہ۔ متبعین حق کا جو اللہ کی محبت میں No Compromise کی بنیاد پر بنیان مرصوص (a reinforced structure) بن کر باطل کے روبرو ڈٹ جائیں۔ یہ گروہ ہوئے آٹھ۔ یار! مجھے ذرا ان کی ترتیب وار (in proper order) فہرست دینا جن کے اتباع کو تسلیم کر کے اللہ جی نے انہیں پروانہ محبت جاری کیا ہے۔

(1) متقین۔ (2) صابرین۔ (3) محسنین۔ (4) متوکلین۔ (5) توابین۔ (6) مطہرین۔ (7) مقسطین۔ (8) مجاہدین فی سبیل اللہ۔ لے! نوٹ کر میرے سردار ساتھی ..... اتباع رسولؐ کے صوفیانہ زاویے۔ متقین کا عمل تقویٰ، صابرین کا عمل صبر، محسنین کا عمل احسان، متوکلین کا عمل توکل، توابین کا عمل توبہ، مطہرین کا عمل حصول طہارت، مقسطین کا عمل قسط، مجاہدین کا عمل جہاد ..... ٹھیک ہے نا! تو، تقویٰ (piety) ایک، صبر (patience) دو، احسان (benefaction) تین، توکل (Trust in Allah) چار، توبہ (Forgiveness) پانچ، طہارت (purification) چھ، قسط (justice) سات اور جہاد (holy

Marfat.com

(war آٹھ ...... یہ اتباع کے وہ الہامی زاویے ہیں جو لاریب ہیں۔ شک وشبہ سے بالا ہیں۔ جن کے مستند ہونے کی قرآن نے گواہی دی، ویسے یہ آٹھ میں ادھار کرتا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک ایک مستقل موضوع ہے۔ کبھی سوال اٹھانا!

تقویٰ کیا ہے۔ صبر کیا ہے۔ احسان کیا ہے۔ توکل کیا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس......اور یہ وہ زاویے ہیں جن پر صرف نوابین تصوف کی حکومت ہے۔ واعظانِ شہر کے تو موضوعات ہی نرالے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ان آٹھ کے علاوہ اور کوئی گروہ نہیں جسے اللہ محبوب قرار دیتا ہو۔

اچھا! بڑا خوبصورت کارنر یاد آیا۔ اللہ محبت سے اتنی محبت کرتا ہے۔ ذرا سورۃ مائدہ کی آیت نمبر غالباً 54 نکالنا۔ اللہ محبت کو اتنی انوکھی مرتبت عطا کرتا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ ''اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے، اللہ ان کا پیارا۔''

خطاب صاحبانِ ایمان سے ہے۔ اور یہی خطرناک بات ہے۔ بات کافروں سے نہیں ہو رہی، مومنوں سے ہو رہی ہے۔ کہ اے بظاہر ایمان والو۔ اگر تم دین سے پھر جاؤ (renounce)۔ تو اللہ ان لوگوں کو لائے گا کن کو؟ ...... جو نمازیں زیادہ پڑھیں گے؟ نہیں ...... جو جلسے بڑے بڑے کریں گے؟ نہیں ...... جو آٹھ آٹھ پہر کے روزے رکھیں گے؟ نہیں۔ ان کی نشانیاں ہوں گی دو۔ وہ اللہ سے پیار کرتے ہوں گے، اللہ ان سے پیار کرتا ہوگا۔ آپ کو یاد ہے نا۔ اتباع رسولؐ وہی کر سکتے ہیں جو اللہ سے محبت رکھتے ہوں۔ پھر اللہ ان سے محبت رکھتا ہے۔ یہاں خطاب ہے صاحبانِ ایمان سے۔ جو اپنے زعم (presumption) میں رسولؐ کا اتباع فرما رہے ہیں۔ اللہ کہتا ہے۔ اگر مسلمانو! تم پھر جاؤ۔ تو اللہ کسی ایسے کو لے آئے گا جس کے بارے میں کہنے والا پوری قوت سے اعلان کرے۔ ''میں کل علَم اسے دوں گا جو کرار (impetuous) ہوگا، غیر فرار (stead fast) ہوگا۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوگا اور اللہ، رسول اس سے محبت رکھتے ہوں گے'' ...... شرطِ عظمت، محبت ٹھہری۔ فصلِ ممیّز محبت ٹھہری۔ سن سن اللہ کو محبت اتنی عزیز ہے کہ اس نے بڑے دلبرانہ (ravishing) ناز کے ساتھ کہا ہے۔ صاحبانِ ایمان سارے بھی پھر جائیں تو پھر جائیں۔ ہم انہیں لے آئیں گے جو ہم سے پیار کرتے ہیں ہم ان سے پیار کرتے ہیں۔ ہم تو دکان محبت سجائے بیٹھے ہیں۔ پیار کے مول پیار ہی بیچتے ہیں۔ جو ہمیں چاہیں گے ہم تو بس انہیں چاہیں گے ...... لے راجہ! اتباع کا سفر محبت سے شروع ہوا تھا، محبت پہ ختم ہو گیا حور و قصور (Houri's and palaces) کو اپنی منزل سمجھنے والا زاہد (ascetic) کیا جانے؟ کچھ عاشقیاں، معشوق ہونے کیلئے بھی کی جاتی ہیں۔ تبھی تو خدا نے قرآن حکیم میں عاقبت (The Hereafter) کا ذکر کرتے ہوئے آخری تُحِبُّوْنَهَا کہا۔ کہ صاحبانِ دل۔ تمہیں ہم وہ بھی دے دیں گے جسے تم چاہتے رہے ہو......

نہ چاہتے ہوئے بھی بات لمبی تو ہو ہی گئی۔ تو کیوں نہ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیں۔ یہ ذکر اثبات کا

Marfat.com

تھا۔ لکھنے والے ایک کالم بنائیں نفی کا۔ تا کہ بات بالکل پیاسی تو نہ رہے۔ ادھوری تو خیر ہمیشہ ہی رہتی ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 190 پڑھ لیجئے۔ آخری حصہ ہی پڑھئے۔

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ'' ترجمہ ''اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں رکھتا''۔

حدوں کی سمت بدلنا تو ندرت (rarity) فن ہے

مگر حدوں سے نکلنے کو فن نہیں کہتے

''معتدین (transgressers)'' وہ بدنصیب طبقہ ہے جن کیلئے لَا يُحِبُّ کا افلا کی فتویٰ صادر ہوا ہے۔ ''معتدین'' ادھار رہا۔ کسی دن پھیلائیں گے اس بات کو۔ لکھ لو، خدا سے نفرت کا بیوپار کرنے والا۔ پہلا طبقہ۔ ''معتدین''...... مائدہ کی آیت نمبر 64 کا آخری حصہ ذرا جلدی نکالئے۔ وقت بہت ہو گیا ہے۔

ترجمہ: ''وہ زمین پر فساد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

''يَسْعَوْنَ'' آیا ہے۔ سعی کوشش کو کہتے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 11 اور 12 پڑھئے۔

ترجمہ: ''جب ان کو کہا جائے (قبلہ آپ کی تقریروں سے، آپ کے نازیبا فتووں سے، آپ کے فرقہ وارانہ خطبات (sectarian sermons) سے، آپ کی دل آزار تحریروں سے فساد پھیلے گا، دہشت گردی (terrorism) بڑھے گی، قتل و غارت (bloodshed) ہو گی، گھر برباد ہوں گے، ماؤں کی جھولیاں ویران ہوں گی، بہنوں کے سہاگ اجڑیں گے، بیٹیاں لاوارث ہو جائیں گی) زمین میں فساد نہ کرو۔ تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔

اَلَا اِنَّهُمْ الْمُفْسِدُوْنَ۔ یاد رکھو یہی مفسدون ہیں۔ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۔ لیکن انہیں اس کا (مثبت Approach کا) شعور ہی نہیں۔ یعنی بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ اصلاح کی آڑ میں فساد پھیلانے والے مفسد...... آپ یقیناً انہیں پہنچاتے ہیں...... کچھ لوگ بھی ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں یہی سمجھ کر ماشاء اللہ قبلہ ہمارے معاشرے کی اصلاح فرما رہے ہیں۔ مگر اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔ خدا فساد کرنے یا کرانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ لکھ لو۔ دوسرا طبقہ جس نے خدا سے نفرت خریدی ہے۔ ''مفسدین''...... سورۃ الانفال نکال لیجئے۔ آٹھ نمبر سورۃ ہے۔ میں اس کی آیت نمبر 58 پڑھ رہا ہوں۔ آخری حصہ ہے یہ بھی آیت کا۔

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ''. (اللہ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔)

تیسرا طبقہ لکھ لو ''خائنین''۔ سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر چالیس کا آخری حصہ پڑھئے۔ یہاں ایک اور بدبخت گروہ کا تذکرہ ہے۔ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. اللہ ظالمین سے محبت نہیں رکھتا۔

ظلم، تشدد کے معنوں میں نہیں ہے۔ ظلم کا معنی ہے کسی شے کو اس کی "Proper Place" سے ہٹا دینا۔ کسی بھی چیز، جگہ یا شخصیت کو اس کے مقام کے مطابق Deal نہ کرنا۔ اللہ ظالمین کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں

Marfat.com

ایک بات ٹپ(tip) کے طور پر دیتا جاؤں۔ ہمارے ہاں لفظ ہے ''قوم''۔ ہمارے ہاں اس کا تصور بڑا مختلف ہے۔ ہم کبھی تو قوم کو جغرافیے کی ماتحتی میں رکھتے ہیں۔ جیسے پاکستانی قوم، ہندوستانی قوم۔ کبھی ہم اسے تہذیبی حوالے سے متعین(determine) کرتے ہیں۔ جیسے پنجابی قوم، سندھی قوم، کبھی ہم اسے زبان کے حوالے سے متعارف کرواتے ہیں۔ جیسے مہاجر قوم جس کا متضاد بہرحال مقامی قوم یا انصار ہوگا۔ کبھی ہم قوم کی شناخت نسب کے حوالے سے کرتے تھے۔ جیسے سید قوم، راجپوت قوم، اب تو میں محسنین قوم کے فیض سے فرقے کی بنیاد پر قومیت کا ذکر بھی سن رہا ہوں۔ جیسے شیعہ قوم، سنی قوم۔ لیکن اللہ کے نزدیک قوم کا تصور بالکل منفرد ہے۔ مثلاً اللہ کہہ دیگا۔ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. ظالموں کی قوم پر اللہ کی لعنت۔ واشنگٹن کا کوئی عیسائی ہو یا ٹوکیو کا کوئی بدھسٹ، تل ابیب(Tel Aviv) میں رہنے والا کوئی یہودی ہو یا ماسکو میں رہنے والا کوئی کمیونسٹ۔ اصفہان کا کوئی آتش پرست ہو یا امرتسر کا کوئی سکھ، ایودھیا کا کوئی ہندو ہو یا مکہ شریف کا کوئی مسلمان۔ اگر یہ سب ظالم ہیں تو اللہ جی کے کاغذوں میں سارے ایک قوم ہیں۔ گویا قرآن نے جو قومیت کا تصور دیا ہے وہ "Nation By Character" ہے۔ یعنی جن کا کردار ایک، ان کی قوم ایک۔ انہی معنوں میں ''قوم مومنین، قوم یعقلون'' وغیرہ آتے ہیں۔ کیا اچھوتی Definition ہے Nation کی...... قرآن باتیں ہی بڑی Original کرتا ہے۔ اچھا جی! لکھ لیں چوتھا طبقہ ''ظـالـمـین''۔ جنہوں نے اپنے رب سے نفرت کا سودا کیا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ اللہ ''مُسْـرِفِیْن'' سے محبت نہیں رکھتا۔ اسراف(extravagance)۔ وسیع معنوں میں ہے۔ اس کا ایک معنی تو فضول خرچی ہے تفصیل پھر کبھی سہی...... یہ طبقے ہوئے پانچ...... نمبر ایک ''معتدین'' اللہ کی نفرت کے سزاوار ہیں۔ کوئی صاحب چاہے تسبیح مکے سے لائے ہوں۔ معتد ہیں تو لایحب کی زد میں ہیں نمبر دو ''مفسدین''۔ کوئی صاحب کا جبہ(robe) چاہے مدینے سے آیا ہو۔ اگر مفسد ہیں تو لایحب کے مصداق ہیں۔ نمبر تین ''خائنین''۔ بیشک چودھری صاحب نے دس مسجدیں بنائی ہیں۔ اگر کسی کا حق دبا رکھا ہے۔ خائن ہیں تو...... لا یـحـب والے گروہ میں ہیں۔ نمبر چار ''ظالمین'' کوئی صاحب! اگرچہ چھ سات حج کر آئے ہیں۔ حفظ مراتب(the pecking order) سے ناآشنا ہیں تو ظالم ہیں۔ لا یحب کا طوق(yoke) ان کا گلوبند(necklace) ہے۔ نمبر پانچ ''مسـرفین''۔ کسی صاحب نے اپنی تونگری(opulence) کا احمقانہ اظہار کر کے اپنی انا کو تسکین(indulge) دی ہے اور غربا کو احساسِ کمتری میں مبتلا کیا ہے تو مسرف ہیں اور لایحب کے دائرے کے اسیر۔ فقیر ان پانچ غیر صوفیانہ زاویوں سے بیزار(disgusted) ہوتا ہے! گویا طریقت کی شریعت میں اول الذکر آٹھ زاویے واجب اور ثانی الذکر پانچ زاویے حرام ہیں۔

اللہ بادشاہ۔ بری امامؒ کے حسن کے وسیلے سے ہمیں اتباع رسالت کے ان زاویوں کو اپنانے کی ہمت دے۔ جن پر یُـحْبِـبْـكُـمُ الـلّٰـه کی مہر لگی ہو۔ سچا صوفی وہی ہے میرے پیارو! جو اللہ کے احکامات کے باطنی

Marfat.com

پہلوؤں کو خود پر نازل کرے۔

آخر میں ایک چھوٹی سی بات۔ایک حدیث کا تذکرہ۔اجمالی سا(in a nutshell)۔

ایک دن حضورؐ نے حضرت علیؑ سے کہا۔علیؑ یہ دعا تو مانگو میں پوری دعا نہیں پڑھ رہا۔مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی کے مصداق نے حکم دیا تو بالیقین اللہ کے اذن سے دیا ہوگا۔اللہ جو مجیب الدعوٰت ہے۔اگر قبول نہ کرنی ہوتی تو دعا کا حکم نہ دیا جاتا۔اس دعا کا ایک حصہ ہے۔وَاجْعَلْ لِیْ عِندَکَ وُدًّا ۔اے اللہ مجھے اپنی ''محبت'' قرار دے۔یہ نہیں کہا مجھے محبت عطا کر۔کہا مجھے اپنی ''محبت'' قرار دے۔اب دعا ہوئی یقیناً قبول......علیؑ مانگنے والا ہو۔محمدؐ جی آمین کہنے والے ہوں۔اللہ خود فرمائش کر کے دعا منگوا رہا ہو۔عدم قبولیت کا تو شائبہ(trace) بھی نہیں رہتا۔

گویا اللہ نے اپنی محبت کسے قرار دیا ہوگا؟......علیؑ کو۔فقیر کے پیشوا علیؑ کو۔سلاسل طریقت کے موروث علیؑ کو......اب علیؑ قرار پائے اللہ کی محبت۔فَاتَّبِعُوْنِی۔میرا اتباع کرو۔جواب میں یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ۔ تم سے اللہ محبت کرے۔تم سے اللہ محبت کرے۔اتباع محمدؐ کے نتیجے اللہ تمہیں اپنی محبت سے نوازے(bless) گا۔میں ترجمہ کروں۔

سوال: مسلمانوں کے تمام فرقوں میں ''حق'' پر کونسا فرقہ ہے؟

جواب: اچھا لگا ہمیں یہ سوال، کیا چاہیے تھا۔ہر خانقاہ کی ضرورت ہے۔مولا سائیں فرماتے ہیں۔ سوال کرنے والا، جواب سننے والوں کا محسن ہوتا ہے۔اس کی مثال چشمہ کھودنے والے کی سی ہوتی ہے۔کھودتا ایک ہے، سیراب سارے ہوتے ہیں۔گو زخم ہائے تیشہ و سنگ گراں بھی فرہادوں کا مقدر(destiny) ہی ہوتے ہیں۔لیکن اس قیمت پر اگر جوئے شیر بہہ نکلے تو صبح کرنا شام کا سعی مشکور قرار پاتا ہے۔یہ سوال سن کر میں نے آپ میں سے کچھ کے تیور(eyebrows) ذرا تیکھے (knit) ہوتے دیکھے ہیں۔شاید میرے ساتھیوں کو سوال پسند نہیں آیا۔میں نے بھی دانستہ آج کی کچہری(sitting) کے لئے اس سوال کو منتخب کیا ہے۔کیونکہ جسے لوگ پسند نہ کریں، فقیر کی آنکھ میں تو اس کے لیے بھی آنسو ہوتا ہے۔جس کا کوئی نہ ہو، فقیر اسے اپنا بنا بھی لیتا ہے اور اپنا آپ اسے دے بھی دیتا ہے......

میرے پیارو! سوال کبھی حقیر(trivial) نہیں ہوتا۔سوال کی عزت تو جواب سے وابستہ ہے۔ جواب ہی یہ متعین کرتا ہے کہ سوال کتنا قیمتی ہے۔ بڑے بڑے قیمتی سوالوں کو جوابوں نے مضحکہ خیز حد تک(ridiculous) سستا کر دیا اور بڑے بڑے معمولی سوالوں کو جوابوں نے اتنا گراں مایہ کر دیا کہ سوال اپنے آپ پہ اترانے لگے۔مجھے یاد ہے۔ایک بڑا قیمتی سوال تھا کہ زمین پر زلزلہ کیوں آتا ہے؟ جواب دینے والوں نے جب کرۂ ارض کو اپنے علم کے زور سے بیل کے سینگ پر ٹکایا ہوگا تو اس وقت سوال کی روح نے

Marfat.com

یقیناً ماتم(bewail) شروع کر دیا ہوگا۔اور مجھے بھی یاد ہے کہ سترہ اونٹ، تین حصے داروں میں تقسیم کرنے کا بظاہر معمولی سوال جب ہوا تھا تو جواب دینے والے نے ذواضعاف اقل (Least Common Multiple) کا قاعدہ وضع کر کے دنیائے علم الحساب پر اتنا بڑا احسان کر دیا تھا کہ سکولوں میں اسی قاعدے کے مطابق سوال نکالتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر وہ سوال آج تک خود پر فخر کرتا ہوگا......

ہاں جی تو بات شروع کرتے ہیں......بات اگر مشاہدۂ حق کی بھی ہو رہی ہو تو بقول غالب بادہ و ساغر کہے بغیر بنتی نہیں۔ سائیں! فقیری محض ''میں'' مارنے کی تلقین کا نام نہیں۔ فقیری تو اپنے ہم عصروں(contemporaries) کی فکری راہنمائی کرتے ہوئے انہیں لطافتوں(delicacies) کے قریب کرنے کا نام ہے۔اگر کہیں شعوری راہبری بخشے بغیر لطافت آشنا کیا جا رہا ہے تو یہ بھی درویشی کی کامل صورت نہیں۔اور اگر کہیں شعوری راہبری دیتے ہوئے لطفِ دنیا سے بیگانہ کیا جا رہا ہے تو کامل فقیری یہ بھی نہیں۔مرشد کا فعل تو رشد ہے۔بڑے بڑے محلات بنا کر بڑا مرشد(mentor) نہیں بنا جا سکتا۔مرشد کا قد رشد کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے۔جتنی وسعت رشد میں، اتنی ہی وسعت مرشد میں......تصوف وہی سچا ہے جو علیٰ منہاج نبوت ہو۔اور منہاج نبوت یہی ہے کہ قوت فقر بھی بانٹتے جاؤ اور زمین میں رہنے والوں کو آسمانی بادشاہت کے ویزے(visas) بھی تقسیم کرتے جاؤ......میرے ساتھیو! فقیر تو انسان کے شعوری ارتقا میں فطرت کا معاون ہوتا ہے۔وہ درجنوں بتوں اور مؤکلوں(guardian angels) کا سہارا لے کر انسانی صلاحیتوں کو، جسے میں روحانی صلاحیتیں بھی کہوں گا، زندہ دیوار میں چننے کے جرم کا مرتکب ہونا گناہ سمجھتا ہے۔

میں نے بھی ایک اصطلاح استعمال کی ہے منہاج النبوت۔ادھار رہی یہ بات، کبھی وقت نے فرصت دی تو منہاج کو سمجھیں، سمجھائیں گے۔کبھی چھیڑنا یہ موضوع......بات کچھ طویل نہیں ہوتی جا رہی......؟ سائیں! یہ جو ہمارا اسلام ہے نا۔اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام (سورۃ آل عمران آیت نمبر 19) ''یہ ہمارے اللہ کا پسندیدہ دین ہے''......نہیں......میں غلط کہہ گیا۔اس آیت کی رو سے اسلام اللہ کے نزدیک واحد دین ہے، یعنی دین تو بس اسلام ہے۔اللہ نے نہ کوئی دوسری شریعت دنیا کو دی نہ کوئی دوسرا دین دیا۔ہر نبی ایک ہی دین کا نمائندہ تھا اور وہ دین تھا اسلام......آج بھی ہمارا یہ دعویٰ حیرت انگیز حد تک ثابت شدہ(established) صورت میں موجود ہے۔میں اپنے دور کے ذہین انسان کو دعوتِ فکر دے رہا ہوں۔اس وقت گلوب پر جتنے مکاتیبِ فکر موجود ہیں ان میں سے کسی بھی مکتبِ فکر کا سرے سے نام ہی موجود نہیں۔عیسائیت ایک مذہب ہے۔اس لفظ ''عیسائیت'' کی ہیئت ترکیبی(etymology) ملاحظہ کیجیے۔اس کا معنی ہے عیسیٰؑ کی دی ہوئی تعلیم۔چلو مان لیا، یہ عیسیٰؑ کی تعلیمات پر مبنی نظریہ ہے۔لیکن اس کا نام کیا ہے؟ یہ سوال فی الحال موجود ہے۔بس عیسیٰؑ کی تعلیمات(teachings)۔تعلیمات بھی دریافت ہو گئیں۔معلم بھی دریافت ہو گیا لیکن تعلیمات مسیحؑ پر مبنی

Marfat.com

نظریے کا نام کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوا......

میرا خیال ہے بات واضح نہیں ہوئی۔ دیکھئے نا!...... جہاز......رائٹ برادران نے دنیا کو دیا۔ جب اور بہت سی چیزیں، موجد اعظم ٹامس ایڈیسن نے دنیا کو دیں لیکن جو چیز انہوں نے وقت کی جھولی میں ڈالی۔ اس کا ایک نام ہے۔ اس کی اپنی ایک شناخت ہے۔ میں اگر کہہ دوں رائٹ برادران کی ایجاد یا ٹامس ایڈیسن کی ایجاد......تو بات مکمل نہیں ہوئی۔ رائٹ برادران کی ایجاد کا ایک نام ہے، جہاز......ایڈیسن کی ایجاد کی ایک اپنی شناخت ہے، بلب۔ یہی اصولِ نظریات میں بھی ہے۔ اضافت (Relativity) ایک نظریے کا نام ہے۔ کششِ ثقل (the law of gravity) ایک نظریے کا نام ہے۔ ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں، کششِ ثقل کا قانون نیوٹن نے دریافت کیا۔ لیکن ہم اس قانون کو نیوٹنیت نہیں کہیں گے۔ میں نے یہ بروزن عیسائیت کہا ہے...... یہودیت ایک مذہب ہے۔ یہودا (Juda)، ایک شخصیت کا نام ہے۔ یہودیت اسی سے مشتق (drived) ہے۔ بات وہی عیسائیت والی۔ بدھ مت ایک مذہب ہے۔ مَت، سنسکرت میں نظریے کی معنی میں آتا ہے۔ بدھ مت کے معنی ہوئے مہاتما بدھ والا نظریہ۔ سوال پھر اپنی جگہ قائم ہے کہ مہاتما بدھ کے مذہب کا نام کیا ہے...... ہندو مت، ترجمہ ہوا ہندوؤں کا مذہب۔ مذہب کا نام متعین نہیں۔ بس ہندوؤں والا مذہب، یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ الغرض جتنے بھی مذاہب روئے زمین پر الہامی (revealed) ہونے کے دعوے کے ساتھ موجود ہیں۔ ان میں سے کسی مذہب کا کوئی باقاعدہ نام نہیں ہے۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ ان میں سے اکثریت شخصیات کے ساتھ منسوب ہیں۔ یعنی کسی انسان کی خانہ ملکیت میں جگہ پاتے ہیں۔ اور یہ میرا دوسرا سوال ہے مذاہب عالم کے پرچارکوں (proponents) سے کہ جس نظریے کو تم خود کسی انسان کے ساتھ منسوب کر رہے ہو۔ اسے اب الہامی کس منہ سے قرار دو گے، اسے خدائی نظریہ کیسے کہو گے، ہم اپنے دین کو محمدیت نہیں کہتے ......

انگریزوں نے ناپاک (unholy) سازش کے تحت یہ کوشش کی تھی کہ اسے محمڈن کہا جائے لیکن تاریخ نے اس اصطلاح کو قبول نہیں کیا۔ ہم سے کوئی پوچھے تمہارے دین کا نام کیا ہے تو روئے زمین پر ہم واحد ہیں جو کہہ سکیں گے، اسلام۔ اسلام ہے ہمارے نظریے کا نام۔ اور یہ نظریہ ہمیں سکھایا ہے ہمارے رسولؐ نے۔ اچھا ایک اور بات۔ عیسائی ہو گیا عیسیٰؑ کے مذہب کو ماننے والا۔ عیسیٰؑ کے ماننے والوں کا مذہب تو عیسائیت ہوا، عیسیٰؑ کا اپنا مذہب کیا تھا؟ یہودا کے بعد والے ہوئے یہودی، یہودا کا اپنا مذہب کیا تھا...... بدھ مت تو بدھا سے چلا، مہاتما بدھ خود جس نظریے کا پیروکار تھا اس کا نام کیا تھا...... یاد رکھنا۔ بہت چھلانگ ماریں گے تو کہیں گے۔ یہودا، اسرائیلی شریعت کا پیغمبر تھا۔ لو بات پھر شخصیت پر آ گئی۔ اسرائیل، جناب یعقوبؑ (Jacob) کا نام ہے۔ ہمارا سوال پھر اپنی جگہ قائم رہا...... ہم سے پوچھو...... سوال کرو ہم سے کہ مسلمان تو ہوئے پیروکاران محمدؐ...... محمدؐ جی کا اپنا مذہب کیا تھا...... تو ہمیں کہیں گے۔ ہمارا نام مسلمان تو محمدؐ سے بہت پہلے کا ہے۔ سرکار ابراہیمؑ نے رکھا

Marfat.com

تھا یہ نام...... (سورہ حج آیت 78) تب سے ہمارے نظریے کے فالورز (follwers) کا نام مسلمان ہے۔ لیکن ہمارے نظریے کا نام ''اسلام'' ابراہیمؑ نے نہیں رکھا۔ اسلام ابراہیمؑ سے بھی قدیم ہے۔ آدمؑ جو نظریہ لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے اور انہوں نے جس نظریے کی تعلیم اپنی بیوی اور اولاد کو دی تھی اس نظریے کا نام اسلام تھا۔ کیونکہ ''اللہ کے ہاں تو دین بس ایک ہے ...... اور وہ ہے اسلام......'' دیکھی تم نے قرآن کی حقانیت (veracity) یعنی اسلام تو ہوا اللہ کا دین، اس کے علاوہ اور جتنے بھی ادیان مروج ہیں۔ سبھی کسی نہ کسی انسان کے دین ہیں۔ اللہ جی کا تو بس ایک ہی ہے، اسلام۔ دین کامل، دین قیم، دین حنیف، دین انسانیت، دین اللہ......

دین، لغوی اعتبار سے بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ غلبہ، اقتدار، آئین، نظم ونسق، فیصلہ، اطاعت، عادت، جزا و سزا وغیرہ یہ سب دین ہی کے مفاہیم ہیں۔ المنجد نے تو اس کے معانی نافرمانی (disobedience) بھی لکھے ہیں اور گناہ بھی غالباً...... ان سب کے علاوہ ایک مفہوم اور بھی ہے۔ جو کم ازکم مجھے کسی لغت میں نہیں ملا۔ قرآن بھی بڑی عظمت مآب کتاب ہے۔ سب پر حجت (validation) ہے۔ لیکن کوئی اس پر حجت نہیں۔ قرآن نے جہاں انسانیت پر اور بہت سے احسان کیے۔ وہاں اس کا لسان عربیہ پر بھی بہت بڑا احسان ہے۔ دنیا کی ہر زبان وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنا لہجہ بھی بدلتی جاتی ہے اور ہیئت بھی۔ ساحل انگلستان پر نارمن فرنچ (The Norman French) نے اپنا تاثر اس شدت کے ساتھ مرتب کیا کہ انگریزی زبان آج تک اپنے واولز Vowels کو صوتی طور پر تعین نہیں کر سکی۔ وہاں Sit سٹ اور Sir سر ہوتا ہے۔ یعنی یہ فیصلہ ہی نہیں ہو پا رہا کہ آئی (I) زیر کی آواز دے گا یا زبر کی۔ But بٹ ہو گیا اور Put پُٹ ہو گیا ...... یہ ہی معین نہ رہا کہ یو (U) زبر ہے یا پیش...... اسی طرح فارسی، جو صائب، حافظ یا سعدی کے ہاں ملتی ہے۔ میرے دور کا ایرانی بولنا تو درکنار، اسے سمجھتا بھی نہیں ہے۔ پہلوی فارسی کا لہجہ اور ہو گیا ہے...... ہمارے یہاں میر امن والی اردو غالباً کہیں بھی نہیں بولی جا رہی......

الغرض ہر زبان نے ارتقا پذیر ہوتے ہوئے اپنے لہجے بدلے اور مزاج بھی...... مگر بفیضان قرآن معظم، عربی زبان آج بھی اسی طرح اپنی ہیئت میں موجود ہے اور مروج بھی۔ جس طرح وہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے تھی۔ کوئی فرق نہیں پڑا، ذرا جتنا بھی فرق نہیں پڑا (no difference at all)۔ حجازی لہجہ...... بالکل اپنا انداز (distinct flavour) ہی رکھے ہوئے ہے۔ جو نزول (revelation) قرآن کے وقت تھا۔ اور یہ احسان ہے قرآن کا کہ اس نے ارتقا کے منہ میں بھی لگام ڈال (rein in) دی ہے، یعنی فطرت کو بھی تسخیر کر لیا ہے۔ قرآن زور آور ہے، قرآن قوی ہے...... جی، میں کہہ رہا تھا! قرآن سب پر حجت ہے۔ قرآن نے لفظوں کو نئے مفہوم عطا کیے۔ لغت کو نئے زاویے بخشے۔ جنت کو باغ سے زیادہ وسیع مفہوم بخشا۔ صلوٰۃ، زکوٰۃ، جہاد۔

Marfat.com

الغرض بے شمار الفاظ نئے معنی دیئے۔ پہلے بشارت محض خوشی کی خبر (glad tidings) کو کہتے تھے۔ عذاب کی وعید (threat) کو بھی بشارت قرار دینا قرآن کا اپنا لہجہ ہے۔ میں تو ایک اور کہوں گا کہ قرآن نے عربی کو اتنا ارتقا وسعتیں (expanses) عطا کر دیں کہ خود دامنِ ارتقا میں مزید گنجائش (room) نہ رہی۔ یعنی قرآن نے عربی کو ارتقا کے عروج سے ہم کنار کر دیا۔ اور اس پر مہر لگا کر اعلان کر دیا۔ اگر ہمت ہے تو ہم سے زیادہ اسے وسعت دے کے دکھاؤ۔ اگر صادقین ہو تو جیسی بات ہم کر رہے ہیں، ایسی ہی ایک بات کر کے دکھا دو۔ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ۔ (سورۃ طور، آیت نمبر 34)......

اب یہ لفظ دین نزولِ قرآن سے قبل بھی مستعمل تھا۔ قرآن نے اس کے سابقہ مفاہیم کو قائم رکھتے ہوئے اسے مزید ممنون کیا، مزید وسعت بخشی ...... ہر مسلمان ہر نماز میں جب بھی سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ کو ایک نام سے ضرور یاد کرتا ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ دین کے دن کا مالک۔ یوم الدین، روزِ حساب یا قیامت کے دن کو قرار دیا جاتا ہے۔ اسی لئے ترجمہ کرتے ہیں۔ ''مالک روزِ حساب کا''...... اللہ نے اسے دین کا دن کہا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں دین کو سمجھنے کے لئے قرآن مرشد سے تھوڑی سی مدد لوں......

ارشاد رب العزت ہے۔ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ. تمہیں ادراک (perception) نہیں کہ یوم دین کیا ہے۔ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ. پھر تمہیں کیا پتہ دین کا دن کیا ہے۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا۔ اس دن کوئی شخص دوسرے پر مختار نہیں ہوگا (No man will have any power over others on that day.)۔ لَا تَمْلِكُ۔ مادہ ہے م، ل، ک۔ وہی ملکیت والا۔ صحیح ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ اس دن کوئی بھی کسی کا مالک نہیں ہوگا۔ گویا اگر کوئی مالک نہ رہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی کسی کا غلام بھی نہیں ہوگا۔ یعنی سب برابر ہوں گے۔ ایک مساوات سی قائم ہوگی۔ فضیلتوں (excellences) کے سارے معیار ختم کر دیئے جائیں۔ انا خیر منه کی ساری دیواریں ڈھے (collapse) جائیں۔ کسی کو کسی پر حقِ حکومت حاصل نہ رہے گا اور اس برابری کے ماحول میں وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ۔ اس دن امر کا حق صرف اللہ کو ہوگا۔

امر کا مرکز صرف ایک ہوگا۔ باقی سب مامور۔ لیجئے یہ تصور دیا ہے قرآن نے یوم الدین کا......

غور کیا آپ نے۔ خدا نے دین کی تفسیر (exegesis) کیا کی۔ ایک مرکز کی ماتحتی میں، برابری کی بنیاد پر، پوری دنیا کے انسانوں کا اجتماع ...... جس میں نہ رنگ وجہ فضیلت ہو، نہ نسب (race) باعث افتخار......

مجھے کچھ کلمات یاد آرہے ہیں، دور کہیں سے آواز آرہی ہے۔ ماضی کے طویل فاصلوں کو طے کرتی ہوئی۔ زمین پر آسمانی آواز۔ خاک پر نورانی آواز، اونٹوں کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی مسحور کن (captivating) آوازوں کے درمیان سے ابھرتی ہوئی آواز لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی مقدس صداؤں میں پورے وقار اور ملکوتی تمکنت (angelic grandeur) سے بھرپور آواز ...... سنو سنو، انسان سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ میں

Marfat.com

نہیں فوقیت(preference) دیتا عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر.....خبردار میرے بعد ایک دوسرے کے گلے نہ کاٹنا (خطبہ حجۃ الوداع)۔آج دین مکمل ہو گیا کیونکہ اس آواز کا لہجہ یوم الدین والا ہے۔(غوغائے تحسین ونعرۂ رسالت)......یہ طولانی تمہید میں نے محض اس لئے باندھی ہے کہ آپ کے ذہنوں میں دین کا Concept واضح ہو جائے۔اچھا اب یاد رکھیے گا دین کا یہ مفہوم کہ ایک مرکز کی ماتحتی میں، برابری کی بنیاد پر، پوری دنیا کے انسانوں کے اجتماع......یہ خواہش ہے میرے پروردگار کی۔رب العالمین جو ہوا، رب الناس جو ہوا......

میں سورۃ یونس کی آیت نمبر 19 سے اپنی گفتگو کرتا ہوں، میرا مطلب ہے سوال کے جواب کا آغاز!

ترجمہ:''نہیں تھے سب انسان مگر ایک امت، پھر انہوں نے باہم اختلاف(dissension) پیدا کر لئے''......نوٹ کر لو۔اللہ جی کہتے ہیں! میں نے تو انسانوں کو امت واحدہ بنایا تھا۔اختلاف انہوں نے خود پیدا کیے۔یعنی انسان نے باہم اختلاف پیدا کر کے اللہ جی کے بنائے اس پیٹرن(Pattern) کو توڑ دیا۔خدا تو ہمیں امتِ واحدہ دیکھنا چاہتا ہے۔میں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر غالباً 213 پڑھنا چاہوں گا۔ترجمہ:''سارے انسان امتِ واحدہ تھے۔اللہ نے انبیا کو مبشر اور منذر بنا کے، ساتھ کتاب دے کے مبعوث ہی محض اس لئے کیا کہ جو لوگ اختلاف پیدا کر رہے ہوں ان میں حق کیساتھ فیصلہ کر سکیں۔''

لیجیے تمام انبیاؑ کی بعثت(appointment) کا ایک مقصد معلوم ہو گیا کہ انسانوں کے درمیان اختلاف نہ پیدا ہونے دیں۔اور اگر ہو جائے تو ہر طریقے سے اسے ختم کرنے کی کوشش کریں۔کبھی مبشر بن کر، کبھی نذیر بن کر۔لیکن بہر حال اختلاف بین الناس ختم ہونے چاہئیں۔

دوسرا پوائنٹ نوٹ کر لیجیے۔جو انسان باہمی اختلاف پر بضد(insist) ہوں وہ گویا تمام انبیا کی کوشش کو ناکام بنا رہا ہے۔وہ کسی ایک نبی کا مجرم نہیں۔وہ تمام انبیا کی بعثت کے مقصد کو مضروب(vitiate) کر رہا ہے۔اچھا! اسی آیت میں تھوڑا آگے جا کے اللہ جی ''اختلاف'' کے پس پردہ جذبہ محرکہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔بَغْیًا بَیْنَھُمْ۔یعنی انسان آپس کی ضد میں۔امتِ واحدہ کے تشخص کو پامال(shatter) کر رہا ہے۔محض ضد میں......میں شکن آلود جبینیں(knitted eyebrows) دیکھ رہا ہوں۔آج کی کچہری میں موجود کچھ اربابِ دانش کی پیشانیوں پر مجھے بل نظر آ رہے ہیں۔میں قلندرؒ کا فقیر ہوں۔مجھے اس سے غرض نہیں کہ تم کیا کہتے ہو اور تمہارا خطیب کیا کہتا ہے۔میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرا رب کیا کہتا ہے۔

نازک مزاج شاہاں تابِ سخن نداری......والا معاملہ ہو جائے تو میں معافی کا طلب گار(seeker) نہیں ہوں گا۔میں سورۃ شوریٰ نکال رہا ہوں۔آیت نمبر 13 پڑھیے۔

ترجمہ:''شرع یعنی شریعت تمہارے لئے وہی ہے جس کا نوحؑ کو حکم دیا گیا تھا۔اسی شریعت کو

Marfat.com

تمہاری طرف وحی کیا گیا۔ اسی کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰ و عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ اور وہ یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ بازی نہ کرنا۔"

لیجئے میں نے گفتگو کے آغاز میں کہا تھا! کہ اللہ نے شریعت ایک ہی رکھی ہے۔ نوحؑ بھی وہی شرع متین لے کر آئے تھا۔ اسی کا حکم ہماری سرکار کو دیا گیا۔ اور وہ ایک ہی حکم تھا۔ "دین کو قائم رکھو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔" نوحؑ سے لے کر محمدؐ تک سبھی ایک پیغام لے کے آئے۔ اَقِیۡمُو االدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا. لو بابا! دین کا Concept مزید محکم (firm) ہو گیا۔ خدا کہہ رہا ہے دین کو قائم رکھو، فرقہ بندی نہ کرو۔ گویا رب العزت کنایاتی طور (metaphorically) پر واضح کر رہے ہیں کہ دین تبھی قائم رہ سکتا ہے اگر تفرقہ بازی نہ ہو...... اے کاش میرے دور کے "مصلحون" میرے رب کا یہ پیغام سن بھی لیں اور مان بھی لیں۔ کہ قبلہ! آپ فرقہ بندی کی بنیاد پر دین کو قائم فرما رہے ہیں۔ بڑے جوشیلے انداز سے بزعم خود (presumptively) دین کی خدمت فرما رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے، ادھر آپ نے فرقے کی وکالت فرمائی، ادھر دین آپ کے ہاتھ سے گیا...... اے میرے مقرر شعلہ بیان (firebrand)...... شعلہ بیان کا معنی ہے کہ جس کے منہ سے لفظ آگ بن کر نکلیں۔ خدا لگتی کہو یار! بھلا یہ کون سی کوالٹی (quality) ہے کہ منہ سے آگ نکلے...... اے میرے مداری گر، فقیر تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہے۔ تیرا تو بروئے قرآن دین سے تعلق رہا نہیں۔ دوسروں کے تعلقات تو دین سے خراب نہ کر۔ میں پھر دہرا رہا ہوں۔ اللہ کہتا اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ کی طرف ایک ہی صورت ہے، لَا تَتَفَرَّقُوۡا۔

اچھا! اور سنو۔ اسی آیت میں اللہ جی کہہ رہے ہیں کہ یہ حکم یعنی لَا تَتَفَرَّقُوۡا کا حکم ناگوار (unpalatable) گزرتا ہے، بری لگتی ہے یہ بات۔ پتہ ہے کن کو کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ۔ یہ بات مشرکین (polytheists) کو بری لگتی ہے۔ عجیب بات ہے۔ فرقہ بندی کو پسند کرنے والا خدا کے نزدیک مشرک ہے۔ استغفر اللہ۔ شرک کو رب نے ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔ ناقابلِ معافی (unpardonable) گناہ کہا ہے۔ لیکن فرقہ بندی (sectarianism) شرک کیسے ہوئی...... آج کا موضوع شرک (polytheism) نہیں ہے۔ میں تفصیل میں نہیں جاتا۔ بس ایک پاس لے لیجئے، ایک چھوٹا سا ٹپ (tip)...... دین کا مفہوم یاد ہے نا آپ کو! وہ پوری انسانیت کا مجتمع ہونا۔ فرقہ بندی سے اس اجتماع (assembly) کی اجتماعیت (collectivity) کو نقصان پہنچتا ہے اور اللہ کہتا ہے کہ ایسا کرنے والے مشرکین ہیں۔

گویا کسی اکائی کو تقسیم کرنے کی کوشش خدا کے ہاں شرک کہلاتی ہے۔ قبروں پہ دعا مانگنے سے بندہ مشرک نہیں ہوتا۔ مرشد کی تعظیم کرنے سے بندہ مشرک نہیں ہوتا...... بندۂ خدا! تیری شعلہ بیانیاں، بندوں کو مشرک کر رہی ہیں اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ، پلیز، حضرت! اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ...... وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا...... یہ نماز، زکوۃ، حج وغیرہ اسلام کے سارے ارکان و فروعات منزل نہیں ہیں...... منزل تو انبیا کی تعلیم کا مرکزی نقطہ ہے۔ دین کا

Marfat.com

قیام۔ یہ سب تو اس منزل تک پہنچنے کے ذریعے ہیں۔

آپ غور کیجئے گا۔ ذرا گہری نظر سے۔ نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکوۃ ان سب اعمال میں انسان کو انسان کے برابری کی سطح پر قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ تیر امحمود و ایاز کی تمیز (distinction) رکھے بغیر ایک صف میں کھڑے ہونا۔ وہ بندہ و بندہ نواز کا امتیاز کئے بغیر سب کا سارا دن بھوکے رہنا اور پھر ایک ہی وقت میں کھانا کھانا۔ وہ تیرا کالے، گورے کا فرق ملحوظ رکھے (maintain) بغیر بن سلی چادروں میں ملبوس ہو کر تلبیہ کہتے ہوئے محوِطواف مرکز ہونا۔ یہ سب دین کے قیام کی ریاضتیں Exercises ہیں۔ مقصود تو لَا تَتَفَرَّقُوْا کی بنیاد پر قیام دین ہے...... سورۃ روم نکال لیجئے۔ اس آیت نمبر 31 اور 32 تلاوت کر رہا ہوں۔

ترجمہ: ''اللہ کی جانب متوجہ ہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ (تقویٰ ادھار رہا) اور صلوۃ کو قائم کرو۔ اور ان مشرکین میں نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ہر فرقے کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔'' صاحبو! ذرا دیکھنا، کہیں یہ ہماری تصویر کشی (portrayal) تو نہیں ہو رہی۔ کہیں رب العزت ہمارے سامنے ہماری کہانی تو بیان نہیں کر رہا۔ کہیں یہ آیت آئینہ تو نہیں ہے؟ ...... اللہ جی کہہ رہے ہیں...... اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۔ نماز قائم کرو۔ اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔ جنہوں نے دین کو قاش قاش (mutilate) کاٹ کے رکھ دیا ہو۔ بڑے نمکین کنایے ہیں اس آیت مبارکہ میں۔ نماز قائم کرو اور فرقہ پرست مشرکین میں نہ ہو جاؤ۔ گویا فرقہ بندی کے مہیب (grim) شرک سے بچنا چاہو تو نماز قائم کرو۔ جس کی صلوۃ قائم ہو جائے وہ فرقہ پرست مشرک نہیں ہو سکتا۔ حیرت انگیز بات ہے۔ میں فی زمانہ، اس کے بالکل برعکس عمل دیکھ رہا ہوں...... پچھلے رمضان کی بات ہے۔ ہم ایک جگہ افطاری پر گئے۔ بہت لوگ تھے۔ انتہائی خوشگوار ماحول میں گفتگو ہو رہی تھی سبھی ایک دوسرے کے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ پھر اذانیں ہوئیں۔ سب نے نہایت محبت آمیز انداز میں مل کر کھجوریں بھی کھائیں، سموسے بھی کھائے۔ شربت بھی پیا۔ پھر نماز کو چل پڑے۔ چوک تک اکٹھے آئے۔ وہاں سے چند جنوبی مسجد کو چل پڑے۔ چند شمالی مسجد کو چل پڑے۔ کچھ نے مشرقی مسجد کا راستہ لیا اور کچھ نے مغربی مسجد کی طرف منہ کر لیا اور میں تنہا چوک میں کھڑا سوچ رہا تھا ...... اللہ جی نے تو کہا ہے کہ نماز قائم کرو تو فرقہ پرستانہ شرک سے نجات (deliverance) مل جاتی ہے۔ اس نے کہا اقیموا الصلوۃ کرو ورنہ گروہوں میں تقسیم ہونے والے مشرکین میں سے ہو جاؤ گے۔ لیکن یہاں تو نماز بھی ہو رہی ہے، فرقہ پرستی بھی ہو رہی ہے۔ بلکہ نماز سے پہلے تو یہ سب اکٹھے بیٹھے تھے۔ نماز نے انہیں منتشر (disintegrate) کر دیا ہے ...... یہ کیا ہے؟ ...... یہ کیوں ہے؟ ...... جو عمل مربوط (united) ہونے کے لئے تھا۔ وہی عمل متفرق (divided) کرنے کے لئے کیوں......؟

اور پھر میری سوچ بھیگ گئی...... میں نے سجدہ ریز ہو کر اپنے اللہ جی سے کہا۔ مولا! میں آپ کو سچا مانتا

Marfat.com

ہوں۔آپ جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ہم سے کہیں غلطی ہو رہی ہے۔یہ ممکن نہیں ہے۔اقیموا الصلوۃ بھی ہو اور فَرَّقُوا دِیْنَھُمْ بھی ہو......قرآن حق ہے......یا ہم نے اقیموا الصلوۃ کا مفہوم معین کرنے میں غلطی کی ہے۔یا ہم سے دین کی تفہیم میں سہو ہوا ہے۔اے مالک یوم الدین۔ہمیں دین قائم کرنے کی ہمت دے...... بات دوسری طرف نکلتی جا رہی ہے۔کبھی وقت نے اجازت دی تو اقیموا الصلوۃ پر گفتگو کریں گے۔ہمارے پاس نماز کے نام پر چند حرکات و سکنات (gestures) تو واقع ہی رہ گئی ہیں لیکن نماز کی روح ہم سے بہر حال چھن گئی (lose) ہے...... کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ ۔کتنی حقیقی صورتِ حال ہے۔کیا ملتِ اسلامیہ کا ہر فرقہ اپنے عقائد و اعمال پر خوش اور دوسروں کے عقائد و اعمال پر اتنی ہی شدتوں کے ساتھ ناخوش نہیں ہے؟...... کیا ہم نے افہام و تفہیم کے دروازے خود پر بند نہیں کر لئے......کیا ملتِ اسلامیہ، اب بھی، ملت کہلانے کی مستحق ہے۔میں آپ کی خاموشیاں محسوس کر رہا ہوں۔نشتر (lancet) شاید کچھ تیز ہے۔لیکن میرے اپنے نہیں...... میرے قرآن مرشد کے ہاتھ میں ہیں۔اگر کوئی ناراضگی ہے تو اللہ سے ہے۔فقیر کی زندگی تو دو کیفیات میں منقسم ہوتی ہے۔کبھی وہ اللہ کا پیغام بندوں کو دے رہا (convey) ہوتا ہے کبھی بندوں کا پیغام اللہ کو دے رہا ہوتا ہے، کبھی ادھر سے ادھر، کبھی ادھر سے ادھر۔جب وہ خدا کا پیغام بندوں کو دیتا ہے اسے رشد (guidance) کہتے ہیں۔جب بندوں کے پیغام خدا کو دیتا ہے تو اسے دعا کہتے ہیں...... یہی تو فقیری ہے۔بس یہی تو فقیری ہے......

ذرا سورۃ انعام تو نکالئے۔ایک اور مشکل مقام پر چلتے ہیں۔آیت نمبر 159 ہو گی غالباً۔

ترجمہ: ''ذرا پڑھنا۔ترجمہ شاہ عبد القادر: جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے کئی فرقے، (اے رسولؐ) تجھ کو ان سے کچھ تعلق نہیں۔ان کا معاملہ اللہ کے حوالے۔اللہ خود نپٹ لے گا ان سے جو وہ کرتے رہے......

الامان یا رسول اللہ الامان......میرے پیارو! کیا خیال ہے تمہارا۔اللہ حکم دے تو کیا رسولؐ اس سے انکار کر دیں گے؟...... یقیناً نہیں۔کیونکہ احکاماتِ الٰہیہ کے اولین عامل تو خود رسولؐ ہیں۔اللہ کے ہر امر کے سب سے پہلے مامور ہیں میری سرکارؐ۔مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورۃ نجم) دلیل ہے کہ حضور اللہ جی کے حکم کے بغیر اپنی خواہش سے تو بولا بھی نہیں کرتے۔ان کا نطق عکس وحی ہے۔بلکہ میں یوں کہوں گا کہ ان کا بولنا وحی کی محض تعمیل (implementation) ہی نہیں وحی کی توثیق (confirmation) بھی ہے۔(شور تحسین (applause))......

جی تو حکم ایزدی ہے! محمدؐ جی! یہ جنہوں نے دین میں فرقہ بندیاں کی ہیں نا۔آپؐ ان سے اپنا تعلق توڑ لیجئے۔آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔لے اس سے بڑی کوئی سزا نہیں ہے میرے نزدیک......کہ عالمین کی

Marfat.com

رحمت تجھ سے ناطہ توڑ لے۔ محمدؐ جی کہہ دیں، جا تو میرا کچھ نہیں لگتا۔ دشمنوں کو بھی دعائیں دینے والا تجھ سے منہ پھیر لے...... بدنصیب اب کرتا رہ، درود کی دس دس تسبیحیں تہجد کے بعد اور راگ لگا لگا کر پڑھتا رہ سرکارؐ پر صلوٰۃ وسلام...... اگر تو شریک زمرۂ فَرَّقُوْ دِیْنَهُمْ ہے۔ تو حکم پروردگار کے تحت رسولؐ کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں...... اور جس سے رسولؐ تعلق منقطع کر لے، میں پوری منصبی ذمہ داری سے کہتا ہوں وہ اپنی عاقبت کے بارے میں قطعاً پُر امید نہ رہے۔ ہاں یار! ایک باریک سی بات رہ گئی۔ مجھے بڑا لطف آ رہا ہے وہ بات محسوس کر کے۔ اللہ جی کہہ رہے ہیں۔ محمدؐ تیرا تو ان سے تعلق نہیں۔ اب اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ اب ان کا معاملہ اللہ سے ہے۔ سن سن او! فنافی اللہ صوفی۔ سن سن او! توحید کے ٹھیکدار مولوی۔ اللہ کی بات سن۔ ان کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ان کا پھر اللہ ہی حافظ۔ پڑھ پڑھ یہ آیت اور پھر سوچ!...... اگر بچنا ہے تو رسولؐ سے تعلق رکھ۔ جو تیرے لئے دھرتی پر اُترا ہے۔

نوٹ کرلو یہ بھی کہ جو فرقہ وارانہ شدتوں کے حامل ہیں۔ رسولؐ کا ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ فرقہ نبھانے کے لئے یہ سودا بڑے ہی گھاٹے کا سودا (a bad bargain) ہے...... سورۃ طٰہٰ نکال لیجئے۔ اس کی آیت نمبر اکانوے سے چورانوے تک پڑھیے۔

ایک کہانی بیان ہو رہی ہے۔ تب کی، جب موسیٰؑ (Moses) توریت (Pentateuch) لینے کوہ طور پہ گئے تھے۔ ہارونؑ (Aaron) کو پیچھے خلیفہ بنا گئے تھے۔ ہارونؑ بعد موسیٰ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذمہ دار تھے...... سامری (Samaritan)، بنی اسرائیل کا ایک معتبر اور موثر فرد تھا۔ بنی اسرائیل اس کے اثر میں آ کر گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے سونے کا بچھڑا (a gold calf) بنا کر اس کی پرستش (worship) شروع کر دی۔ ہارونؑ بے بس تو نہیں تھے۔ اعلانِ کلمۃ الحق کرتے رہے۔ لیکن تلوار نہیں نکالی۔ قتال تک نہیں گئے...... موسیٰ نے واپس آ کر قوم کی حالت دیکھی، اپنی تبلیغی محنت ضائع ہوتے ہوئے دیکھی۔ ہارونؑ کو داڑھی سے پکڑ لیا۔ جواب طلبی کی۔ ہارونؑ نے عذر (excuse) پیش کیا۔ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ۔

جناب ہارونؑ نبی ہیں۔ نبی کا قول و فعل حجت ہوتا ہے۔ ذرا جناب ہارونؑ کا جواب سنئے......! کہتے ہیں، بھائی موسیٰ۔ مجھے ڈر آیا کہ آپ کہیں گے، ہارونؑ! تو نے ہمارے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات یاد نہ رکھی...... محسوس کیا آپ نے...... ہارون نے گئوشالہ (calf) کی پوجا تو برداشت کر لی۔ تفرقہ پسند نہیں کیا۔ کلیم اللہ نے بھی ان کی وضاحت کو تسلیم کیا۔ اور تادیب (admonition) ترک کر دی۔ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ ...... اور میری بات یاد نہ رکھی...... یہ فقرہ دلیل ہے اس بات کی کہ موسیٰ جاتی دفعہ ہارونؑ کو یہ کہہ گئے تھے کہ ہارونؑ! حالات جیسے بھی ہو جائیں۔ میری قوم کو گروہ بندیوں میں تقسیم کرنے کا باعث، کم از کم۔ تم نہ بننا......

Marfat.com

اور خدا نے اہتماماً یہ روایت ہم تک پہنچائی۔ ''تفرقہ اور شرک دونوں قابل برداشت نہیں۔ اگر تفرقہ اور شرک آمنے سامنے ہوں تو دونوں ہی دشمن دین ہیں اس لئے ان سے کسی قیمت پر بھی سمجھوتا ممکن نہیں۔'' لو! آج ایک اور بات سمجھ آئی۔ سورۃ مزمل میں ارشاد ہے (آیت نمبر 15)

ترجمہ: ''ہم نے تمہاری طرف بھیجا رسولؐ۔ تم پر گواہ بنا کے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔''

اس آیت مقدمہ میں میری سرکار کو اللہ نے مثل موسیٰ قرار دیا ہے۔ باعتبار مقام نہیں۔ باعتبار حالات...... باعتبار مقام تو میرے بادشاہ محمدؐ ہیں...... جی وہ تو محمدؐ ہیں...... کسی نے کہا یا رسولؐ اللہ فلاں آپؐ کو گالیاں نکالتا تھا۔ بڑی دلبرانہ شانِ بے اعتنائی (non chalance) سے فرمایا...... کسی اور کو نکالتا ہوگا، ہم تو محمدؐ ہیں...... ہاں جی تو رسولؐ ہوئے مثل موسیٰؑ تو پھر کسی کا مثل ہارونؑ ہونا بھی لازم تھا۔ ہارونؑ کے بغیر تو موسیٰؑ نبوت کرتا ہی نہیں نا۔ میں نہیں کہہ رہا۔ یہ بھی قرآن کہہ رہا ہے۔ (بحوالہ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 25 تا 34)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِی. وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِی یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ......

ترجمہ: ''تو پھر میری سرکارؐ نے اپنا ہارونؑ نامزد کیا۔ (بحوالہ صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث نمبر 52)...... میں نے کہا ناں کہ آج ایک بات سمجھ میں آئی۔ یہ جو لوگ سوال کرتے ہیں۔ فلاں وقت علیؑ نے تلوار کیوں نہ نکالی۔ انہیں کیا پتہ۔ ہارونوں کی کچھ مجبوریاں (compulsions) ہوتی ہیں۔ وہ سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنے موساؤں کے ساتھ کیا ہوا قول نہیں بھولتے...... لیکن ان کی خاموشی سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سنت کی تقریری قسم کے حوالے سے سامریوں کا حق پہ ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ آگے چلتے ہیں...... سورۃ انعام نکالئے۔ میں اس کی آیت نمبر 65 پڑھ رہا ہوں۔

ترجمہ: ''اے رسولؐ! ہماری طرف سے اعلان کر دیجئے۔ قُل...... میرے بندوں کو میری جانب سے کہہ دیجئے کہ وہ تم پر عذاب مسلط کرنے پہ قادر ہے۔ یاد ہے، عذاب ہمیشہ گناہوں کی پاداش میں نازل کیا جاتا ہے...... قل کہہ دے اللہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے۔ مِنْ فَوْقِهِمْ۔ تمہارے اوپر سے۔ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔

اللہ نے عذاب (divine visitation) کے انداز بتائے ہیں۔ تو صرف جہنم کی آگ (Hell-fire) کو ہی عذاب سمجھتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اللہ کی بات سن۔ عذاب کی تین صورتیں ہیں۔ عذاب کبھی اوپر سے آتا ہے۔ جیسے سورۃ فیل کے مطابق ابرھہ پہ آیا تھا۔ یا اقوام سابقہ میں بعض پر آسمان سے پتھر برسے اور وہ برباد ہو گئیں۔ کبھی عذاب پیروں کے نیچے سے آتا ہے۔ جیسے اقوام سابقہ

Marfat.com

میں سے بعض زلزلے کا شکار ہو کر زمین میں دھنس گئیں۔ عذاب کی ایک تیسری صورت بھی اللہ نے بتائی ہے اس کا ذکر آخر میں کیا ہے۔

یاد رکھنا عذاب کی دو قسمیں ہیں۔ صورتیں تین ہیں، قسمیں دو۔ زلزلہ (earthquake) آیا۔ شہر غرق (submerge) ہوا۔ بات ختم۔ بلندیوں سے پہاڑ ٹوٹ پڑے، بستی تباہ ہوئی، قوم مر گئی۔ قصہ تمام ہوا لیکن عذاب کی یہ تیسری قسم بڑی ہی خوفناک (formidable) ہے۔ اس سے قومیں مرتی نہیں ہیں۔ سسکتی (sob) رہتی ہیں، بلکتی رہتی ہیں، لحہ لحہ۔ مر مر کے جیتی ہیں جی جی کے مرتی ہیں۔ آپ کو علم ہے۔ دوزخ میں بھی اللہ نے جو عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وہاں بھی مُعذّبین مریں گے نہیں۔ پل پل، موت سے بدتر ہو گا۔ دنیا میں عذاب کی یہ تیسری صورت بھی ویسی ہی ہے۔ اس میں بھی ساری قوم مرتی نہیں۔ موت سے بدتر انداز میں زندگی جھیلنی پڑتی ہے اسے......اور وہ تیسری صورت ہے۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَکُمْ ......یا پھر تمہیں فرقوں میں تقسیم کر دیا جائے اور تمہیں ایک دوسرے سے لڑنے کا مزہ چکھائے ......لکھ لو! فرقہ بندی، اللہ کی جانب سے مسلط کئے جانے والے عذابوں میں سے ایک ہے۔ اور نہایت شدید عذاب......سوچتے بھی رہنا۔ کہیں ہمارے گناہوں کی پاداش (expiation) میں، اللہ جی نے ناراض ہو کر ہم پر عذاب تو نازل نہیں کر دیا ......اگر ایسا ہے تو گر جاؤ اللہ کے حضور، واپس لوٹ آؤ۔ قوم یونس (Jonas) کی مثال تیرے سامنے ہے۔ عذاب ٹالا (avert) جا سکتا ہے۔ دین قائم کر لے، اَقِیْمُوا الدِّیْنَ ......اب اللہ کا ایک اور حکم سن لے۔ سورۃ آلِ عمران ہے میرے سامنے۔ میں آیت 103 سے 105 تک پڑھ رہا ہوں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ......اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقہ بندی نہ کرو۔ بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ کی رسی۔ بابا کبھی سنا کہیں سے۔ کہ اللہ نے آسمان سے کوئی رسی لٹکا رکھی ہو۔ رسی، کوئی غیر مرئی (invisible) یا موہوم شے نہیں ہوتی۔ رسی ایک جسم ہوتا ہے۔ معلوم جسم، مرئی پیکر، محسوس وجود......اللہ نے رسی کہا ہے۔

یقیناً سوچ سمجھ کر کہا ہو گا۔ پھر کہا اس رسی سے اعتصام کرو، رسی کو پکڑو۔ یہ نہیں کہا، رسی پر ایمان رکھو۔ بلکہ یہ کہا کہ اسے پکڑو۔ میں تفصیل میں نہیں جاتا (I won't dwell on it.)۔ صرف اتنا کہتا جاؤں۔ جیسے دیکھنا آنکھوں کا فعل ہے، سونگھنا ناک کا فعل ہے، سننا کانوں کا فعل ہے۔ چکھنا یا بولنا زبان کا فعل ہے۔ اسی طرح پکڑنا ہاتھوں کا فعل ہے۔ ایک بات اور......ممکن ہے کسی کے ذہن میں آئے کہ پیروں سے بھی پکڑا تو جا سکتا ہے۔ دانتوں سے پکڑنا بھی ممکن تو ہے...... ہاتھ کوئی ضروری تو نہیں......نہیں بابا۔ اللہ جی بات کرتے ہیں تو اتنی مکمل کرتے ہیں کہ اس میں کوئی جھول نہیں ہوتی۔ کوئی معنوی سقم (intrinsic flaw) نہیں ہوتا۔ پڑھو پڑھو، جس جس کے ہاتھ میں جس جس کا ترجمہ ہے غور سے پڑھو۔ اعتصام کا معنی صرف پکڑنا نہیں مضبوطی سے پکڑنا

Marfat.com

ہے۔سب نے تقریباً یہی ترجمہ کیا ہوگا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔

پیروں سے پکڑا تو جا سکتا ہے، مضبوطی سے نہیں پکڑا جا سکتا۔ دانتوں سے کوئی بیس کلو وزن اٹھائے تو میلہ لگ جاتا ہے کہ واہ بھئی واہ۔ کیا مضبوط دانت ہیں کہ اتنا وزن اٹھا گئے۔ یہ شرف ہاتھوں کا ہی ہے کہ دنیا میں روزانہ لاکھوں ٹن وزن اٹھاتے ہیں۔ اللہ نے کہا اعتصمو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔ گویا ہاتھوں کے فعل کو دعوت (invite) دی۔ پکڑو، مضبوطی سے پکڑو ہاتھ سے پکڑو۔ اللہ کی رسی کو...... یہ رسی بھی، کیا بات کی ہے خالق ناطق نے...... صاحبو! رسی کو کبھی غور سے دیکھا ہے تم نے...... رسی، کوئی ایک جسم نہیں ہوتا۔ بہت سے دھاگے (strands) باہم پیوست ہوں تو رسی بنتی ہے۔ بہت سے ریشے باہم مربوط ہوں تو رسی تخلیق ہوتی ہے۔ اللہ جانے مختلف رنگوں کے دھاگوں کو، یا ایک ہی رنگ کے ریشوں (fibers) کو کتنے بل (twine) کھانے پڑتے ہیں، کتنا گھومنا پڑتا ہے۔ تب ایک رسی بنتی ہے۔ اور جب بن جائے تو پھر وہ دھاگے، دھاگے نہیں کہلاتے۔ رسی ہو جاتے ہیں۔ تو ایک دھاگے کا مشاہدہ کر کے اسے کمزور نہ سمجھ۔ تجھے کیا پتا، دھاگہ جب رسی کا روپ دھار لے تو تیری اوقات سے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ ہاں! یہ ایک بات ہے کہ جتنے کمزور دھاگے، اتنی ہی کمزور رسی۔ جتنے مضبوط دھاگے اتنی ہی مضبوط رسی۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰه۔ جو رسی اللہ کی ہو۔ جو اللہ سے تمہارے رابطے کا ذریعہ بن جائے، اسے مضبوطی سے تھامو۔ اتنی مضبوطی سے کہ جان جاتی ہو تو جائے۔ مگر ہاتھ نہ چھوٹے۔ اپنی تمام تر توانائیاں صرف کردو۔ اسے پکڑے رکھنے میں...... یہ اللہ کی رسی ہے۔ ادھر سے تمہارے ہاتھ میں ہے دوسرے سرے (end) پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ یہ اللہ نے تھام رکھی ہے۔

بات کچھ زیادہ ہی صوفیانہ نہیں ہوگئی۔ واپس پلٹتے ہیں۔ ولا تفرقو اور فرقہ بندی نہ کرو۔ ایک بات اور سوجھ رہی ہے۔ اجازت ہو تو کہہ دوں۔ اللہ نے لا تفرقو کہہ کہ حبل اللّٰہ کو پکڑنے کا ردِعمل بتایا ہے۔ گویا اگر اللہ کی رسی کو پکڑ لیا جائے تو پھر گروہی اکائیاں، باہم ضم ہو جاتی ہیں۔ پھر فرقہ وارانہ تعصب (bias) دم توڑ جاتا ہے......

اگر تجھے حبل اللہ ڈھونڈنی ہے تو اس کی ایک ہی نشانی ہے۔ دیکھتا رہ، غور سے دیکھتا رہ...... جہاں لا تفرقو ہے۔ وہیں کہیں حبل اللّٰہ ہے۔ دیر نہ کر...... کہیں تیرے اعتصام (holding fast) کے لمحے بیت نہ جائیں اور تو ہاتھ ملانے کے بجائے کہیں ہاتھ ملتا (regret) رہ جائے...... اسی آیت میں۔ جو تمہارے درمیان محبت کا وسیلہ (medium) بن جائے۔ جس کے رشتے تم آپس میں بھائی بن جاؤ۔ اللہ اسے اپنی نعمت قرار دیتا ہے...... اور پھر...... آیت نمبر 105۔ سورۃ انعام کی آیت کی تائید میں۔ دیکھو ان میں سے نہ ہو جانا۔ جنہوں نے تفرقہ اور اختلاف کو شعار (habit) بنا رکھا ہے۔ حالانکہ بینات ان کے پاس موجود ہیں۔ یہی تفرقہ پسندی اور اختلافی ذہن رکھنے والے لوگ تو ہیں جن کے لئے عذاب عظیم ہے، سب سے بڑا عذاب۔ آپ کو یاد ہوگا۔ میں

Marfat.com

نے کہا تھا عذاب کی تیسری صورت بڑی ہی خوفناک ہے۔ اب میرے سائل دوست تو ہی بتا...... میں کون سے فرقے کو ''حق کہوں؟ اگر فرقہ بندی کوئی صحیح عمل ہے تو پھر سارے ہی اچھے ہیں۔ اور اگر یہ کوئی غلط عمل ہے تو پھر ...... میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اب میں آپ سب کو ایک ایسی جگہ لے جانا چاہوں گا۔ جہاں میرا ایمان ہے کہ صاحبانِ ایمان کے دل تھرا (shudder) جائیں گے۔ گو تاریخ میرا سبجیکٹ Subject نہیں ہے لیکن پھر بھی...... ذرا ''تاریخ احمدی'' دینا۔ تذکرۃ الکرام بھی نکالنا تذکرۃ الاطہار شیخ مفید بھی دینا...... یہاں سے پڑھو۔

حمید بن مسلم سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن حسنؑ بن علیؑ کو ظالموں نے شہید کیا۔ تو امام حسینؑ نے دشمنوں کی طرف دیکھ کر انہیں بددعا (imprecate) دی اور غالباً یہ کربلا کی واحد بددعا ہے جو حسینؑ مظلوم کے منہ سے نکلی۔ مظلوم کی بددعا تو ویسے ہی بڑی تیر بہدف ہوتی ہے (The imprecation of the wronged soul hits the nail on the head.)۔ چہ جائیکہ مظلوم، حسینؑ بھی ہو...... حسینؑ نے ہاتھ بلند کئے...... ''خدایا انہیں فرقوں میں بانٹ دے اور مختلف گروہوں میں تقسیم کردے''...... شور مچا ہوا ہے ہر طرف۔ کوئی کہتا ہے۔ امام حسینؑ کے قاتل فلاں ہیں، کوئی کہتا ہے فلاں ہیں...... حسینؑ کی بددعا کو ملحوظ رکھو تو ہر فرقہ پرست کے ہاتھ پر تمہیں حسینؑ کا خون نظر آئے گا...... بچو، بچو، فقیر منت (implore) کرتا ہے۔ اپنے آپ کو حسینؑ کی بددعا سے بچا سکتے ہو تو بچا لو...... اگر تم مسلمان بھی ہوئے اور فرقہ پرداز بھی۔ تو استغفراللہ۔ حسینؑ کی اس بددعا کے بعد تاریخ شاہد (witness) ہے۔ مسلمان گروہ در گروہ فرقوں میں تقسیم ہوتے گئے۔ سبھی لوگ دعاؤں سے ہی پیدا نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ بددعاؤں سے بھی جنم لیتے ہیں۔ حسینؑ کی بددعا کے نتیجے میں، امتِ مسلمہ کے وہ بزرجمہر (sages) پیدا ہوتے گئے۔ جنہوں نے ملت کو پارہ پارہ کرنے میں مرکزی کردار ادا کئے۔ بددعائیہ پیدائش کا یہ عمل بدستور جاری ہے...... فرقہ واریت کی حمایت میں ایک حدیث بڑی شدومد کے ساتھ (with a vengeance) پیش کی جاتی ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ ایک ناجی (redemptive) ہوگا...... او بابا! یہ حدیث خبر ہے، امر تو نہیں۔ رسول کریمؐ کا ارشاد ہے کہ جن اعمال کے پاداش میں اقوامِ سابقہ معدوم کردی گئیں۔ میری امت وہ سب اعمالِ بد کرے گی لیکن صفحۂ ہستی سے نابود کردینے (exterminating) والا عذاب ان پر نازل نہیں کیا جائے گا۔ تو اب اعمالِ بد سرانجام دینا ہم پر واجب نہیں ہوگیا...... یہ رسول کا علم ہے، حکم نہیں......

ذرا وہ کتاب دینا مبلغ اعظم۔ اس میں کہیں مولوی اسمٰعیل مرحوم نے بھی اس حدیث کا ریفرنس (reference) دیا ہے۔ وہیں سے متن (text) دیکھ لیتے ہیں...... لیجئے، پڑھیے۔ ارشاد رسالت پناہ ہے۔ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِی عَلٰی ثَلَاثٍ وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَة۔ ترجمہ کرنے کا مجھ میں حوصلہ تو نہیں۔ آپ میں بڑے بڑے فاضل احباب بیٹھے ہوئے ہیں۔ میری مدد کیجئے گا۔ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِی

Marfat.com

تقسیم ہو جائے گی میری امت۔ عَلٰی ثَلاثٍ وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَۃ تین اور ستر گروہوں میں یا فرقوں میں۔ کُلُّھُمْ فِی النَّار کل کے کل سارے کے سارے آگ میں جائیں گے۔ اِلَّا مِلَّۃً وَاحِدَۃً۔ ملتِ واحدہ کا ترجمہ کرتے ہیں ایک فرقہ۔ شاباش بھئی۔ رسولؐ ملت کہہ رہا ہے۔ تو فرقہ بتا رہا ہے۔ لو بات مزید نکھر گئی (clarify)۔ اس حدیث پر قائم استدلال کا بھانڈا بھی پھوٹ (expose) گیا۔ سنو سنو! میرے رسولؐ نے کہا ہے۔ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے، بچے گا وہی...... جو ملتِ واحدہ کی حیثیت سے قائم رہے گا۔ فقیر کی منت بھی تو یہی ہے کہ بچ...... کلھم کی زد سے بچ۔ ممکن ہو تو ملتِ واحدہ کی حیثیت سے جی...... ملتِ واحدہ میرے کریم رسولؐ کے خوابوں کی تعبیر (realisation) ہے۔ ذرا بخاری شریف دینا۔ وہی حدیث پھر پڑھتے ہیں۔ کتاب المناقب کی حدیث نمبر 56۔

ایک ٹکڑا (excerpt) پڑھا جا چکا۔ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْن والا۔ ایک ٹکڑا اسی حدیث کا اور پڑھتے ہیں۔ رسول معظمؐ کے بعد۔ غالباً یہ واحد آواز تھی۔ جو یہ اعلان کیا کرتی تھی۔ فَاِنِّیْ اَکْرَہُ الْاِخْتِلَافَ حَتّٰی یَکُوْنَ لِلنَّاسِ جَمَاعَۃ۔ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں اور تب تک کروں گا جب تک سارے انسان ایک جماعت نہ ہو جائیں۔ بات مسلمانوں کی نہیں ہو رہی۔ الناس کی ہو رہی ہے۔ للناس جماعۃ۔ لفظ للناس گواہی دے رہا ہے کہ جس کا یہ قول ہے اس کی سوچ عالمگیر تھی۔ اس کی ذات عالمگیر تھی۔ اسے اپنی اس عالمگیر سوچ کے حتمی اور محکم ہونے کا اتنا یقین تھا کہ ساتھ یہ بھی کہہ دیا۔ اَوْ اَمُوْتُ کَمَامَاتَ اَصْحَابِی۔ یا پھر میں بھی مر جاؤں۔ جس طرح میرے ساتھی مر گئے۔ گویا یکون للناس جماعۃ اس آفاقی شخصیت کا وہ مقدس (sacred) مشن تھا۔ جس پر وہ اپنی آخری سانس تک قائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ وہ مر جائے گا لیکن اس مقصد سے دست بردار نہیں ہوگا (He would rather die than let go of the objective.)۔ کیونکہ اسے پتہ ہے کہ اس کے مر جانے والے ساتھیوں کا مقصد بھی یہی تھا۔ کَمَامَاتَ اَصْحَابِی۔ یہ فقرہ دلیل ہے اس امر کی کہ اس کے ساتھی بھی اسی جنگ کے شہید تھے۔ ساتھیوں سے بچھڑی ہوئی یہ تنہا آواز (lone voice) مرشد مرشداں علی ابن ابی طالبؑ کی ہے۔ پوری دنیا کے انسانوں کو اکٹھا دیکھنے کی خواہش اور کوشش وہی کر سکتا ہے جس کا تعلق پوری دنیا کے انسانوں سے ہو۔ سلام ہو آپ پر اے تمام جن و انس کے امام...... بخاری شریف کی اس حدیث کے بعد یہ بات طے ہوگئی کہ آپ ہی رب العالمین کے خلیفہ (caliph) ہیں۔

حضور! آپؑ ہی رحمت اللعالمینؐ کے وارث ہیں۔ آپؑ ہی امام العالمین ہیں...... سنا آپ نے علیؑ جی اختلاف کو ناپسند کرتے تھے۔ پوری دنیا کے انسانوں کو ایک جماعت دیکھنا چاہتے تھے...... میرے ساتھیو! کیا تم سب اس امر میں علیؑ جی کی مدد نہیں کرو گے؟...... یہاں سے حکیمی کی ''الحیات'' دینا۔ سیدہ زہرہؑ...... یہ وہ نام ہے جسے سن کر فرشتے بھی سر جھکا لیتے ہیں...... مخدومہ بتولؑ فرماتی ہیں...... یہ قول پڑھو...... صدیقہؑ کا

Marfat.com

ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اطاعت، ملت کو منظّم (organise) کرنے اور باہمی اختلاف اور تفرقہ کو ختم کرنے کے لئے واجب (obligatory) کی ہے......حرف آخر ہو گیا۔ سیدہؓ کے بعد کسی قوم کی گنجائش نہیں رہی......میرے فاضل دوست میں تیرے سوال کے جواب میں پھر تجھ سے پوچھتا ہوں۔ عبداللہ بھٹی غریب کیا کرے۔ کس فرقے کی وکالت کرے......آپ سب تو پریشان ہو گئے اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ اللہ، معصوم کے احکامات کے بعد بھی دل بے نیاز (indifferent) ہی رہیں تو یہ خطرناک حد تک بدصورت (ugly) کیفیت ہے۔ میں شکر کرتا ہوں رب العزت کا، کہ میرے ساتھی اس بدصورتی کے مورد نہیں......میں بتاؤں آپ کو ایک حل......اور شاید زمانے کی موجودہ صورتِ حال میں یہ واحد حل ہے۔ نظامِ خانقاہی (the monastic order) کو اپنا لیجئے، تصوف کا رنگ لے لیجئے (adopt)۔ دیکھ لیجئے، فقیر کی بارگاہ میں محبت عادت بن جاتی ہے۔ آپ اپنے عقیدے پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کو غضبناک (furious) نگاہوں سے دیکھنا چھوڑ جائیں گے۔ کیونکہ سچا درویش اور خاص طور پر قلندرؒ کا درویش، رب کے سارے بندوں کی مشترکہ ملکیت (common property) ہوتا ہے۔

دست ہر نا اہل بیمارت کند
سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

میں نے نظامِ خانقاہی میں شیعوں کو گیارہویں شریف کھاتے بھی دیکھا ہے اور پکاتے بھی۔ میں نے سنیوں کو علم اٹھاتے بھی دیکھا ہے اور بناتے بھی۔ میں نے اہلِ حدیثوں کو سبیل پلاتے (milk stalls) بھی دیکھا ہے اور لگاتے بھی......میں نے ہندوؤں کو پنجتن پاکؑ کے دیے جلاتے دیکھا ہے میں نے عیسائیوں کو لفظ محمدؐ پر درود پڑھتے (to sing praises of) ہوئے سر کو جھکاتے دیکھا ہے۔ یہ رنگ صرف فقر کے ہیں۔ درویش کے رنگ ہیں یہ...... صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً وَّ نَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ۔(سورۃ بقرۃ آیت نمبر 138) ترجمہ قرآن مجید سے پڑھ لیجئے۔ وقت زیادہ ہو گیا ہے......

تصوف کے پندرہ لاجواب سوالات اور ان کے جوابات

ایک روحانی بزرگ امیر سید حسین ہرویؒ نے محمود شبستریؒ کی خدمت میں پندرہ منظوم سوالات لکھ کر بھیجے تھے۔ آپ نے اُن سوالات پر بڑی شرح وبسط سے روشنی ڈالی۔ آپ کے جوابات نظم بزبان فارسی ہیں اور ان کا مجموعہ ''گلشن راز'' کے نام سے موسوم ہے۔ امیر سید حسین ہرویؒ کے سوالات حسبِ ذیل تھے۔

سوال: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں اپنے متعلق سوچنے، اپنے آپ کو پہچاننے میں بہت پریشان ہوں۔ وہ کون سی چیز ہے وہ کیا ہے جس کو تفکر (contemplation) کہتے ہیں؟ فکر اور سوچ کے آغاز

Marfat.com

یعنی ابتدا کی علامت کیا ہے؟ پھر جب فکر مکمل ہو جائے گا اس کو کیا کہیں گے؟

جواب: تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ "تفکر" کیا چیز ہے۔ میں خود اس سلسلے میں حیران ہوں۔ فکر یہ ہے باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف جانا اور کل مطلق کے اندر جُز کو ڈھونڈنا ہے یعنی اپنے آپ کو خدا کی ذات میں تلاش کرنا (look for) یا پھر خدا کی ذات میں خود کو پہچاننا ہے۔ دانا لوگوں نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے وہ اس کی تعریف کرتے وقت یہ کہتے ہیں۔ جب دل کے اندر ایک تصور پختہ (entrenched) ہو جائے تو سب سے پہلے اس کے نام کا ذکر ہوگا۔ جب انسان فکر کی حالت سے دوچار ہوتا ہے تو اس ذات کا نام اس کے نہاں خانے (heart) میں سما جاتا ہے۔ وہ خیال اور تصور جو سوچ بچار کے لئے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے، صاحبِ عقل اور صاحبِ حال لوگ اسی کو تفکر کہتے ہیں۔ ان تصورات کی ترتیب جو انسان پر ظاہر ہوتے ہیں۔ تو اپنے مقصد اور بے مقصد کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ ابتدا جب ماں اور باپ کا آپس میں اختلاط (intercourse) ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ میں بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ مذکورہ بالا ترتیب کیوں اور کیسے ہو یہ اس بات کی محتاج ہے کہ ہر کام قانونِ فطرت (the laws of nature) کے مطابق ہو۔ اگر مذکورہ ترتیب عمل نتیجتاً تائید نہیں کرتا تو یوں سمجھ لو کہ آئینہ تو جو کچھ سامنے ہو اس کی تقلید کرتا ہے۔ یعنی اس میں بھی ہمارا اپنا قصور ہوگا۔ اگر راستہ لمبا اور مشکل ہو تو اسے کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کچھ عرصہ کے لئے اپنے عصا (staff) کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے امن و سکون کی وادی (valley) میں داخل ہو جا پھر دیکھ وہ سب کچھ انشاء اللہ بلا گماں وہ خود حل کر دے گی۔

تحقیق کرنے والا خدا کی ذات کے وجود کے لیے کیا چیز ظاہری طور پر نظر آتی ہے۔ وہ سب سے پہلے اس کے وجود کو تلاش کرتا ہے، وہ دیکھتا ہے وحدت الوجود (pantheism) کیا ہے؟ دل خدا کی ذات کے نور کی جب معرفت (knowledge) حاصل کرتا ہے تو ہر چیز میں پہلے خدا کی ذات کو دیکھتا ہے۔ یعنی اسے ہر چیز میں سب سے پہلے خدا کی ذات کا نور نظر آتا ہے۔ ہر چیز میں خدا کی وحدت کا نور نظر آتا ہے۔ اچھے کام کی فکر کرنے اور سوچنے کی شرط، اس کی اہمیت کا جاننا ہے یہ بات اندر پیدا ہوگی تو فوراً بجلی کی سی تیزی سے ایک "نَے" (نَے سے مراد بنسری (flute) ہے یعنی روح کی آواز) کی آواز اندر سے اٹھے گی۔ جب انسان کی عقل اس کی اپنی ذات کے اندر گم ہو جاتی ہے تو اسی تسلسل میں وہ خود اس میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی پہچان اور ظہور اس کی ضد (contrary) سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ دھوپ اور چھاؤں، دن اور رات وغیرہ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کی نہ کوئی مثال (likeness) ہے اور نہ کوئی اس کا بدل ہے۔ مگر تو نہیں جانتا کہ سب کچھ اسی ذات کا پرتو ہے۔ دماغ سے جلد اور جسم کے ہر حصے میں ایسا کوئی فرق نہیں اس کے لیے سب ایک ہیں۔ تمام جہاں نورِ حق کی اشاعت و فروغ کو جانتا ہے کیونکہ نورِ حق پیدائشی طور پر اس کے اندر چھپا ہوا ہے۔ عقل کو اس نورِ حق کو دیکھنے کی

Marfat.com

تاب نہیں ہے، عقل اس کو پہچاننے کے لیے کسی دوسری آنکھ (یعنی پیرومرشد) کی تلاش کرتا ہے۔ جب فلسفی کی دونوں آنکھیں کھلتی ہیں تو وہ نورِ حق کو اس ذات کی وحدانیت میں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ فلسفہ توحید کو نہیں پہچان سکتا۔ جو شخص اپنی تنگ نظری (parochialism) کی طرف مائل ہوتا ہے اسے کمال کے بعد زوال اور بے یقینی (uncertainty) کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ ظاہر بین (externalists; phenomenalists) اور فلسفیوں کی دونوں آنکھوں میں دھند ہوتی ہے وہ عجائباتِ قدرت (the wonders of nature) میں ظاہر نظر آنے والی چیزوں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے کلام میں توحید کے راز کو سمجھنے کا ذوق (taste) ہی نہیں ہوتا وہ بلا سوچ سمجھے (blindly) ہر بات کی تقلید کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں مِن وعَن (as it is) اسی طرح کہہ دیتے ہیں۔ وہ لوگ اسی بات کی نشان دہی (point out; locate) کرتے ہیں جو ان کی آنکھ دیکھتی ہے۔ حقیقت کو پہچاننا ان کے بس کا روگ (capacity) نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بابرکات کیا اور کیسے کے سوالات سے پاک ہے۔ (فلسفہ) اللہ تعالیٰ کی ذات جو بڑی شان والی ذات ہے اس نے اپنی ذات کے لیے فرمایا ہے کہ ''اللہ کی ذات بابرکات جو چاہتی ہے کرتی ہے اور جو کہتی ہے وہی ہوتا ہے اس کا وعدہ سچا ہے۔''

سوال: وہ کون سی فکر ہے جو میرے لیے راہِ راست پر آنے کی شرط ہے؟ جو کبھی اطاعت و فرمانبرداری کے زمرہ میں آتی ہے اور کبھی گناہ بن جاتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لیے فکر کرنا ہی راہِ ہدایت کی شرط ہے۔ اس سوچ اور فکر کے بغیر گمراہی (apostasy) ہی گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق کسی بھی قسم کا شک وشبہ گمراہی ہے۔ اسی طرح سے اپنا مقصد ہرگز ہرگز حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے۔ یہ دنیاوی آیات ونشانات اللہ تعالیٰ کی ذات سے روشن ہیں اللہ کی ذات ان علامات کی محتاج نہیں ہے۔ تمام جہان اسی نے نور سے اور اپنے حکم سے پیدا کئے ہیں وہ اس جہاں سے کیسے ہوسکتا ہے۔ اس ذات کا نور ان مظاہر قدرت (the phenomena of nature) میں نہیں سما سکتا، کیونکہ اس کا جلال ان سب اشیاء ظاہری پر حاوی ہے۔ عقل کی بات چھوڑ دے اور اللہ پر بلا حجت ایمان لا اور اسے تسلیم کرلے۔ کیونکہ یہ ظاہری آنکھ سورج کو دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی۔ جس مقام (لامکاں) پر اللہ تعالیٰ کی ذات کا عرش بریں ہے اس کے متعلق جبرائیل امین کو بھی لب کشائی کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بیرونی حد یعنی سدرۃ المنتھیٰ سے آگے نہیں جا سکتا۔ اگر فرشتوں کو خصوصاً جبرائیل علیہ السلام کو درگاہ الٰہی کا قُرب (access; intimacy) حاصل ہے لیکن وہ اللہ کی ذات کے ساتھ نہیں پہنچ سکتا انہیں جس مقام تک جانے کی اجازت (permission) ہے جا سکتا ہے۔ اس سے آگے نہیں۔ چونکہ اس کا نور فرشتے کے پَر جلا دے گا تو پھر بیچاری انسانی عقل تو سرتاپا (altogether) سب جل کر راکھ ہو

Marfat.com

جائے گی، موسیٰ علیہ السلام نورِ الٰہی کی ایک معمولی کرن (ray) سے بے ہوش (faint) ہو گئے تھے۔ مگر جب عقل کا نور ذاتِ الٰہی کے نور میں ڈوب جاتا (immerse) ہے اپنے آپ کو فنا (mortify) کر لیتا ہے تو پھر یہی آنکھ اس چشمۂ خورشید میں مدغم (merge) ہو کر ایک ذات میں کھو جاتی ہے پھر سب بھید اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جب دیکھنے والا اس آنکھ کے نزدیک ہو جاتا ہے تو وہ آنکھ اس ذات میں کھو کر خود تاریک ہو جاتی ہے آگے اس ذات کا نور ہی نور نظر آتا ہے باقی سب تاریکی ہی تاریکی (gloom) ہے۔ اس اندھیرے اور تاریکی کو اگر تو سمجھ لے تو یہی نورِ ذاتِ الٰہی ہے، کیونکہ آبِ حیات کے چاروں طرف اندھیرا ہے درمیان میں روشنی ہے۔

یہ تاریکی نورِ بصیرت (insight) کے قائم ہونے کا نام ہے اپنی اس ظاہری نظر کو چھوڑ دو یہ دیکھنے کے قابل نہیں ہے جب نورِ حقیقی حاصل ہوتا ہے تو یہ ظاہر نظر بے کار ہو جاتی ہے۔ ہم خاکی ہیں گنہگار ہیں، ہم ان صاحبِ حال لوگوں سے برابری نہیں کر سکتے اس ذات کا بھید جاننے کے لیے عاجزی (humility) سے اس ذات کو سمجھا جا سکتا ہے اپنے آپ کو مٹانا ضروری ہے۔ دونوں جہان میں سیاہ چہرہ سے ممکن ہے کہ وہ خدا کی ذات سے جدا نہ ہو، باقی وہ سب خود جانتا ہے۔ سیاہ چہرے والا دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کا مقبول بن سکتا ہے اور یہی رنگ بلا کم و کاست (.in full; from top to toe) اس کے لیے سوادِ اعظم (the best part) بن جاتا ہے۔ میں اس کے متعلق کیا کہوں یہ تو ایک نازک مقام اور باریک نکتہ ہے۔ دراصل دن کو جب اندھیرا جاتا ہے یعنی ظاہر روشنی ختم ہو جاتی ہے تو اس کے بعد ہی روشن رات حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس رات میں روشنی ہی روشنی ہوتی ہے۔ اس اظہار اور ان مشاہدات کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار و تجلیات نظر آتے ہیں اس میں کچھ کہہ سکنے کے باوجود خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

اگر تو مجسمۂ خورشید یعنی حقیقی نور کو دیکھنا چاہتا ہے تو پھر تجھے آنکھ بھی دوسری (حقیقی آنکھ) سے دیکھنے کی ضرورت ہے اپنی آنکھ بھی بدل۔ چونکہ یہ ہماری جسمانی آنکھ سورج کو براہِ راست دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی اس لیے تو سورج کو پانی کے اندر جھانک (peep) کر آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔ اس طرح سورج کی روشنی کم نہیں ہوتی (diminish) لیکن ہمارے ادراک کی قوت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ سورج کی روشنی پانی سے منعکس (reflect) ہو کر آتی ہے۔ ملکِ عدم (وہ جہان جو ابھی واقع نہیں ہوا) وہ اس موجودہ زندگی کا آئینہ ہے۔ جو کچھ یہاں عمل ہوگا وہی حاصل ہوگا، وہ جہاں خدا کی ذات پاک کے نور کا عکس ہے جو اس آئینہ میں ظاہر ہے۔ عدم جب ہماری ذات کے مقابلے میں آتا ہے تو اس کا عکس ہمارے حال (موجودہ زندگی) میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس ذاتِ واحد کی وحدانیت (unity) جب اس جہان کی کثرت (diversity) میں شمار کی جاتی ہے تو وہ اس کی ذات ہر اک شے میں ظاہر ہو کر کثرت بن جاتی ہے۔ گنتی (عدد) اگرچہ ایک سے شروع ہوتی ہے لیکن وہ آگے بڑھتی جاتی (progress) ہے اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ عدم اپنی ذات میں چونکہ صاف اور بے داغ

Marfat.com

(لاشریک) ہے۔لہٰذا اس سے بے شمار مخفی خزانے (treasure-troves) ظاہر ہوتے ہیں۔

''کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا'' کی حدیث مبارکہ کو غور اور گہرائی سے پڑھ، تاکہ تمام چھپے ہوئے خزانے ظاہر ہو جائیں۔عدم (Not-being; non-existence) آئینہ ہے اور تمام جہاں (Being; existence) اور انسان اس کا عکس ہے۔جب عکس کی آنکھ آئینے میں دیکھتی ہے تو اسے اندر ایک شخص یا انسان چھپا ہوا نظر آتا ہے۔تو اس عکس کی آنکھ ہے اور اس آنکھ کا نور ہے جب آنکھ، آنکھ کو دیکھتی ہے تو اسے بعینہ اپنی آنکھ نظر آتی ہے تو پھر سارے جہان کے اندر انسان نظر آتا ہے انسان کے اندر دیکھنے سے سارا جہان نظر آتا ہے اس سے بہتر اور پاکیزہ بیان کوئی نہیں ہو سکتا۔جب تو اس کام میں نیک نیتی (bona fides) سے دیکھے گا تو پھر جو کچھ دیکھنے والا چاہے دیکھ سکتا ہے۔اور دیدار کر سکتا ہے۔اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔حدیثِ قدسی کا مطلب اس طرح بیان کرو کہ اس ذات کا بغیر سنے اور بغیر دیکھے اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بغیر دیکھے اور سنے ایک ہے۔تو سارے جہاں کو تمام تر آئینہ سمجھ لے تو اس جہاں کا ہر ذرّہ (grain) تیرے لیے سیکڑوں سورج بن کر چمکے گا۔

اگر تو اس بحرِ بے کراں سے ایک قطرہ دل پر ڈالے گا تو اس سے سیکڑوں صاف اور شفاف پانی کے سمندر پیدا ہوں گے۔اگر تو خاک کے ہر ذرّے کو درست اور صاف انداز میں دیکھے گا تو ان ذرّوں میں سے ہر ایک ذرّے سے ہزاروں آدم (tens of thousand of Adams) ظاہر ہوں گے۔یعنی کائنات کے ہر ذرّے میں ہزاروں انسان چھپے ہوئے ہیں۔انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کے حکم (command) سے دو جہان آباد ہیں۔دین بھی اور دنیا بھی اور یہ انسان دونوں کی طرف مائل ہے۔کبھی شیطان (Satan) غالب (get the upperhand) ہو جاتا ہے اور کبھی انسانیت (humanity) غالب آ جاتی ہے۔اس جہان کو دیکھ کہ تمام لوگ ایک دوسرے سے تعلق میں جڑے ہوئے ہیں۔کہیں تو شیطان کے اندر آپ کو فرشتہ ملے گا اور کہیں فرشتوں سے شیطان بھی ظاہر ہوتے ہیں۔سب آپس میں اس طرح ملے ہیں لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے بہتر ہیں۔جیسا کہ دانے (seed) سے پھل پیدا ہوتا ہے اور پھل (fruit) سے پھر دانہ بنتا ہے۔یہ سب جب اکٹھے ہو کر ایک خاص حالت میں پہنچتے ہیں تو پھر زمانے کا دور شروع ہوتا ہے۔دن اور رات بنتے ہیں اور سال بنتے ہیں اور زندگی رواں ہوتی ہے۔ابتدائے عالم اور انتہائے عالم کائنات دونوں اکٹھے ہوئے۔آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دستِ قدرت سے بنا کر بھیجا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اسی کڑی سے اپنے حکم سے نازل فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی نہ کسی سے نسبت دی جا سکتی ہے نہ اس کی کوئی نظیر ہے۔واحد ہے۔اس لیے ان کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا۔لیکن جب اسے کسی سے نسبت دے کر اس کی طرف اشارہ کریں گے تو اسے ''من'' کہیں گے۔''میں'' اور ''تو'' وجودِ مطلق کے مظاہر ہیں۔اور وجودِ مطلق کو اگر ایک طاق (niche) فرض کر لیا جائے تو ہم اس طاق کی جالی (lattice) ہیں جس پر چراغ رکھا جاتا ہے۔جسم اور روح ایک ہی نور ہے۔کبھی یہ

Marfat.com

نور آئینے کے عکس کی صورت میں پڑتا ہے کبھی چراغ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ حکما کا خیال ہے کہ لفظ ''من'' سے روح یعنی نفس ناطقہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جو لوگ عقل کو اپنا راہنما بنا لیتے ہیں وہ دھوکا کھاتے ہیں، اور اپنے جزو یعنی روح کو اپنے سے الگ خیال کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ روح اور جسم ایک ہی ذات ہیں اور حقیقت حق کے مظہر ہیں۔ پس ''من'' سے نہ جسم مراد ہے نہ روح، بلکہ اس سے وہی ہستی مطلق مراد ہے۔ جو شخص ظاہر بینی کی وجہ سے ظاہری وجود (phenomenon) کو حقیقی وجود (noumenon) سمجھتا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اشیاء کی حقیقت کو کشف (inner light) سے پہچاننے کی کوشش کرو، نہ شعور وادراک سے۔ ''مَیں'' اور ''تُو'' جسم و جان سے بالا ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں ''من'' کے اجزا ہیں۔ ''من'' سے صرف انسان ہی کی طرف اشارہ نہیں، بلکہ ہر جاندار اور بے جان (the living and the dead) کی طرف ''من'' کا اشارہ ہو سکتا ہے۔ کون ومکان (universe) یعنی تعینات کو چھوڑ، ذرا ان سے اوپر ہو، اور جسمانی اور روحانی تعینات کو فنا کر کے بقاباللہ کا مرتبہ حاصل کر، اور پھر آپ ہی آپ میں ایک جہان بن کر دیکھ کہ سارا جہان خود تو ہی ہے۔

وحدت پر یہ ''من وتو'' کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جب یہ سامنے سے اٹھ جائے گا۔ تو فنا فی اللہ کا مقام آجائے گا جہاں نہ مذہب کا حکم باقی رہے گا، نہ ملت کا۔ وہاں تجلی (manifestation) وحدت ہوگی۔ نہ کعبہ ہوگا، نہ کنشت (temple)۔ وہاں غیر حق کا کوئی نشان نہ رہے گا۔ یہ مقام شہود (The Omnipresence of God as a mystical experience) ہے، یہاں سالک کثرت میں وحدت کو دیکھتا ہے اور جمع اور افراد اس کی نگاہ میں ایک ہو جاتے ہیں، جیسے ''ایک'' کا عدد تمام اعداد میں جاری وساری (immanent) ہے۔ اے انسان تو جسمانی اور روحانی قوتوں کی وجہ سے جمع یا کثرت ہے، لیکن فنا فی اللہ کے مقام میں ترقی پا کر ''وحدت'' ہو جاتا ہے۔ تو وحدت ہی ہے لیکن جب تو اپنی صفات کے مرتبوں میں تنزل حاصل کرتا ہے تو کثرت بن جاتا ہے اور اشیاء کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے یہ ایک راز ہے، جس کو صرف وہی جانتا ہے، جس نے کثرت سے وحدت کی طرف قدم بڑھایا اور جُزو (the part) سے کُل (the whole) کی طرف سفر کیا۔

سوال: انا کیا ہے؟ اور اپنی طرف سفر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: دوسرے مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ میں کون ہوں تو مجھے بتا کہ میں کون ہوں کیا ہوں۔ چونکہ زندگی کی اصلیت اور حقیقت تو اللہ تعالیٰ نے اشاروں میں بتا دی کہ لفظ ''من'' یعنی مَیں، میں سب کچھ ظاہر ہے۔ دراصل زندگی کی حقیقت تو مقرر کر دی گئی ہے اور اسی ''من'' سے زندگی مراد لیتا ہے۔ مَیں اور تُو کی بحث محض ہمارے وجود کا ایک سبب ہے ورنہ تمام کائنات ارض وسما میں اس کا وجود ہے۔ بلکہ اسی کی ذات سے یہ موجود ہیں۔ تو یہ سمجھتا ہے کہ کائنات کی ہر شے سے مراد روح ہے یہ صرف ایک اشارہ ہے حقیقت نہیں ہے۔ تو نے کتابوں اور ظاہر معلومات کو اپنا راہنما بنا لیا ہے حقیقت میں تو اپنی ذات کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا اپنی ذات

Marfat.com

کو جاننا ہی اصل حقیقت ہے۔ اے دوست! جا اور اپنی حقیقت کو پہچان کر اس کو نیک تصور کر۔ لفظ من صرف انسان کے لیے ہی مخصوص نہیں ہے۔ جب تک تو اپنی جان کو بھی روح ''من'' کے لیے وقف (dedicate) نہ کر دے۔ ایک راستہ یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کون و مکاں (Time and Space) کی قید سے اوپر جا، اس جہاں کو چھوڑ دے، بہت سے جہاں ہیں ان میں گم ہو جا۔

اس ظاہری راستے اور دنیا کا لالچ اور حرص (avarice) جب تو ان کی حقیقت کو سمجھ لے گا وہ تجھے بے حقیقت معلوم ہوں گے۔ درمیان کے راستے پر نہ چل بلکہ اللہ کی ذات کے ساتھ ملنے کی حرص اور لالچ کو بڑھا اور خدا سے مل جا۔ زندگی بہشت کی مانند ہے لیکن کوتاہی کی صورت میں دوزخ کی سی بن سکتی ہے۔ مَن و تُو کی جو بحث ہے یہ عالمِ برزخ (Purgatory) کی مانند ہے۔ جب تو اٹھ کھڑا ہو گا تو تیرے سامنے پردہ نہیں رہے گا پھر مذہب اور عقیدہ کا معاملہ ہے۔ اس پر عمل کرنا ہو گا۔ ایک نقطہ کا تعین حقیقت کو پہچاننا ہے جب تیرا اندرون خانہ صاف ہو جائے گا تو تمام تاریکی چھٹ (dispel) جائے گی اور سب کچھ آشکار (manifest) ہو جائے گا۔ وہ نقطہ یہ ہے کہ اول حرص و لالچ سے آگے گزر جا اور دوسرا اپنی زندگی کے صحرا کو آباد کر۔ یہ دونوں راستے ہی سالک (seeker after truth) کے لیے کافی نہیں ہیں اسے اور آگے چلنا ہے۔ بیشک ان میں بہت مصائب اور تکالیف (trials and tribulations) ہوں گی۔ تو ایک ایسا مجموعہ وہ عین وحدت یعنی ایک ذات ہے۔ اور تو ایک ہی تمام کثرتوں کا سبب ہے بلکہ اصل کثرت وہی ذات ہے جس سے تو ہے۔ جو شخص اس راستے کو جس پر وہ چل رہا ہے جانتا ہے کہ وہ ایک جُز کے ساتھ ایک کُل کی طرف سفر کر رہا ہے۔

جو شخص راہِ سلوک میں کثرت کی منزل کو عبور کر جائے گا، اور نورِ وحدت میں اپنی ہستی کو فنا کر کے عین وحدت ہوگا، وہ عارف حق اور سرِّ وحدت سے واقف ہوگا۔ عارف ہر شے میں وجود مطلق (The Absolute) کا جلوہ دیکھتا ہے۔ وہ سوائے حقیقی ہستی کے اور کسی کو ہستی نہیں جانتا ہے۔ بلکہ ہستی کو بالکل فنا کر دیتا ہے۔ ظاہری وجود خس و خاشاک (sweepings) کی طرح ہے۔ اس کو باہر پھینک دیتا ہے۔ جا تو بھی مقام دل کو خس و خاشاک کے وجود سے صاف کر لے، اور محبوب کے لیے جگہ بنا۔ جب تو باہر آ جائے گا تو محبوب تمہارے اندر سما جائے گا اور تم کو تمہارے بغیر ہی اپنا جمال دکھائے گا۔ اعمال قبیحہ اور اخلاق ذمیمہ جو راہِ حق کی رکاوٹیں ہیں، جب تک دور نہ ہو جائیں گی مقام دل نورِ حق سے روشن نہ ہوگا۔

سوال: مسافر کون ہے اور راستے پر چلنے والا کون ہے؟ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ میں کسے مرد کامل سمجھوں جو مجھے درست راہ پر گامزن کرے؟

جواب: اس راستے کا مسافر وہ ہے جو اپنی ذات کو پہچانتا ہے۔ اور مسافر وہ ہے جو اس راستے سے جلد گزر جائے۔ اور اپنے آپ کو ایسے پاک و صاف کرے جیسے آگ دھوئیں سے صاف اور اجالا ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

اس کا برتاؤ اور راستہ الہام (inspiration) کی باتوں کو اپنی استطاعت (capacity) کے مطابق جاننا برائی اور نقصان کو چھوڑ کر ضروری امور کی طرف راہ اختیار کرنا ہے۔ تمام منازل میں پہلی منزل کے مطابق چلے تاکہ وہ ایک انسان کامل بن جائے۔ غضب یہ ہوا کہ اس کے اندر حرص، لالچ اور خواہشات نفسانی (carnal desires) نے جگہ لے لی پھر ان میں سوائے کنجوسی تنگ دلی لالچ اور تکبر کے اور کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ پھر ان کے اندر بری صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ جانوروں اور شیطانوں اور درندوں سے بھی برے ہو جاتے ہیں۔ گراوٹ (debasement) اور تنزل کے لیے یہ نقطہ جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے سب سے بدتر ہے کیونکہ وحدت اپنی مقابل شیطانیت (wickedness) کو فروغ دیتا ہے۔ وہ کثرت کے افعال میں بہت ہی لالچی اور حریص ہو کر راہِ ہدایت کے مقابلے میں شیطانیت کو فروغ دیتا ہے۔

اگر وہ اس جال میں پھنس کر مستغرق (engrossed) ہو جائے تو گمراہی میں وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کی روح تک نورِ ہدایت پہنچ جائے خواہ اس کے جذبہ ایمانی کے سبب ہو یا دلائل کی روشنی میں ہو۔ تو پھر اس کا دل اس ذاتِ حق تعالیٰ کا ساتھی بن جاتا ہے اور وہ اس گمراہی کے راستے سے واپس لوٹ آتا ہے۔ وہ اپنے جذبہ ایمانی یا درست اور قابلِ فہم (understandable) دلائل سے ایمان حقیقی حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ایک بار فاجر لوگوں (libertimes and debauchees) کی باتوں سے واپسی اختیار کر کے نیک لوگوں کی اعلیٰ جنت کی طرف اپنا رخ موڑ لیتا ہے۔ پھر اس وقت وہ توبہ کی صفت سے متصف (blessed) ہو کر اولادِ آدم میں چنے ہوئے بندوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے نیک اعمال کے سبب پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی بلندی پر پہنچا دیا۔ جب انسان کو برے اعمال اور بری صفات سے نجات (redemption) حاصل ہو جاتی ہے تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کی مانند مضبوط اور پکے ارادے کا مالک بن جاتا ہے۔ پھر اس کے جُز کو کُل کے اندر کوئی اختیار نہیں رہتا اور وہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی مانند خدا کی ذات اور ارادے کا تابع ہو کر متوکل علی اللہ ہو جاتا ہے جب اس کا ارادہ رضائے حق کے اندر شامل ہو کر اس کا تابع ہو جاتا ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بابِ اعظم میں داخلہ کا حق دار بن جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے علم وعرفان (من اللہ) کے ذریعے برائی سے چھٹکارا (deliverance) پا لیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا۔ وہ اپنی ہستی اور ذات کی کلیۃً نفی کر دیتا ہے۔ تو پھر حضرت بلال حبشیؓ کی طرف معراج پر بھی حضرت محمد ﷺ کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ پھر وہ انسان کامل بصورت احمد مرسل ﷺ اپنے آخری نقطہ پر جو دراصل نقطہ اول ہے، پہنچتا ہے تو اس کی ذات میں نہ کسی فرشتے کی نہ نبی کی گنجائش باقی رہتی ہے بلکہ وہ انسان کامل (قاب قوسین اوادنیٰ) کی حد تک پہنچ کر ذاتِ حق میں ضم ہو جاتا ہے (becomes at one with God)۔ جب روزِ ازل! جب ذات

Marfat.com

باری تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ تو حق تعالیٰ نے انسان کامل کو (نور) سے پیدا فرمایا۔ اس کو ظاہراً تو اربعہ عناصر (the four elements i.e. water, earth, air, and fire) سے ہی پیدا فرمایا پھر اس کے اندر روح پھونک (infuse) کر اس کو عقل و دانش (wit and wisdom) میں اکمل بنایا۔ پس پھر وہیں قدرت ذات حق نے جنبش کی اور اپنے فضل سے ارادے (will-power) کا مالک بھی بنا دیا۔ بچپن سے ہی اسے پھر اس دنیا اور کائنات کا احساس دلا کر علم دیا اور عملاً اسے کائنات کے اندر سوچنے کی سمجھ عطا کی۔ جونہی اس انسان کامل کی جزئیات مکمل ہو گئیں تو اسے کلیات کے ساتھ ملا دیا۔ نبی آفتاب ہے اور ولی چاند، ان دونوں کو مقابل میں کھڑا کیا تا کہ خدا سے ملائیں جب کہ چاند کی روشنی سورج سے ہی مستعار (borrowed) ہے۔ نبوت اپنے کمالات (achievements) میں پاکیزہ و صاف ہے اور ولایت (sainthood) نبوت سے ظاہر ہوتی ہے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ولایت ولی کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے ولی پیغمبروں میں سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے تابع ہوتے ہیں۔ ولی کو پیروی کرنے کے لیے ایک کامل ساتھی اور راہنما کی ضرورت ہے۔ لیکن نبی کو ولایت کی صورت اپنا ایک رازداں (confidant) درکار ہے۔ ولی کو نبی کی محبت درکار رہے وہ نبی کو اپنے جان و مال سے عزیز سمجھتا ہے اور خلوتِ خانہ میں اسے اللہ کی محبت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب ولی اس خلوتِ کدہ میں مقبول و محبوب ہو جاتا ہے تو پھر وہ نبی اور خدا کی ذات میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ ولی ظاہری طور پر نبی کا تابع ہوتا ہے ولی کی عبادت بھی ظاہراً نبی کی تابع ہوتی ہے۔ لیکن اس مقام پر پہنچ کر اس کا کام ختم ہو جاتا ہے اس کے کام کا آغاز کیا تھا پھر انجام کو پہنچ کر اس کے اختیار سے باہر ہوا۔ جو کوئی مرد کامل بنتا ہے اس کا کام اپنے خواجہ (پیر و مرشد) کی غلامی اختیار کرنا ہے۔ جب وہ یہاں تک کا سفر طے کر لیتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے سر پر خلافت کا تاج رکھ دیتا ہے۔ اس نے فنا ہو کر (فنا فی الشیخ، فنا فی اللہ) ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لی پھر پہلے کام کے اختتام پر نیا راستہ اختیار کیا۔

پھر وہ شریعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا (bread and butter) بنا لیتا ہے اور طریقت کو اپنی خلعت (robe, that is, cloak) یعنی چوغا بنا کر پہن لیتا ہے۔ حقیقت میں وہ اس ذات کے مقام کو جانتا ہے اور کفر اور ایمان کے درمیان ایک ڈھال (shield) ہے اور اس کو مکمل کرتا ہے۔ وہ اپنی نیک عادات و اخلاق سے متصف ہوتا ہے اور اپنے علم اور زہد و تقوی (piety) کے پردہ میں ڈھکا (covered) ہوا ہوتا ہے۔ سب لوگ اس کے ارد گرد اور اس کی نزدیکی اختیار کرنا قابلِ فخر سمجھتے ہیں لیکن وہ سب سے دور رہتا ہے اور وہ اپنی قبا و خلعت کے پردہ میں چھپا رہتا ہے۔ نہ وہ سراسر مغز بادام (kernel of an almond) بن کر رہتا ہے کہ جب تک اس کا پوست (shell) دور کرے تو اندر سے خام (raw) نکلے۔ لیکن جب وہ پختہ (ripe) ہو جاتا ہے تو بغیر چھلکے کے بھی اچھا ہے کہ اگر تو اس کا مغز نکالے تو اس کا چھلکا بھی ہٹا دے۔ شریعت بادام کا پوست ہے

Marfat.com

جس سے مستور کیا ہوا ہے۔ اور مغز حقیقت ہے۔ اور ان دونوں شریعت اور حقیقت کے درمیان طریقت ہے۔

سالک کے راستے میں مغز سب سے بڑا نقص (imperfection) ہے جب مغز پختہ ہو جائے تو پوست بھی عمدہ ہوتا ہے۔ چونکہ عارف اپنے یقین سے جڑا ہوا ہے جب وہ اصل پر پہنچ جاتا ہے تو مغز اور پوست کی پابندی سب ختم ہو جاتی ہے۔ عارف کا وجود اس جہاں میں نہیں ہوتا وہ جب ظاہری دنیا سے باہر آتا ہے تو اسے ذاتِ حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر وہ اپنے ظاہر کو خورشید کی تپش سے روشن (illuminate) کرتا ہے تو اس مقام پر وہ ایک نئے دور کا آغاز کرتا ہے۔ وہ ایک درخت بن جاتا ہے اس مٹی اور پانی کے ذریعے، پھر اس کی شاخیں تمام آسمانوں پر محیط (cover) ہو جاتی ہیں۔ پھر وہاں ایک دانہ بار آور ہو کر دوبارہ باہر نکلتا ہے تو ایک دانے سے جبار و قہار کی قدرت سے سیکڑوں دانے نکلتے ہیں۔ ایک کے سو ہو جاتے ہیں۔ جب وہ ایک دانہ مکمل ہو کر درخت کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس مقام پر ایک دانے سے دوسرا دانہ اس نئے دور کا آغاز کرتا ہے۔ چونکہ سالک دائرے میں مکمل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اسی مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں سے اس نے ابتدا کی تھی۔ پھر دوبارہ ایک پرکار (compass) کی مانند ہو جاتا ہے اس کام پر دوبارہ لگ جاتا ہے جس کو اس نے پہلے شروع کیا تھا۔ اس ظاہری کمی بیشی اور کارِ دیگر سے پہلے کی تنسیخ (cancellation) نہیں ہوتی بلکہ ان چیزوں کا ظہور ذات کی عین تجلی ہے۔ اور کوئی یہ سوال کرے اور کہے کہ اس کی انتہا کیا ہے تو اس سے کہہ دو کہ یہ اپنے ابتدا کی طرف لوٹ رہا ہے۔ نبوت کا ظہور آدم علیہ السلام سے ہوا اور اس کا کمال نبی آخر الزمان ختم مرتبت خاتم النبین ؐ کی ذات بابرکات سے ہوا اور بس اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ولایت باقی ہے تاکہ یہ سفر جاری رہے اور اس مقام پر جہان میں نئے دور چلتے رہیں۔ کُل کا ظہور (یعنی ذات باری تعالیٰ) حضرت محمد ﷺ خاتم النبین سے ہوا، اور اس سے کائنات کے تمام دور ظاہر (emerge) ہوئے۔ اولیا کا وجود ایسے ہے جیسے اعضا جسم حضور ﷺ کُل ہیں اور اولیا اس کا جز ہیں۔ جب تم اپنے خواجہ (نبی پاک ﷺ) سے مکمل نسبت کر لو گے تو پھر ان کی ذات سے رحمت عالم عام ظاہر ہو جائے گی۔ وہ دونوں جہاں کے مقتدائے اعظم ہیں اور اولادِ آدم خواہ نبی ہوں یا ولی اس کے خلیفہ ہیں۔ جب آفتاب کی روشنی (sunlight) رات سے جدا (separate) ہو جاتی ہے تو صبح طلوع اور رات تیرے لیے برابر ہو جاتی ہے۔ دوبارہ اس گھومنے والے آسمان کی طرف سے ظہر، عصر، مغرب ظاہر ہوئے۔ نبی پاک ﷺ کا نور اس جہاں میں سب سے بڑا سورج ہے۔ جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ کبھی وہ موسیٰ علیہ السلام اور کبھی آدم علیہ السلام میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر تاریخ عالم کو پڑھے تو پھر تو تمام مراتب کو اچھی طرح سے جان لے گا۔ خورشید سے ہر وقت سایہ حاصل ہوتا ہے۔ (یعنی نبی پاک ﷺ سے) کیونکہ دین حق کی ہدایت انہی سے حاصل ہوتی ہے۔ وہی دین کی بنیاد ہیں۔ نبی پاک ﷺ کا عہد ہمیشہ برابر کا زمانہ ہے، کیونکہ ہر سائے اور اندھیرے کی بنیاد نبی

Marfat.com

پاک ﷺ ہیں۔ خطِ استوا (the Equator) پر سایہ ندارد (non-existent) اور خط سیدھا ہوتا ہے۔ اور آگے پیچھے دائیں بائیں سایہ نہیں ہوتا۔ چونکہ انہوں نے حق کے راستے پر اقامت اختیار کی ہے۔ تو اس ذات باری کے حکم پر قائم رہ۔ ان کا کوئی سایہ نہ تھا کہ اس پر سیاہی ہو، خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ نورِ خدا ہیں اور خدا کی ذات کا سایہ ہیں۔ اور وہ قبلہ تمام اقصائے عالم کے لیے ہیں مشرق سے مغرب تک اور ان سب کے درمیان ان ہی کا نور پھیلا ہوا ہے۔

ان کے ہاتھ سے شیطان صفت لوگ مسلمان ہوئے ان کے پاؤں کے نیچے سایہ چھپا ہوا ہے۔ تمام مرتبے ان کے پاؤں کی خاک کے نیچے ہیں تمام خاکی انسانوں کو وجود ان کے سایہ عاطفت کا محتاج ہے۔ ان کے نور سے تمام دنیا روشن ہوئی ہے، مشرق سے مغرب تک ان کے لیے سب برابر ہیں۔

جو سایہ سب سے پہلے حاصل ہوتا ہے آخر کار وہ بھی کسی دوسرے کے مقابل آجاتا ہے ہر زمانہ میں ایک امت ہوئی ہے۔ چونکہ ہمارے نبی پاک ﷺ اپنی نبوت میں اکمل ہیں اس لیے یقیناً ان کے ولی بھی پہلی امتوں سے افضل ہیں۔ ولایت چونکہ خاتم النبیینؐ کی ذات سے ظاہر ہوئی ہے۔ ان کی ذات بابرکات سے تمام عالم پرامن اور صاحبِ ایمان ہوئے، تمام جمادات وحیوانات (minerals and animals) سب انہی کی ذات کی بدولت پیدا کئے۔ دنیا میں پورے جہان میں ایک نفس (soul) بھی کافر نہ (infidel) ہوتا، اگر کائنات میں عدل حقیقی رائج ہو جائے۔ ذات باری تعالیٰ کی پہچان رکھنے والے وحدت کے بھید کو جاننے والے کوئی بھی پیدا نہ ہوتا، اگر آپؐ کی ذات نہ ہوتی۔ اس کی مطلق وجہ آپ کی ذات ہے۔

سوال: وہ کون ہے جو وحدت کے بھید کو جانتا ہے؟ عارف باللہ کو کون سی شناسائی ہوئی ہے جو اس کے لیے راہنما بنتی ہے؟

جواب: وہ کون ہے جو وحدت کے بھید سے واقف ہوا، لیکن وہ اپنے اندر کے بھید کو نہ جان سکا۔ عارف کا دل اپنے وجود کو پہچانتا ہے کیونکہ خدا کی ذات اس کے وجود کے اندر موجود ہے اس وجود کا ہر حصہ اس ذات کی شہادت دیتا ہے۔ جز کے بغیر حقیقی زندگی کی شناخت نہیں ہوسکتی اس کے ذریعے وہ ذات پاک اس کے اندر ہی اندر خود بخود دریافت ہو جاتی ہے۔ تیرا وجود سب کا سب خس و خاشاک کا مجموعہ ہے یہ مکروفریب (skullduggery) کا مجموعہ ہے ان سب کو اندر سے نکال دے اور اپنے وجود کو پاک وصاف کر لے۔ تو نکل جا اور اپنے خانہ دل کو صاف کر اور اس میں محبوب کی شایانِ شان جگہ بنا اور مقام پیدا کر۔ جب تو اپنی ذات سے باہر نکل جائے گا تو وہ اندر آجائے گا اور تجھے تیرے وہاں موجود نہ ہونے کے باوجود اپنا جمال دکھائے گا۔ اگر تو اپنے محبوب کو نوافل سے زیادہ محبوب رکھتا ہے تو پھر لا الہ کے ورد (ذکر) سے اس میں جاروب کشی (sweeping) کر کے اس کو صاف کر۔ پھر وہ تیری جان (روح) کے اندر اپنا ٹھکانہ بنا لے گا اور تو اسے

Marfat.com

بغیر دیکھے ہی پالے گا۔

جب تک برائی نفس کے اندر موجود ہے تب تک عارف کا علم حقیقت کی صورت اختیار نہیں کرتا۔ جب تک موانعات کو اپنے آپ سے دور نہ کیا جائے گا نور خداوندی خانہ دل میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس عالم شہود میں موانعات چار ہیں اور پاکیزگی اختیار کرنا بھی چار طرح سے ہے۔ اول یہ کہ نجس (unclean) اور ناپاک (unholy) چیزوں سے پاکیزگی اختیار کرنا، دوسرے گناہوں سے بچنا اور شک کے شر سے دور رہنا اور یقین پر عمل پیرا ہونا۔ تیسری برے اخلاق سے اپنے آپ کو پاک رکھنا کیونکہ بداخلاق انسان، حیوانوں اور درندوں جیسا ہوتا ہے۔ چوتھی اور آخری چیز ہے اپنے سر یعنی دماغ کو غیر اللہ سے پاک رکھنا، کیونکہ اس مقام پر منتہی کے آخری مدارج کو پہنچنے والا بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ جو شخص یہ پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے وہ بلاشک وشبہ مقبولیت کا حق دار ہو جاتا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو وحدت میں ڈبو نہ لیا (immerse) جائے نمازی کی نماز بھی بے معنی (meaningless) ہے۔ جب انسان کی ذات ان تمام عیوب اور برائیوں سے اپنے آپ کو پاک کر لے تو پھر اس کی نماز اس کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے گی۔

سوال: اگر عارف اور معروف دونوں ذات پاک ہی ہے؟ تو پھر اس مشتِ خاک یعنی انسان کو اس قدر خبط (passion) اور لگن (commitment) کیوں ہے؟ اس کے سر میں کیا سودا سمایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے انجان (oblivious) نہ بن کیونکہ تو نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اسی کے نور سے پہچاننا ہے۔ خدا کی ذات معروف ہے اور عارف اس ذات کے بغیر اپنی منزل نہیں پا سکتا جب کہ یہ مٹی (خاک) جس سے انسان بنا ہے وہ خورشید سے ہی گرمی اور روشنی حاصل کرتی ہے۔ جب فطرت کا اصل مقام اور حال یاد آئے تو وہاں پھر دوبارہ اصل فکر اور سوچ کو پہچان جائے۔

''اَلَسْتُ بِرَبِّکُم'' (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) یہ بات خدا کی ذات نے کس سے کہی تھی جو اس وقت موجود تھا اور پھر اسی گھڑی اس نے کہا ''قَالُوْا بَلٰی'' انہوں نے ''ہاں'' کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے۔ اس دن جب مقصد کے پھول کھل اٹھے تو انہوں نے دل میں ایمان کی ایک عبارت (کہانی) لکھی۔ اگر اس تحریر یا حکم نامہ (covenant) کو جو اس دن (یومِ میثاق) لکھا گیا تھا ایک دفعہ پھر پڑھ لے تو پھر جو کچھ بھی تو چاہتا ہے تجھے حاصل ہو جائے گا۔ کل تو نے بندگی کا ایک عہد باندھا تھا لیکن تو نے اسے اپنی نادانی سے بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اسی وقت تیری منزل بن گیا کہ تجھے تیرے پہلے دن کے عہد کو یاد دلائے۔ اگر تو نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس یومِ میثاق کے دن ہی دیکھا ہوتا تو آج پھر تو دوبارہ آسانی سے اس کا دیدار کر سکتا تھا۔ تو اس کی صفات کو آج اس دنیا جہان میں دیکھتا کہ کب پھر تو اس کی ذات کا دیدار کر سکے۔ ورنہ اپنی زندگی کے ایام کو ضائع نہ کر اور قرآن کے یہ الفاظ ''لا تھــــدی'' غور سے سن۔ کسی چیز کی تکمیل اس کا مکمل ہونا رنگ سے نہیں باور کیا

Marfat.com

جا سکتا، بے شک سو سال تک بھی اس کے لیے دلائل دیتا رہے۔ کبھی وہ سفید ہے کبھی زرد کبھی سرخ اور کبھی سبز لیکن اس کے لیے ہر چیز اسے سیاہ ہی نظر آئے گی۔ مادرزاد (congenital) اندھے بدحال کو دیکھ کہ وہ معالج کے سرمہ (antimony) ڈالنے سے کبھی بینا ہو سکتا ہے؟۔

سوال: وہ کون سا ایسا مقام ہے؟ جہاں اَناالحق بولا جاتا ہے آپ اس بارے میں کیا کہیں گے کہ وہ اَناالحق کہنے والا صوفی تھا یا کوئی بے ہودہ بات کہنے والا؟ یا یہ تحقیق شدہ درست بات ہے۔

جواب: اَناالحق (میں خدا ہوں) کشف کا ایک مخفی بھید ہے اور یہ قطعی اور حقیقی ہے۔ ذاتِ باری کے سوا وہ ایسا کون ہے جو اپنے آپ کو خدا کہہ سکے۔ (اَناالحق) کائنات کا ہر ذرّہ منصور کی مانند ہے کیا تو چاہتا ہے کہ منصور کی طرح مستی (ecstasy) اختیار کرے اور نشہ واحدانیت سے مخمور (drunk) ہو کر بے خود ہو جائے۔ تو پھر اس تسبیح یعنی کلمہ توحید ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ذکر میں ہمیشہ لگا رہ تو پھر تو بھی اس مقام کو حاصل کر لے گا جہاں خدا کے سوا تیری ذات کی نفی (negation) ہوگی۔ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ یہ منزل تیرے لیے آسان ہو جائے تو پھر ''اِنْ مِنْ شَیْءٍ'' کی تسبیح (rosary) کو ایک دفعہ پھر پڑھ اور عمل کر۔ جب تو اپنے کان بند کر لے گا ان میں روئی ڈال لے گا تو پھر تو بھی حلاج کی طرح ایسا ہی دم مارے گا یہی بات منہ سے نکلے گی۔ تو اپنے کانوں سے روئی (cotton-swab) نکال کر بات پر کان لگا اور غور سے سُن اور اپنے ''واحد القہار'' خدا کی آواز کو سُن۔ وہ آواز آتی ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کو دوام حاصل ہے تو پھر تو اس بات کو قیامت تک کے لیے کیوں موقوف (put off) کرتا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن میں داخل ہوئے تو اچانک درخت سے آواز آئی (اِنِّی اَنَا اللّٰہ) کہ میں خدا ہوں۔ اگر درخت کا ''اَناالحق'' کہنا درست ہے تو پھر ایک اللہ کے نیک بندے کے لیے کیوں جائز نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل کے اندر شک نہیں ہے اسے یقین ہے کہ زندگی اس ذاتِ واحد کے سوا نہیں ہے۔ ''اَنا'' کہنا (میں خدا ہوں) صرف اور صرف خداوند تعالیٰ کی ذات کو زیب (become) دیتا ہے اور وہی اس کے لائق ہے وہ غائب ہے اور غیب کی تمام باتوں کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے دوئی یعنی شرکت (partnership) نہیں ہے اس ذات کے حضور میں مَن اور تُو کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ہے ہی نہیں۔ اس لیے (من و ماو توی) سب ایک چیز ہے کیونکہ وحدت کے اندر ان چیزوں کی نہ گنجائش ہے کہ تمیز کی جاتی ہے۔ وہ جس کا نفس ''اندر'' اپنی ذات سے خالی ہے جس میں (من و تو) نہیں ہے۔ وہ ایک خلا یک مانند ہے اور اس خلا کے اندر (اَناالحق) اس کی ذات کی آواز ہوگی۔ اس ذاتِ واحد کے سوا باقی سب چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں۔ اس میدان میں راہ چلنے والے (سالک) کا سیر کرنا اور راستے پر چلنا سب برابر ہیں۔ دوسروں یعنی غیر اللہ کے سوا نہ کسی سے اتحاد کر، نہ اس کے ساتھ میل ملاپ رکھ، خدا کی وحدانیت ان سے بالاتر ہے۔ یہ

Marfat.com

تعین ہو چکا ہے اس بات کو مقرر کر دیا گیا ہے کہ خدائے واحد کی ذات الگ ہے۔ نہ خدا بندہ ہو سکتا ہے اور نہ بندہ خدا ہو سکتا ہے۔ غیر اللہ سے میل ملاپ (interaction) اور اتحاد اس مقام پر ناممکن ہے، کیونکہ ''وحدت'' میں ''دوئی'' کو شامل عین گمراہی ہے۔ مخلوق کا وجود اور ان کی زیادتی یعنی کثرت یہ ظاہری چیزیں ہیں اس بات میں کوئی حرج (harm) نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں ظاہراً موجود تو نہیں۔ تو اپنے اندرونِ خانہ دل کے سامنے بیٹھ، اس کے اندر دیکھ وہ تجھے کوئی دوسرا شخص ہی نظر آئے گا۔ تو اس کو دوبارہ دیکھ تا کہ تجھے پتہ چلے کہ وہ عکس کیا ہے نہ وہ یہ ہے اور نہ وہ ہے پھر وہ عکس کس کا ہے؟

جب میں اپنی ذات میں مقید ہو چکا ہوں تو پھر میں نہیں جانتا کہ یہ میرا سایہ کیسے ظاہر ہو گیا۔ عدم (نیستی) ہستی (موجودگی) میں ضم ہو چکا ہے، تو پھر اس کے لیے روشنی اور اندھیرا دونوں برابر ہیں۔ جب کہ ماضی گزر چکا اور مستقبل کے سال اور مہینوں کی حقیقت حال کی نشان دہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک نقطہ پر سب کا انحصار و دارومدار ہے اور تو اسے ایک چشمہ یا نہر کا نام دے سکتا ہے۔ میرے سوا اس صحرا اور جنگل میں دوسرا کون ہے مجھے بتا کہ یہ آواز جو کبھی بندے کے منہ سے نکلتی (emanate) ہے کبھی درخت سے کیا ہے؟ کائنات کی ہر شے فنا ہونے والی ہے اس کے ساتھ ہر شے مل جاتی ہے تو پھر بتا وہ کون ہے جو اپنے آپ سے مل جاتا ہے۔ اجسام اپنے طول وعرض اور گہرائی سے عدم سے وجود میں آتے ہیں اور ظاہر ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ اجسام کی جنس تمام عالم ظاہری کی اصل ہے اور تو یہ سمجھتا ہے غیب (the hidden) کی باتیں جاننے پر پکا ایمان ہوتا ہے۔ خداوند واحد کی ذات کے سوا کوئی الحق نہیں ہے، اگر تو ''أنا الحق'' کے مقام کو پہنچنا چاہتا ہے تو پھر اسے الحق مان ''ھوالحق'' ہے۔ اپنی ذات سے وہم کو دور کر دے تو کسی غیر اللہ (بیگانے) سے اپنے آپ کو آشنا نہ کرے۔

سوال: لوگ مخلوق کو واصل حق سمجھتے ہیں یعنی مخلوق کو واصل بحق کیوں کہتے ہیں؟ اس کو سلوک و سیر کیسے حاصل ہوئی؟ یعنی تصوف کے راستے پر چلنا اور سیر کرنا اسے کیسے حاصل ہوا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ذات سے جب تعلق (connection) استوار (establish) ہو جاتا ہے تو مخلوق سے واسطہ کٹ جاتا ہے اور انسان جب اپنے آپ کو بھول کر اپنی نفی کر دے تو خدا کی پہچان پیدا ہوتی ہے۔ جب ممکن سے واپسی ہوتی ہے تو امکان کی طرف بیگانگی (alienation) ہو جاتی ہے، جز سے واجب کے سوا کوئی چیز رونما نہیں ہوتی۔ دونوں جہاں کا وجود ایک خیال ہے باقی باری تعالیٰ ہے، جہان کے بقا کی صورت وصالِ حق میں زوال کی صورت ہوتی ہے، یہی زوالِ وصل ہے۔ مخلوق سے لگاؤ یک صورت وصل کے مانع ہے، کوئی مردِ کامل یہ بات اپنی زبان پر نہیں لاتا۔

عدم سے کسی کو راہ ہاتھ نہیں آتا بھلا خاک کو ذاتِ حق سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ وہ عدم ہے جس سے حق کا وصل حاصل ہو، اور درست راستہ اور دیدار نصیب ہو۔ تُو عدم اور معدوم دونوں کو یک جا کرنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

واجب معدوم سے کیسے مل سکتا ہے؟ اللہ ذات واجب ہے۔ اگر تیری جان ان مطالب سے آگاہ ہو جائے تو پھر سوائے استغفر اللہ اور کچھ نہیں رکھتا تیرے لیے توبہ (forgiveness) کرنا ہی بہتر ہوگا۔ ہر خوبی حقیقت پر مبنی نہیں ہوتی، حقیقت کیا ہے؟ وہ دونوں جہاں باقی رہنے والے نہیں ہیں، دونوں عالم فانی (mortal) ہیں۔ جن داناؤں (sages) نے اس فن یعنی جوہر کے بارے میں لکھا ہے انہوں نے اس طول و عرض اور گہرائی کی بھی تعریف لکھی ہے۔ سایہ یا عکس کیا ہے؟ معدوم مطلق کے سوا ہر چیز عکس ہے تحقیق شدہ بات یہ ہے عدم و معدوم کا فرق نہ رہے ایک ہو جائیں۔ صورت کا اگر عکس موجود نہ ہو تو وہ بے معنی ہے۔ عکس بھی بغیر تصویر کے ناممکن ہے۔ اصل شکل ہوگی تو عکس بنے گا۔ دونوں جہان میں جسم ان دونوں عدم و معدوم میں ضم نہیں، کیونکہ معدوم کے بغیر کوئی جز میسر نہیں آتی۔

شکل و صورت اور بناوٹ کو اصل جوہر کو بعینہ اسی طرح دیکھ وہ اپنی ذات میں نہ معدوم ہے اور نہ موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے امکان کی طرف دھیان دو وہ اپنی ہستی کے بغیر نقصان ہی نقصان ہے۔ وجود جہان اپنے کمال میں کام کر رہا ہے کسی کام کا تعین کرنا مقرر کرنا ایک قابل بھروسہ امر ہے۔ لیکن قابلِ اعتماد بات موجود نہیں ہے، کیونکہ عدد خواہ ایک ہو تا یا زیادہ وہ محدود ہی ہوتے ہیں۔ دنیاوی زندگی ایک غیر حقیقی (unreal) شے ہے اس میں تمام امور فضول اور کھیل تماشے پر مبنی ہیں۔ چونکہ اپنے نفس کی روشنی اپنے (روح) جسم پر ہوتی ہے لطیف جسم اس سے روشن ہو جاتے ہیں۔ انسان پہلے بچہ ہوتا ہے پھر جوان، پھر بوڑھا اور پھر عمر رسیدہ۔ اسی مناسبت سے وہ علم، رائے اور عقل و فہم اور تدبیر سیکھتا ہے۔ موت اسے خدا سے ملاتی ہے، جو پاک لوگ ہوں پاکیزگی کے مقام پر جو کمتر ہوں مٹی میں جا ملتے ہیں۔ یہ اجزائے عالم اس طرح نہیں ہیں جس طرح قطرہ دریا میں ہی زندہ رہتا ہے ورنہ مٹی میں جذب (absorb) ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ ایک زمانہ جب گزر جاتا ہے تو پھر دوسرا دور شروع ہوتا ہے ہر چیز کا انجام اپنے آغاز کی طرف لوٹتا ہے۔ ہر ایک اپنے مرکز کی طرف رواں ہے، اپنے مرکز کی عادات سے تجاوز (exceed) نہیں کر سکتا۔ وحدت ایک دریا ہے اس سے ہزاروں موجیں بڑے زور و شور سے اٹھتی ہیں۔ تو دیکھ کہ بارش کا ایک قطرہ دریا میں شامل ہو کر کتنی شکلیں اور کتنے نام حاصل کرتا ہے۔ اسی ایک قطرے کے نام ہیں۔ بخارات، بادل، بارش، نمی اور مٹی پھر نباتات، حیوانات اور انسان اور انسان کامل۔ وہ تمام قطرات ہر ایک اپنے اصل کی طرف لوٹتے ہیں اور ہر ایک چیز ایک دوسرے کی مشابہ ہے۔ یہ جہاں، عقل اور نفس، آسمان اور اجرامِ فلکی (heavenly bodies) ان سب کا آغاز اور انجام صرف ایک قطرہ ہے۔ موت (فنا) جب زمین و آسمان اور ستاروں تک پہنچتی ہے تو تمام کی زندگی (ہستی) موت (نیستی) میں گم ہو جاتی ہے۔ جب موج اٹھتی ہے اور اپنا زور دکھاتی ہے تو زمانے کو گھیرے (encircle) میں لے لیتی ہے تو یقین ہو جاتا ہے زمانے کو ہلا کر رکھ دے گی۔

Marfat.com

اچانک یہ خیال موج کی طرح دل میں اٹھتا ہے۔اس جہاں میں ان درودیوار میں اور کائنات میں خدا کے سوا کوئی نہیں ہے۔تو پھر تجھے اس وقت قربت (intimacy) حاصل ہوتی ہے۔اور پھر تو ''توئی'' و ''تو'' کے بغیر اپنے دوست سے واصل ہو جاتا ہے۔اس مقام پر غیر کا خیال دل سے نکال دینے کا نام ہی وصال ہے۔جب غیر کا خیال سامنے سے ہٹ جائے گا تو وصال حاصل ہو جائے گا۔لیکن یہ دیکھا ہے کہ اپنی حد سے نہ گزرے نہ وہ واجب بنے نہ واجب اس کی حد تک آئے۔ہر وہ آدمی جو حقائق سمجھنے میں فوقیت رکھتا ہے تو یہ دل کی کیفیات ہیں۔خواجہ (پیرومرشد) اپنے سامنے ہزاروں جہاں رکھتا ہے، جا تو ان کے اندر داخل ہو اور اپنے آپ کو پہچان۔جُز اور کُل کی بحث سے انسان کی پیدائش سامنے آتی ہے، یعنی تم یہ سمجھ لو کہ وہ ایک کے بعد پیدا اور فنا ہوتا چلا جاتا ہے۔مثال کے طور پر بخارا دریا سے اونچائی پر واقع ہے لیکن خدا کے حکم سے صحرا میں سردی بہت کم ہے۔سورج کی شعاعیں چوتھے آسمان سے جب بخارات پر پڑتی ہیں تو اپنی ایک ترتیب بنا لیتی ہیں۔جب وہاں کے لوگوں اور وہاں کی آب و ہوا (climate) میں ضم ہو جاتی ہے تو پھر زمین سے نباتات (vegetation) اور سبزہ (greenary) اُگتا ہے۔اور وہ سبزہ جانوروں کی غذا میں تبدیل ہو جاتا ہے انسان کھاتے ہیں خداوند تعالیٰ کی تسبیح بیان (extol) کرتے ہیں۔جب بات ایک نقطہ پر پہنچتی ہے اور عادات بدلتے ہیں تو پھر انسان دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔

سوال: ''ممکن'' اور ''واجب'' کے وصال سے کیا مراد ہے؟ یعنی واجب اور ممکن کا ملاپ باہم کیا ہے؟ دور و نزدیک اور کم و بیش کی باتیں کیا ہیں؟

جواب: اے دوست اس کم و بیش (کم زیادہ) کی بات مجھ سے سن تو نے اپنے نزدیک کو اپنے آپ سے دور کر دیا ہے۔(وہ تو تیرے نزدیک ہے۔ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡد) جب ذات عدم میں ظاہر ہوتی ہے تو اس مقام پر کم و بیش (more and less) اور دور و نزدیک (far and near) کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔قریب وہ نہیں ہے کہ جہاں روشنی کی زیادتی ہو نور ہی نور ہو اور دور بھی وہ نہیں ہے کہ اپنی ذات سے بھی دور ہو جائے۔اگر اس کا نور اپنے آپ اس کے فضل سے تجھ تک پہنچے اور تجھے تیری ذات سے بیگانہ (alienate) کر دے۔اس تیرے ہونے یا نہ ہونے کا تجھے کیا فائدہ جب تو خوف اور امید کی منزل پر پہنچ جائے۔وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اسے کوئی پہچانتا یا جانتا نہیں، وہ تو خود اس بچے کی طرح ہو جاتا ہے جو اپنے سایہ سے بھی ڈرتا ہے۔اگر تو اسے کسی ڈیوٹی پر روانہ کر دے (خواجہ کا حکم ہو) تو پھر اسے کسی سواری یا تازیانہ کی ضرورت نہیں ہوتی اس کا سب کچھ ذاتِ واحد ہوتی ہے۔تجھے دوزخ کی آگ سے کیا خوف جب کہ تیری ذات تیری روح اور جان سب پاک و صاف ہے۔جب خالص سونے کو آگ کے اندر ڈالیں گے تو اس کو جب تک جوش نہ آئے گا یعنی ابال نہ آئے گا اس کے اندر کی میل (scum) جل نہیں سکتی۔تیرے سامنے تیری ذات کے

Marfat.com

سوا اور کچھ نہیں تو دو عالم تیرے لیے حجاب (پردہ) بن جائیں گے۔ توئی انسان کو نچلے درجے تک پہنچا دیتی ہے تو خدا کی وحدت کے مقابل آ جاتی ہے۔ زمانے کے درجات کا تعین کرنے کا خبط تجھ پر طاری ہے یہ شیطان کی خوبی ہے کہ تو بھی اسی طرح اپنے آپ کو تلاش کرتا ہے (میں کون ہوں) اس مقام پر انسان یہ کہتا ہے کہ تمام اختیار (powers) میرے پاس ہیں تن و من میری سواری ہے اور میری جاں سوار ہے۔ تن کی باگ ڈور اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تمام تکالیف کا بوجھ خدا پر ڈال دیتا ہے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔ تو یہ نہیں جانتا کہ یہ آتش پرستی (fire-worship) ہے اور یہ سب کچھ تیری ہستی سے سرزد ہوا ہے۔ اے غافل انسان تجھے یہ اختیار کب حاصل ہوا تھا وہ کون ہے باطل سے وابستہ ہے۔ تیرا ہونا یا نہ ہونا سب برابر ہے کیا پھر تو یہ نہیں کہے گا کہ وہ اختیار کیا ہے۔ جس کا وجود یعنی اپنی ذات اپنے اختیار میں نہیں وہ اپنی ذات کے نیک و بد کو کیا سوچے گا۔ تو نے اس جہاں میں کون سی ایسی چیز دیکھ لی ہے کہ بلا غم خوشی سے مدہوش ہوا جا رہا ہے۔

وہ کون ہے جس کی تمام امیدیں پوری ہو کر خوشی کا سبب بنی اور اس کے اندر ہمیشہ رہنے والے کمالات کے گھر کریں۔ مرتبے باقی رہتے ہیں اور اہلِ مرتبہ لوگ اللہ کے حکم کے تابع اور پابند (bound) ہوتے ہیں۔ حق شناس انسان کی ہر جگہ یہ پہچان ہے کہ وہ اپنی حد سے باہر قدم نہیں رکھتا۔ اپنے آپ سے پوچھ کہ یہ قدر و منزلت کیا چیز ہے؟ پھر تو اس بات پر غور کر اہلِ قدر کون لوگ ہوتے ہیں؟ جو شخص شریعت اور طریقت کو الگ چیز سمجھتا ہے نبی پاک ﷺ نے اس کے لیے فرمایا وہ آتش پرست ہے۔ اس طرح کہ وہ آتش پرست یزداں اور ادھر من کہتا ہے، میں اس کو نادان کہتا ہوں وہ مجھے نادان کہتا ہے۔ اس کے خیال میں ہمارے افعال کو ہمارے ساتھ ایک ظاہری نسبت ہے اور یہ حسب و نسب محض ایک کھیل تماشا (child's play) ہے۔ تُو ابھی عدم میں تھا پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ تیرے ذمے کام پہلے ہی الگ چکے تھے، کیونکہ تجھے ایک خاص کام کے لیے مقرر کیا ہے۔ اس دانائے برحق نے اپنی قدرت سے اور اپنے علم کے تحت ایک مطلق حکم صادر کیا ہے۔ تیری جان اور جسم کا تیرے سامنے مقدر ہو چکا ہے اور ان دونوں کے الگ الگ کام مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ایک وہ ہے کہ اس نے ستر ہزار سال اطاعت و فرمانبرداری کی لیکن آخر کار وہ ایسے مقام پر پہنچا کہ لعنت (yoke) کا طوق اس کے گلے میں پڑا۔ لیکن ایک دوسرا تھا کہ جس نے گناہ (sin) کے اندر بھی اس ذات کا نور تلاش کیا تو اس نے توبہ کر لی اور اس کو ذاتِ حق نے چن لیا۔ اصل تعجب کی بات ہے کہ جب اس نے اپنے مقررہ کام کو ترک کیا تو اس ذات کی مہربانی سے محروم و مغفور (bereft) ہو گیا۔ لیکن وہ دوسرا منہیات سے راندہ گیا جب اس نے کیوں کیسے اور کون کی بحث کی۔ جس نے خدا کی کبریائی سے لاپروائی نہیں کی اور خیالی سوچ و بچار سے پاک رہا۔ اے مرد ناداں انسان! ازل سے یہ کیا بات طے تھی ایک محمد ﷺ بنا اور دوسرا ابوجہل بن گیا اور مرتد (apostate) ٹھہرا۔ جس نے بھی خدا کے حضور چوں و چرا کی وہ مشرک ہے اور خدا کے حضور سزا کا حق دار ہے۔ بہترین انسان کو یہ زیب نہیں دیتا

Marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں پر اعتراض کرے اور ان کے اندر نقائص (faults) تلاش کرے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات بابرکات کو تمام کبریائی لائق ہے، دلائل اور اسباب کا تلاش کرنا خدا کا کام نہیں ہے۔ وہ تو بغیر دلیل کے ہر چیز پیدا کرسکتا ہے (لفظ کن سے)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی مہربانی اور قہاریت واجب ہے لیکن بندہ صرف محض مجبور (helpless) اور فقیر محتاج ہے، انسان اپنی کرامت میں بے اختیار (powerless) ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے وہی ہے اس کو اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ کوئی چیز دنیا میں اپنے آپ پیدا نہیں ہوتی اس کے وجود پیدائش کے بعد اس نیک و بد کا سوال کیا جاتا ہے۔ اسے کوئی اختیار نہیں ہے لیکن کام پر لگایا گیا ہے۔ یہ بے چارہ انسان کیا ہے؟ صاحب اختیار بھی ہے اور مجبور بھی۔ نہ اس کے لیے اتنا اندھیرا ہے علم اور انصاف پورا ہو، نہ ظلم اتنا ہے صرف صرف ترے فضل وکرم ہی کا محتاج ہے (بلکہ ان دونوں کے مابین ہے) شریعت میں اس لیے تکلیف اٹھاتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ جب تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکلیف میں عاجز (desperate) ہوجاتا ہے تو پھر اپنے آپ سے باہر نکلتا ہے۔ جب کل کے سفر کے لیے اپنے آپ سے (من) سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے تو پھر تُو اے مرد درویش حق سے مل جاتا ہے۔ اے بیٹے جا اور اپنا آپ جسم و جان سب کچھ قضا کے (destiny) سپرد کردے اور اللہ کی تقدیر پر راضی ہوجا۔

سوال: وہ کون سا سمندر ہے جس کی آواز ساحل پر آتی ہے یعنی وہ ساحل پر آکر بولتا ہے؟ اور اس کی گہرائی سے کون کون سے موتی حاصل ہوتے ہیں؟

جواب: ایک سمندر زندگی ہے اور بولنا کلام کرنا اس کا کنارہ ہے اس کے حروف صدف (oyster)، موتی (pearl) اس کے دل کی عقل اور سمجھ ہے۔ سمندر اپنی ہر موج کے ساتھ ہزار بیش قیمت موتی باہر پھینکتا ہے اور آپ تک منتقل کرتا ہے اور یہ بات قرآنی آیات سے ثابت ہے۔ اس سمندر سے ہر وقت ہزاروں موجیں اٹھتی ہیں لیکن سمندر سے پانی کا ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوتا۔ اس دریائے ہستی میں سے ہی علم کا وجود ہے۔ اس مقام پر جب ہم معانی کی وضاحت کریں گے تو پھر مثال دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہم نے یہ سنا ہے کہ بارش کے مہینے میں صدف سمندر کی تہہ سے پانی کی سطح کے اوپر آجاتی ہے۔ وہ رات کو سمندر کی گہرائی سے اوپر آتی ہے اور پانی کی سطح کے اوپر اپنا منہ کھول دیتی ہے۔ سمندر سے بخارات (vapours) اٹھتے ہیں اور وہ بادل کی شکل بن کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیچے برستے ہیں۔ جب اس صدف کے منہ میں بارش کا قطرہ ٹپکتا ہے تو وہ اپنا منہ بند کرلیتی ہے۔ اور جب اس کا دل بھر جاتا ہے بارش کا قطرہ اس کے اندر آجاتا ہے تو وہ اپنا منہ بند کرکے سمندر کی تہہ میں چلی جاتی ہے اور وہ بارش کا قطرہ ایک موتی بن جاتا ہے۔ پھر سمندر کی گہرائی میں غوطہ خور (divers) جاتے ہیں۔ اور وہ قیمتی موتی باہر نکال لاتے ہیں۔

اے انسان تیرا تن ایک ساحل سمندر ہے اور تیری ہستی سمندر ہے تیری ہستی سے فیض علم اور اسمائے

Marfat.com

باری تعالیٰ کے بخارات اٹھتے ہیں۔ تو عقل اس ذخار (unfathomable) سمندر کی غوطہ خور ہے جس سمندر کے اندر اس کی گدڑی میں ہزاروں موتی چھپے ہوئے ہیں۔ دل علم کی ایک جہت کے مانند ہے اور تیری آواز تیرے علم سے اس صدف کو کام میں لاتی ہے۔ اس سمندر ہستی کے اندر روح بجلی کی چمک کی طرح رواں ہے تو جا اور اس کے حروف کو مطالب کو سننے والوں تک پہنچا۔ صدف کو توڑ اور اس میں سے قیمتی موتی باہر نکال، اس کا چھلکا اتار دے اور بہترین خالص مغز حاصل کر۔ لغت صرف ونحو (grammar) کے ذریعے الفاظ کو کھول کر حروف، الفاظ اور پیراگراف بناتی ہے۔ ہر وہ شخص جس نے اپنی تمام عمر اس میں لگا دی ہے اس کے لیے صرف ایک فضول بحث ہے اس کی عمر ناز ونخرہ میں گزر گئی۔ جا نقل کا سبز چھلکا ہاتھ سے اتار دو کوئی ایسا مغز نہیں جس کا چھلکا نہ اترے۔ ہاں بغیر چھلکے کے ہر بیج کچا ہوتا ہے ظاہری علم سے ہی خالص علم دین حاصل ہوتا ہے۔ اے جاں برادر میری ایک نصیحت مان اور دل و جان سے علم و جان کے اندر کوشش کر۔ ایک صاحبِ علم دونوں جہان میں سرداری (leadership) حاصل کرتا ہے، اگر وہ برائی کے سبب کمتر ہو چکا ہے تو علم کے ذریعے سرداری حاصل کر لیتا ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اندر کے تمام اسرار واضح ہوتے ہیں، بعض اوقات زبانی علم سے لدنی علم (inspired knowledge) بہتر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن وہ کام محض دنیاوی حصول کے لیے ہو تو اس علم کو نہیں پہنچ سکتا جو دل سے علم کیا جائے۔ جسم اور جان کے فرق کو غور سے دیکھ دونوں میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ یہاں پھر تجھے حال اور قال (real and apparent condition) کو سمجھنا ہوگا کہ ظاہر اور زبانی علم کیا ہے؟ روحانی علم کیا ہے؟ اور ان دونوں کی آپس میں نسبت کیا ہے؟

وہ علم نہیں جو صرف دنیا کی طرف مائل کرے، کیونکہ ظاہر صورت میں اندر کے حال کا پتہ نہیں ملتا۔ علم کے حصول کے لیے حرص اور لالچ کو ساتھ نہ ملاؤ، بادشاہ چاہے گا تو کتا خود بخود خاموش ہو جائے گا، اگر علم حقیقی حاصل کیا تو دنیاوی مفاد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ دین کا علم اخلاق کے لحاظ سے انسان کو فرشتہ بنا دیتا ہے، اگر وہ علم دل سے حاصل نہیں کیا تو پھر کتے کی عادات ہو جائیں گے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث پاک بھی تو یہی ہے، اے نیک بخت سن کہ وہ حدیث اس طرح ہے۔ دل کے اندر ایک ایسی صورت پنہاں ہے کہ فرشتہ بھی ضرورت کے وقت بغیر اجازت اندر داخل نہیں ہوتا۔ اپنے دل کے اندر داخل ہو اور اس کے تختہ کو صاف کر پھر فرشتے خود تیرے سامنے منزل رکھیں گے۔ اس سے اپنا علم اور وراثت جو پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے تیرا حق ہے حاصل کر اور اپنی آخرت کی حفاظت کر۔ اللہ کی کتاب کو پڑھ، اپنے نفس اور زمانہ سے سیکھ اور اپنی ذات کو جملہ اخلاقِ حمیدہ (noble manners) سے سجا کر رکھ۔ اخلاق کے اصول، عدل وانصاف، دانائی اور حکمت، پاکبازی (chastity) اور شجاعت سکھاتے ہیں۔ ایک دانا آدمی راست گو، اعلیٰ کردار کا مالک ہوتا ہے اور وہ ان چار صفات سے متصف ہوتا ہے۔ اس کی روح اور دل

Marfat.com

حکمت اور دانائی سے آگاہ ہوتے ہیں، نہ بھیڑیئے (wolf) جیسا ظالم ہوتا ہے نہ بکری کی طرح کمزوردل اور نہ ہی بے وقوف ہوتا ہے۔ اپنی پاک بازی کے سبب وہ اپنی خواہشات نفسانی کو ڈھانپ لیتا ہے اور برائی اس سے نشے کی طرح دور ہو جاتی ہے۔ اس کی بہادری اور پاکیزگی ذلالت اور تکبر سے پاک ہوتی ہے اور بزدلی اور حوصلہ مندی سے اس کی ذات مبرا ہے۔ عدل وانصاف اس کی ذات کی عادت ہو جاتی ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اپنے اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔ تمام اچھے اخلاق کی حد میانہ روی (moderation) ہے، افراط اور تفریط (extremes) سے دور رہتا ہے۔ میانہ روی سیدھا راستہ ہے۔ دونوں طرف سے زیادتی ہو یا کمی، دوزخ کی گہرائی کی طرف لے جاتی ہے۔ تلوار اور بال اپنی تیزی اور باریکی میں اپنی مثال نہیں رکھتے، چہرے پر چھانے اور کاٹنے میں ان کو دیر نہیں لگتی۔ عدل وانصاف اپنے اضداد اپنی ضدوں میں صرف ایک ہے اور اضداد تعداد میں سات ہیں جو عدل وانصاف کے خلاف ہیں۔ ہر عدد کے اندر ایک راز چھپا ہے اور دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں۔ اس طرح کہ دوزخ ظلم سے ملتا ہے اور بہشت عدل وانصاف سے حاصل ہوتی ہے۔ عدل وانصاف کا بدلہ نور ہدایت اور رحمت پروردگار ہے اور ظلم کے بدلے گمراہی اور لعن طعن حاصل ہوگی۔ نیکی کا ظہور صرف اعتدال (restraint) میں ہے عدالت جسم کے لیے بہت بڑا کمال ہے۔ دو چیزوں کو ملانا وہ ہے کہ ملنے کے بعد دونوں میں تمیز نہ رہے، اور اس کے اجزا کے کام اور شکل میں فرق نہ رہے۔ بسیط اس ذات کی مانند ہے جو کسی سے ملا ہوا نہیں اور بہت وسیع ہے ان دونوں کے درمیان علم ایک پیوند کی صورت ہوگی۔ اجزا کے ذریعے ان کا پیوند درست نہیں ہے کیونکہ روح تو جسم سے پاک ہے اس لیے اس کو روحانی ملاپ (spiritual interaction) کی ضرورت ہے۔ جب پانی اور مٹی پوری طرح صاف ہو جائیں تو وہ ذاتِ حق تک رسائی (access) حاصل کر لیتے ہیں اور یہ ان میں اضافی صفت ہے۔ جب اجزا کی حالت یہاں تک پہنچ جائے وہ فروغ عالم کی کیفیت حاصل کر لیں۔ نورِ حق کی شعاع جسم میں اس طرح داخل ہوتی ہے جس طرح سورج کی روشنی زمین پر پڑتی ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ اگرچہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اس کی روشنی کی کرنیں زمین پر پڑتی ہیں اور زمین کو اس کا مفاد (benefit) ہوتا ہے۔ سورج کا عناصر کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ جتنے سیارے ہیں گرم سرد خشک اور تر نہیں۔ تمام عناصر اربعہ اسی سے گرم، سرد، خشک اور تر ہوتے ہیں اور یہ زراعت اور سبزہ بھی اگاتا ہے۔ وہ سورج کا حکم ایک عادل بادشاہ کی طرح مانتے ہیں نہ وہ اپنے اندر کوئی چیز داخل کرنے کو کہہ سکتے ہیں نہ خارج کرنے کو۔ چونکہ تمام ارکان میں تبدیلی نہایت عدل سے ہوتی ہے۔ گویا کھیتی اس کے ایک سانس کی جنبش کی محتاج (need) ہے۔ ظاہری میل ملاپ ہی حقیقی ملاپ کا سبب بنتا ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات کے سوا معشوق کون ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی خدائی کے اندر تو کسی کی شرکت نہیں ہے۔ انسان کے دل میں خواہشات کہاں نہیں کبھی کبھی باطل سے بھی حق حاصل ہو جاتا ہے۔ حق کو پہچاننے والوں کی مثال ہر جگہ مل

Marfat.com

جاتی ہے کیونکہ وہ اپنی حد سے باہر قدم نہیں رکھتے۔حق دراصل حق کا لباس پہننے والوں کے اندر ہوتا ہے، اگر باطل کا لباس پہن کر عادات بری اختیار کر کے حق کا دعویٰ (claim) کرے تو یہ شیطان کا کام ہے۔

سوال: وہ کون سا جُز ہے جو اپنے کل سے بھی اونچا ہے اور اس کو تلاش کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟

جواب: اس جُز کا وجود سمجھ لے جو کُل سے افضل ہے کُل موجود ہے لیکن جز پھر بھی موجود ہے۔ بیرونی کثرت وجود کے لیے موجود ہے بیرونی طور پر کثرت میں معلوم ہوتا ہے اندر سے ایک ہے۔کُل وجود اپنی کثرت سے ظاہر ہے کیونکہ وہ جُز کی وحدت سے ہی بنا ہے۔کُل کا دراصل کوئی وجود نہ تھا وہ اپنے جُز کی کثرت سے کُل واحد بنا، اس کا کُل ہونا عارضی ہے۔چونکہ ظاہری صورت میں کُل بہت سی چیزیں مل کر بنتا ہے لیکن اپنے جُز کی مقدار سے اس کا درجہ کم ہو جاتا ہے۔جُز کی زندگی اس طرح نہیں بنتی کہ زندگی اسے اپنا زبردستی ماتحت بنا لے۔کُل کا وجود واحد کی کثرت سے بنا ہے کثیر اپنی وحدت کے سبب کثرت میں ظاہر ہے۔زندگی اس لیے ظاہر ہے وہ اجتماعی ہے موجود اپنے عدم اور مساعی بالذات میں مصروف ہے۔ ہر وہ جُز جو کُل سے نہ منسلک ہو اس کا کُل بھی نہیں بن سکتا۔یہ سارا جہاں کل ہے اور باقی سارا سب کچھ آنکھ جھپکنے (in the twinkling of an eye) میں فنا ہونے والا ہے دونوں جہاں میں کوئی چیز باقی رہنے والی نہیں ہے۔ یہ جہاں دوبارہ پیدا (rebirth) ہوگا ہر لحظہ میں زمین و آسمان پیدا ہوں گے۔ ہر گھڑی جوان، بڑے اور بوڑھے سب کا ہر وقت حشر نشر (حساب کتاب) ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو دو گھڑی میں پیدا ہوئی اگلے ہی لمحے وہ ختم ہو کر دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے، ایک جاتا ہے دوسرا آتا ہے۔لیکن سب سے بڑی عجیب گھڑی یہ نہیں ہے بلکہ یہ یومِ عمل یعنی عمل کا دن اور وہ اگلا یوم حساب (the Judgement Day) ہے۔لیکن ابھی تک اس دن اور اس دن کے درمیان بہت فاصلہ ہے فرق ہے تو اپنے آپ کو دھوکے (deception) میں نہ رکھ۔اس کے اجمال اور تفصیل پر نظر ڈال اور اپنی آنکھیں کھول اور ان روز و شب اس گھڑی اور سال مہینوں پر نظر ڈال۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس کا مطلب سمجھے تو تیرے سامنے بھی موت اور زندگانی موجود ہے۔اس ایک زندگی کے نقصان سے سارا جہاں زیرو بالا ہو جائے گا اس کی مثال تیرے جسم و جان سے ظاہر ہے۔ یہ تیری مثال ہے کہ تو ایک مقرر شخص ہے تو اس کے لیے جان کی مانند ہے اور وہ تیرا جسم ہے۔انسان پر تین طرح سے موت آتی ہے، ایک ہر گھڑی انسان مرتا ہے اور زندہ ہوتا ہے اور دوسرے اس کے ذاتی حالات اور اس کے مطابق۔دوسری موت اختیاری (voluntary) ہے تو اسے خود قبول کرتا ہے اور تیسری قسم مرنا جو خدا کی طرف سے آتی ہے اور یہ موت بے قراری کی موت ہے۔ جب زندگی اور موت دونوں مقابل آتی ہیں تو پھر تیری زندگی تین منازل میں سے گزرتی ہے۔اس جہاں میں مرگ اختیاری نہیں ہے کیونکہ ان سب کو تمام جہانوں میں تو ہی رکھنے والا ہے۔لیکن حالات ہر گھڑی بدلتے رہتے ہیں جب انسان آخر میں پہنچتا ہے تو پھر پہلے جیسا ہو جاتا ہے۔وہ آگ جو حشر میں ظاہر ہوگی تیرے لیے وہ نزع

Marfat.com

(death throes) کے وقت ہی آشکار ہو جائے گی۔ تیرا جسم زمین ہے اور تیرا سر آسمان، تیرے حواس ستارے اور سورج تیری جان ہے۔ تیری ہڈیاں ایک پہاڑ کی مانند ہیں کیونکہ وہ سخت ہیں اور آخر تک پڑی رہتی ہیں، پودے تیرے بال اور تیرا اردگرد درخت کی مانند ہے۔ تیرا بدن مرتے وقت ندامت (repentance) اور شرمندگی (embarrassment) سے اس طرح کانپے گا جیسے زمین قیامت کے دن لرز رہی ہوگی۔ دماغ پریشان حال اور جان سیاہ ہوگی اور حواس ستاروں کی طرح بکھری ہوئی پریشان ہوگی۔ تیرے مسام دریا کی سی عادت اختیار کرلیں گے تو ان میں بلا رکاوٹ غرق ہوتا جائے گا۔ اے مسکین آدمی تو اپنی جان سے بخیل ہو جائے گا۔ تیری سستی (indolence) کے سبب تیری ہڈیاں رنگین اون کی طرح ہو جائیں گی۔ آپس میں اس طرح ملے ہوں گے کہ پنڈلی سے پنڈلی ملی ہوگی ہر ایک جُز دوسرے سے جڑا ہوگا لیکن ہر ایک دوسرے سے بے خبر ہوگا۔ جب روح اپنے کُل سے کُلیت ختم کرکے جدا ہوگی تو تیری زمین پر صف در صف باغ کے پودوں کی طرح قطار در قطار کھڑے ہوں گے اور کسی کو نہیں دیکھ رہے ہوں گے۔ سارے عالم کا حال ایسی صورت اختیار کر چکا ہوگا کہ تو صرف اپنے آپ کو ہی دیکھے گا۔ بقا (stability) صرف حق تعالیٰ کی ذات کو ہے باقی سب فانی ہیں اور اس کا پورا بیان قرآن مجید میں (سبع المثانی) یعنی سورہ فاتحہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''جو پیدا ہوا ہے سب فنا ہونے والا ہے'' اور ''پھر نئے سرے (anew) سے پیدائش ہوگی'' جس کو ہم ظاہر کریں گے۔ یہاں دونوں جہانوں کی پیدائش اور خاتمہ بتایا ہے جس طرح مخلوق کو آدم کی بعثت سے پیدا کیا گیا۔ ہمیشہ ایک مخلوق سے دوسری مخلوق پیدا ہوئی ہے بے شک یہ ایک سلسلہ لمبی مدت سے ہے۔ سارے جہاں پر حق تعالیٰ کی ذات کا فیض جاری ہے اور اپنے شان کے ساتھ تجلی فرمائے ہوئے ہے۔ اس طرف اس جہاں میں ایجاد کی تکمیل ہو چکی حضور ﷺ کے ساتھ لیکن اس جہاں میں ہر لحظہ تبدیلی ہوتی ہے۔ لیکن دنیا جب گزر جائے گی پھر اگلے جہاں میں جو باقی رہنے والا ہے۔ ہر چیز کی ضرورت دیکھی جاتی ہے دونوں جہاں حقیقی اور ظاہری دونوں صورتیں رکھتے ہیں۔ پہلا وصال (meeting) جو دنیا سے ہوا وہ اصل میں فراق (parting) ہے دوسرا وصال اللہ سے ہوگا جو باقی ہے۔ مظاہر ظاہری مطابقت کے لحاظ سے جس طرح پہلے نظر آتا تھا آخر تک اسی طرح رہا۔ بقا وجود کے نام کو ہے لیکن جان جس پر ہر چیز کا دارومدار ہے وہ ٹھہری ہوئی ہے۔ ہر تپش وہ ہے جو اپنی طاقت سے اس دنیا میں اپنے عمل سے آتی ہے آہستہ آہستہ لیکن اس جہان میں وہ ایک ہی بار ظاہر ہو جاتی ہے۔ ہر وہ کام جو سب سے پہلے کیا جاتا ہے اس پر دوبارہ بھی کرنے پر قادر ہے۔ ہر دفعہ نفع ہو یا نقصان ہر صورت میں تیرے نفس کے اندر کوئی چیز ضرور اٹھتی ہے وہ اس میں چھپی ہوئی ہے۔ ایک عادت حالات کے مطابق آہستہ آہستہ وہ اس کے دماغ کا حصہ یعنی عادت بن جاتی ہے کیونکہ پھول اپنی مدت پوری کرنے کے بعد خوشبو (fragrance) پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان اپنے کاموں کا پیشے کا ڈھنگ سیکھتا ہے اور اسی ترکیب سے تمام تحفظات (concerns)

Marfat.com

کی نگرانی کرتا ہے۔ وہ تمام اعمال وافعال اور باتیں جو چھوڑ دی گئیں قیامت کے دن سب ظاہر ہو جائیں گی۔ جب تو اپنے جسم کو کپڑے سے آزاد کر کے برہنہ کرے گا(lay bare) تو تیرے اندر کی تمام خوبیاں اور برائیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ تیرا جسم صاف ہے اس میں کوئی میل نہیں ہے اس میں ہر چیز ایسے نظر آتی ہے جیسے پانی سے شکل نظر آتی ہے۔ پھر تمام بھید ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس وقت یہ آیت صادق آتی (hold water) ہے۔ ''تُبلی السَّرَائِر'' یعنی بھید ظاہر ہو جائیں گے۔ دوبارہ جب دونوں عالم اکٹھے ہوں گے تو تیرے یہ اخلاق، جسم اور انسانوں کی شکل اختیار کرلیں گے۔ وہ اس طرح کہ اربعہ عناصر کی قوت سے اس مقام پر تین قسم کی پیدائش ہوگی۔ تیرے تمام اخلاق اس جہان میں کبھی روشنی بن جائیں گے اور کبھی دریا۔ زندگی سے یہ بلندی کا تعین ہوتا ہے ظاہر میں کوئی نیچے اوپر یا کم زیادہ نہیں ہوتی۔ اس حیوانات کی دنیا میں تیری موت نہیں ہوتی بلکہ تو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ تیرے پاؤں، سر اور آنکھیں دل کی طرح اندھیرے سے صاف ہو جاتی ہیں جیسے مٹی۔

حق تعالیٰ کے انوار وتجلیات تجھ پر وارد ہوتے (occur to) ہیں اور تو ہر طرف حق تعالیٰ کی ذات کا دیدار کرسکتا ہے۔ جب تو دونوں جہان پر ان انوار تجلیات کو استعمال کرے گا تو پھر میں نہیں جانتا کہ تیرے اندر کیا کیا مستیاں پیدا ہوں گی۔ (سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ) ''ان کو رب پلاتا ہے'' اور وہ کیا ہے ذرا اس پر غور کر کہ وہ ''طهورا'' پاک شراب تیرے اندر کیا اثرات (effects) پیدا کرتی ہے۔ کبھی وہ پینے کی چیز بنتی ہے کبھی لذت حاصل ہوتی ہے کبھی تیرا شوق پورا ہوتا ہے کبھی تو حیران ہو جاتا ہے اور کبھی تجھے دولت شوق حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ وقت کیسا اچھا ہوگا میں اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاؤں اور ہر چیز سے بے نیاز ہو کر خالص اللہ کا بندہ بن جاؤں یعنی درویش۔ نہ کوئی راستہ، نہ عقل نہ تقویٰ نہ سمجھ، گرا ہوا اور حیران و پریشان، خاک بسر، پھر اس حالت میں بہشت اور حورانِ بہشت کی وہاں کوئی اہمیت نہیں از خلوت یعنی علیحدگی (seclusion) میں کسی دوسرے کی گنجائش (room) نہیں صرف وہی ذات واحد ہوگی۔ چونکہ وہ وہاں کھانے پینے دیکھنے سے دور ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ اب کیا چاہتا ہے۔ ہر قسم مستی بے خودی کے جو کچھ میسر ہوا سے نشہ ہی رہتا ہے اس طرح اس کا دل ایک دفعہ خوں ہو جاتا ہے۔

سوال: قدیم اور محدث کس طرح آپس سے جدا ہوئے کہ ایک خدا ہو گیا اور دوسرا عالم؟

جواب: قدیم (خالق) اور محدث (مخلوق) دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں کہ صرف خدا کی ذات باقی ہے اور کسی کو بقا نہیں ہے۔ سب کچھ وہی ہے یہ عنقا(phoenix) (خیالی پرندہ) کی مانند ہے۔ حق تعالیٰ کے سوا تمام نام بے نام ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ عدم موجود ہے یہ ناممکن ہے، اس کا وجود ایک ہستی ہونے کے سبب دائمی ہے اس کو زوال نہیں ہے۔ نہ وہ عدم ہو سکتا ہے یہ وہ ہو سکتا ہے اور تمام اشکال تیرے

Marfat.com

اوپر لگا دے یہ اسے آسان ہے۔ یہ جہاں بذات خود سب اسی کے حکم سے قائم ہے جیسے پورے دور (دائرہ) میں ایک نقطہ سب کا مرکز ہے۔ اس ایک نقطہ کی طرف دیکھ اگر آگ بن جائے، تُو دیکھے گا دائرہ کتنی سرعت (pace) سے گھومتا ہے۔ ایک کو اگر مجبوراً گنتی میں لے آئیں تو مجبوراً ایک دوسرے اعداد سے دور نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے مطابق ''ماسواء اللہ'' یعنی ''کہ اللہ کے سوا'' کو چھوڑ دے اور اپنی عقل سے بھلا دے ان دونوں کو الگ کر۔ اس میں کوئی شک نہیں ہوگا کہ یہ بات ایک خیال ہے کیونکہ وحدت کے اندر دوئی ناممکن ہے۔ عدم ایک ذات کی مانند ہے، صرف اور صرف ایک ہے تمام کثرتیں اس کی نسبت سے وجود میں آئی ہیں۔ ظہور اور ان کثرت کا اختلاف یہ اس جہان امکان کا رنگ رنگ کا ہونا ہے۔ ہر ایک کا وجود چونکہ اکیلا ہے ایک ہے یہی بات خداوند تعالیٰ کی ذات کی وحدانیت کی گواہ ہے۔

سوال: عارف کے نزدیک چشم ولب سے کیا مراد ہے؟ یعنی صاحبِ علم لوگ اس سے کیا مطلب لیتے ہیں کہ وہ حسب نسب اور آنکھوں کی طرف دیکھتے ہیں اور ان زلفوں، چہرے کے خط وخال میں کیا ڈھونڈتے ہیں؟ جب کہ سب کچھ اس کے اندر ہی موجود ہوتا ہے۔

جواب: جو چیز بھی اس دنیا میں ہے وہ سب ظاہر ہے اور یہ سب اس جہان کے آفتاب کا عکس ہے۔ وہ جہان ایسا ہے کہ اس کا چہرہ زلفیں اور ابرو اور رخسار کا تل (mole) بلکہ اس کی ہر چیز اپنی جگہ اچھی ہے۔ کبھی اس کی تجلی اس کے ظاہر سے ہوتی ہے اور کبھی اندر سے، اس کی مثال اس کا چہرہ اور زلفیں (tresses; locks) ایک مثال ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات کی صفات میں اس کی مہربانی اور اس کا غضب بھی شامل ہے خوبصورت لوگوں میں زلفیں اور چہرہ اس کی مہربانی سے دوبالا ہوتا ہے۔ جب یہ سنے ہوئے الفاظ محسوس ہوتے ہیں تو سب سے پہلے اس موضوع کو احساس کے لیے حاصل کرتا ہے۔ اس حقیقی جہان کی انتہا نہیں ہے اس کے اندر تم آخر کی بات نہیں دیکھو گے۔ اس کو ہر صورت دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس کی بات لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی۔ جب اہلِ دل لوگ اس کی تفسیر و وضاحت کرتے ہیں تو وہ اس معنی میں ان کی وضاحت کرتے ہیں۔ کہ اس جہان کی ہر محسوس ہونے والی شے ایک سایہ کی مانند ہے اگر یہ بچہ تو وہ اس کو پالنے والی دایہ ہے۔ میرے علم کے مطابق میرے پاس سوال کرنے کے الفاظ نہیں ہیں جو اس کو اس کے حقیقی پہلو دے سکیں۔ اس کے خصوصی محسوسات کو عام معنوں میں وہ کیا جانے وہ معنی کون سے ہیں۔ جب لوگ عقل کے جہاں پر نظر ڈالتے ہیں وہاں اس کی مہربانیاں دیکھتے ہیں۔ اور عقل مند نسبت کو دیکھتا ہے جب لفظ کی نسبت سے معنی اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن کلی مشابہت (similarity) ممکن نہیں ہے اس کی تلاش میں وہ آخر حیران ہو کر ٹھہر جاتا ہے۔ کسی کو تیرے سمجھنے میں تجھ سے بڑائی نہیں اور مذہب کے عالم لوگ اس مقام پر سچے نہیں ہیں یعنی حق پر نہیں ہیں۔ لیکن خودی تک ابھی نہیں، ابھی نہیں، تاحال شریعت کو ضرور سامنے رکھ کر چل۔ اہل دل حضرات شریعت سے الگ نہیں،

Marfat.com

ماسوائے حالت سکر، حالت فنافی اللہ۔ اس کے علاوہ کسی حالت میں نہیں۔ جو شخص ان تین حالتوں کو جانتا ہے وہ الفاظ اور دلائل کو بھی سمجھتا ہے اور جانتا ہے۔ اگر تجھے حاجات کی ادائیگی کا علم نہیں تو بلا سوچے سمجھے کسی کی تقلید کر کے کافر نہ بن کسی کے پیچھے نہ چل۔ حقیقی حالات فرضی (feigned) یا جعلی (fake) نہیں ہوتے کیونکہ ہر آدمی طریقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اہل تحقیق لوگوں سے کبھی بے ہودہ بات سرزد نہیں ہوتی یا تو ان کا کشف ہوتا ہے یا تحقیق و تصدیق (confirmation) سے بات کرتے ہیں۔ الفاظ و معانی کی اصل شکل و صورت میں تجھے بتا رہا ہوں تجھ سے یہ راز چھپا ہوا ہے اگر تو چاہتا ہے تو جان لے۔ اپنی غرض کے لیے معانی پر غور کر اور جو ضروری امور ہیں ان کا خیال رکھ۔ اگر کوئی خاص وجہ ہو تو اسے دوسرے کے ساتھ تشبیہہ ورنہ دوسری وجوہات میں اسے پاک و صاف تصور کر۔ چونکہ یہ قاعدہ کلیہ مقرر ہو چکا ہے لہذا میں اس کی چند مثالیں اور دیتا ہوں۔ تو یہ بات غور سے دیکھ کہ معشوق کی آنکھ سے کیا ظاہر ہوتا ہے اس مقام پر ضروری باتوں کا خیال رکھتے ہوئے سوچ۔ اس کی آنکھوں سے بیماری اور شراف دید کی مستی طلب کر تو پھر معشوق کے لبوں سے اصل زندگی عیاں ہوگی۔ اس کی (محبوب کی) آنکھوں میں دل نشہ دید میں مست ہو جاتا ہے اور اپنے لبوں سے جان کو ڈھانپ لیتا ہے جان پردے میں چلی جاتی ہے۔ محبوب کی نگاہیں دل اور جگر پھاڑ کر رکھ دیتی ہیں لیکن اس کے لب بیمار عشق کی جان کو شفا عطا کرتے ہیں۔ محبوب کی آنکھوں میں بے شک سارا جہاں نہیں سماتا اور لبوں سے ہر وقت محبت اور مہربانی بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی لوگوں کے دلوں کو محبت سے نوازتا (bless) ہے کبھی مجبور اور ناچار لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ کبھی اپنی شوخی (شرارت) سے مٹی اور پانی میں جان ڈال دیتا ہے اور اپنے ایک پھونک سے آسمان کو آگ لگا دیتا ہے۔ محبوب اپنی ایک ادائے ناز سے زندگی کو تباہ کر سکتا ہے لبوں کا ایک بوسہ عطا کر کے زندگی کی عمارت (edifice) پھر کھڑی کر دیتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے نشہ سے میرا خون ہمیشہ جوش میں رہتا ہے اور اس کے لبوں کے نشہ سے میری جان ہمیشہ بے ہوش رہتی ہے۔

اس کی آنکھ ایک ادا سے میرا دل نکال لیتی ہے۔ اور ایک ادائے دل ربائی سے میری جان کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ چونکہ اس کی آنکھوں اور لبوں سے ندی کا ایک کنارہ نظر آتا ہے، بلکہ جو کہہ سکتے ہیں کہ ایک طرف انکار (negation) ہوتا ہے تو دوسری طرف اقرار (affirmation) یعنی (ہاں) ہوتی ہے۔ محبوب کی دونوں آنکھوں میں زندگی تمام نہیں ہے تو پھر زندگی کا خواب پھر ان سے کیسے پورا ہوگا۔ وہ اپنی ایک ادا سے سارے جہاں کے کام سنوارتا ہے اور ایک بوسہ سے ہر لمحہ جام عطا کرتا ہے اس کی ایک ادا پر میں اپنی جان دے دیتا ہوں اور پھر ایک بوسہ سے زندگی دوبارہ قائم ہو جاتی ہے۔ اس ذات کی آنکھ کے ایک اشارہ سے جہاں پیدا ہوا۔ جب اس کی آنکھ اور لبوں کے بارے میں ہی لوگ سوچتے ہیں تو سارے جہاں نے اسی کو پوجنا (adore) شروع کر دیا ہے۔ ہمارا وجود سارے کا سارا شراب کی مستی میں مست ہے یا یہ ایک خواب ہے لہذا اس خاک کی نسبت

Marfat.com

(relation; connection)اس ذاتِ واحد سے ہے۔ عقل اس بات پر سو دفعہ خوش ہے کہ اس نے ''وَلِتُصنَعَ عَلٰی عَینِی '' کیوں فرمایا، یعنی میں نے اسے دیکھنے کے لیے بتایا ہے۔ محبوب کی زلفوں کی بات بہت لمبی ہے تو اس سے کیوں پوچھتا ہے وہ تو ایک راز کی جگہ ہے جہاں محبوب اور محبّ کے سوا کوئی نہیں۔ تو مجھ سے اس خم دار زلف کے بارے میں نہ پوچھ وہ زنجیر وصل کے وقت ملنے نہیں دیتی۔ اس کے قد کے بارے میں سچی بات کہوں یہ تو کل کی بات ہے اس کی زلفوں نے ایک بھید کی بات مجھے بتائی کہ ان کے نیچے چھپ جا۔ کبھی اس کا سچ کہنا بھی اس کو غالب کردیتا ہے لیکن اس وقت جب طالب کے راستے میں کوئی رکاوٹ(impediment) ہو۔ تمام دل مسلسل اسی کے ہو کر رہ گئے اور سب جانیں اسی کی تابع اور پیروی کرنے والی ہیں۔ ہر طرف ہزاروں دل لٹکے ہوئے ہیں لیکن کوئی بھی ان زلفوں کے حلقہ سے باہر نہیں ہے۔ اگر وہ مشک بار(fragrant) زلفیں کھل جائیں اور عالم کو گھیرے میں لے لیں تو پھر پورے عالم میں کوئی کافر نہ بنے گا۔ اور اگر وہ انہیں ہمیشہ کے لیے ساکن چھوڑ دیں تو جہان میں ذی روح بھی مومن (صاحبِ ایمان) نہ رہے گا۔ اگر اس حلقہ میں کوئی فتنہ (trouble) اٹھ کھڑا ہو تو وہ اپنے ایک غمزہ (شوخی) سے سر تن سے جدا کر دیتا ہے۔ اگر اس کی زلفیں کٹ گئیں تو یہ غم کی کون سی بات ہے اگر رات کم ہوگئی تو وہ اسے دن میں بھی بڑھا سکتا ہے۔

اگر انسان اس بات کو عقل کے ذریعے سوچنے لگا تو پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اُن پر گرہ لگادی۔ اس کی زلفیں ایک لحظہ بھی چین سے نہیں رہتی کبھی چھت کے اوپر ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی شام کر دیتی ہیں یعنی کبھی اُٹھ جاتی ہیں کبھی چہرے پر چھا جاتی ہیں اور شام کر دیتی ہیں۔ وہ اپنی زلفوں سے سیکڑوں دن رات پیدا کرتا ہے کبھی وہ بازی گروں کے سے کھیل بپا کرتا ہے۔ آدم کی مٹی اُس وقت نشہ میں مخمور ہوگئی جب اُس نے اپنی زلف کی خوشبو اس کو عطا فرمائی۔ اُس نے میرے دِل کو اپنی زلفوں کا ٹارگٹ بنایا ہے خود بھی ایک لمحہ ساکن نہیں رہتی۔ اُن سے ہر لمحہ سارے جہاں کے کام چلتے ہیں، لیکن اپنی جان فکر مند ہوں۔ اس طرح میرا دِل اُس کی زلفوں سے پریشان ہے کیونکہ اُس کے دِل کو اس کے چہرہ پر مرکوز رکھنا آگ کے برابر ہے۔ اس مقام پر محبوب کا چہرہ حسن خدائی کا مظہر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے چہرہ سے مراد ہی ذات کبریا ہے۔ اس کا چہرہ انور نیکی کی علامت ہے کیونکہ اس کی ذات کے سوا میری کوئی خوبصورتی نہیں ہے۔ یہ نشان تمام جہان کی آبادی کا سبب ہے اور اس طرح اس کا نام دارِ حیواں رکھ دیا ہے۔ اُس کی زلفوں سے دن رات پیدا ہوتے ہیں اور اس کے نشان سے ہمیشہ کی زندگی طلب کر۔ خضر کا لامکاں سے تعلق ہے اُس کے نشان سے زندگانی کا پانی یعنی آبِ حیات حاصل کر۔ اگر اُس کے چہرے اور خط کو دیکھے گا تو بلا شک وحدت سے کثرت کا ہونا تُو فوراً سمجھ جائے گا۔ اُس کی زلف سے سارے جہاں کا کام جان لے تو نشانِ خط سے تمام خفیہ اسرار بھی جان لے گا۔ لیکن اُس کا چہرہ سبع مثانی یعنی سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے کہ ہر حرف معانی کا سمندر ہے۔ اس کی زلفوں کے ہر بال کے نیچے ہزار ہا علوم کے سمندر چھپے

Marfat.com

ہیں یعنی عالمِ راز کے سمندر۔ ہر دل کو اللہ تعالیٰ کا عرش تصور کر اور اُس کے نشان خط کو محبوب کا خوبصورت چہرہ تصور کر۔ اُس چہرہ پر تل کا نشان بہت وسیع ہے اور وہ تمام جہاں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی ذات کا خط دونوں جہاں کو گھیرے ہے اور اسی کے نشان سے آدم کا نفس اور دل ہے۔ اس حالت میں وہ زخمی دل تباہ ہو گیا یہ سب کچھ اُس خال سیاہ کا عکس ہے۔ اُس کے خال (چہرے کا تل) سے دل کے زخمی ہونے کے سوا چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس منزل پر جا کر سالک باہر نہیں نکل سکتا۔ وحدت کے اندر کثرت داخل نہیں ہو سکتی کیونکہ وحدت کے اندر دوئی کا نقطہ نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے چہرہ کا خال میرے دل کا عکس ہے یا میرا دل اُس خوبصورت چہرہ کے خال کا عکس ہے۔ اس کے خال کے عکس سے دل پیدا ہوا ہے، یا میرے دل کا عکس اُس مقام پر ظاہر ہو گیا ہے۔ میرا دل اُس کے چہرہ کے اندر ہے وہ میرے دل میں ہے، یہ راز بڑا مشکل ہے جو مجھ سے تا حال چھپا ہوا ہے۔ اگر میرا دل اُس خال کا عکس ہے تو پھر اس کی حالت مختلف کیوں ہے۔ کبھی اس کی مخمور آنکھ سے شرابی اور مست ہے اور اس کی زلف کی طرح بے قرار ہے۔ کبھی اس کے چاند سے چہرے کی روشن ہے اور کبھی اُس کے چہرے کے سیاہ تل کی طرح سیاہ ہے۔ کبھی مسجد میں جا بیٹھتا ہے اور کبھی یہودی نظر آتا ہے۔ کبھی دوزخ کا رُخ اختیار کرتا ہے اور کبھی بہشت کی طرف رواں ہے۔ کبھی ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر لامکاں تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی مٹی کے ڈھیر کے نیچے گر پڑتا ہے۔ کبھی وہ اپنے زہد، تقویٰ و ورع اور پرہیز گاری میں مشغول ہوتا ہے اور کبھی شراب، شمع اور معشوق کا طالب نظر آتا ہے۔

سوال: شراب، روشنی اور معشوق یہ کیا ہیں؟ اور پھر شرابی بن جانا یہ کون سا دعویٰ ہے؟

جواب: شمع اور معشوق کے معانی صاف ظاہر ہیں شمع (روشنی) اور نورِ عرفان (محبوب) کے حوالے سے اپنی پہچان کرواتا ہے کیونکہ ہر صورت شکل میں خدائے پاک کی تجلی موجود ہے۔ سوال میں شراب کا بھی ذکر ہے شراب (نشہ)، شمع (روشنی) اور نورِ عرفان شاہد (محبوب) کے اندر دیکھ صاف ظاہر نظر آئے گا۔ شراب یہاں شیشہ اور شمع پینے والا پیالہ ہے یعنی صبوح ہے اور شاہد رُوح کے نور کو فروغ دیتا ہے۔ شاہد سے ہر موسیٰ کا دل شرر پکڑتا ہے اور اُس شراب سے مراد وہ آگ اور شمع وہ درخت ہے جس سے آگ نکلی تھی۔ شراب، شمع اور جام اسرارِ معراج کا نور ہے دل اُن سب آیات کبریٰ کا شاہد محبوب ہے۔ شراب بے خودی کچھ مدت پی لے اور اپنے آپ سے چھٹکارہ پالے۔ شراب خودی پی تاکہ تو اپنے نفس سے رہائی حاصل کر لے اور تو ایک قطرہ ہے دریا میں پہنچ جا، مئے بے خودی پی کہ اُس کا جام محبوب کا چہرہ ہے تیری آنکھوں کا پیالہ بادہ خوار کے جام سے مست ہے۔ اُس شراب کو بغیر ساغر و مینا کے طلب کر، شرابی پیتا ہے اور ساقی پلاتا ہے۔ نشہ دیدار کی شراب اُس باقی رہنے والی ذات کے چہرہ کے جام سے پی، کیونکہ وہ خود دیتا ہے یعنی اُن کو اُن کا رب پلاتا ہے اور وہی ساقی ہے۔

(شراب خور ز جام وجه باقی . "سَقَاهُمْ رَبُّهُم" او ر است ساقی)

اس میں پاکیزگی یہ ہے کہ اپنی ہستی کو ملا کر تو پاکیزگی حاصل کر لے گا جب شراب کی مستی چھائے گی

Marfat.com

دیدار کی (وصل کی) شراب پی اور اپنے آپ کو موسمی اثرات سے چھٹکارہ دلا، اس شراب کی مستی نیک لوگوں سے بہتر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے دُور جا گرتا ہے اس کے لیے اندھیرے کا پردہ روشنی سے بہتر ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کو اندھیرے سے بے شمار مفاد حاصل ہوئے اور ابلیس روشنی میں رہا اور ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گیا۔ اگر تو اپنے دل کے آئینے کو سامنے رکھ کر اسے دیکھے گا اپنے چہرہ کو تو کیا فائدہ۔ اُس ذات کے چہرہ پر تو اپنا عکس ڈالے گا تو بعض اوقات ایک بلبلے کی مانند اُس پر گرے گا۔ یہ روح کا جہاں اُس آئینہ میں ایک حباب کی مانند ہے اور یہی حباب اولیا کرام کے لیے ایک سایہ یا جھونپڑی ہے۔ اُس کی عقل حیران اور نشہ میں مدہوش ہے وہ اپنے نفس کو پوری توجہ سے ادھر لگا کر اس حلقہ میں داخل ہوتا ہے۔ سارا جہان اس کے لیے ایک شراب خانہ ہے اور کائنات کے ہر ذرّہ کا دِل اس کا پیمانہ ہے۔ اس شراب وصل کے نشہ میں عقل، فرشتے، روح، ہوا، زمین و آسمان سب مست ہو چکے ہیں۔ آسمان ان سب چیزوں کے بکھر جانے سے گھوم رہا ہے اور دل خوشبو کے ایک جھونکے کی خواہش لیے ہوئے ہے۔ فرشتے اس شراب کو ایک پاک صاف صراحی میں ڈال کر پی رہے ہیں کہ اس کی تلچھٹ کا ایک گھونٹ زمین پر جا گرا۔ ایک گھونٹ سے اربع عناصر مکمل ہوئے، کبھی وہ جرعہ پانی میں گرا کبھی آگ پر۔ اس ایک گھونٹ کی بُو سے جو زمین پر گرا، انسان پیدا ہوا جس کا مقام آسمانوں سے بھی اوپر ہے۔ اُس کے عکس سے اُس مردہ جسم میں جان پڑی اور اس کی گرمی سے وہ پریشان جان کام کرنے لگی۔ تمام مخلوقات کا جہاں اس سے ہمیشہ کے لیے بنا دیا اور پھر وہ اپنے خاندان اور پہچان ہمیشہ کے لیے لگ لیے۔ ایک نے اس کی بُو اور درد کو ہی نقل کیا اور دوسرا اس آدھے گھونٹ سے ہی صاحب عقل بن گیا۔ ایک نے سچے دل سے خلوصِ نیت سے ایک ہی گھونٹ پیا اور اسی پر صابر رہا، لیکن دوسرا کہ وہ پوری صراحی پی گیا اور عاشق بن گیا۔ ایک دوسرا ہے جس نے ایک ہی جست میں شراب، شراب خانہ، ساقی اور شراب پینے والا سب مدارج حاصل کر گیا۔ سب کچھ پی گیا لیکن ابھی منہ کھلا ہے اور وہ کھلے منہ والا شرابی سرفراز یعنی بلند ہوا۔ جب زندگی کو ایک دفعہ حاصل کر لیا تو پھر وہ اقرار اور انکار کی حد سے گزر گیا۔ تو وہ خالی عبادت اور ریاکاری، شیخی بگارنے سے فارغ ہو گیا اور اس نے کسی مرشد کامل کا دامن تھام لیا۔ جب پیرِ کامل کے ہاتھ آ گیا شرابی ہو گیا تو اپنے آپ سے بے گانہ ہو گیا، اس مقام پر اپنا آپ ظاہر کرنا کفر ہے اور اپنے آپ کو پیرِ کامل کے سپرد کر دینا ہی نیکی ہے۔ اس شراب خانہ (پیر خانہ) سے پیرِ کامل کے دَر سے یہ سبق ملا، کہ توحید تمام فالتو امور کو گرا دیتا ہے۔ خرابات (پیرِ کامل کا آستانہ) سارے جہان میں بے مثال مقام ہے اور یہ آزاد لوگوں (سالکین و عشاق) کی جگہ ہے۔ شراب خانہ (پیرِ کامل کا آستانہ) ایک پرندے کا گھونسلہ ہے اور وہ آستانہ لامکاں پر واقع ہے۔ وہ خرابات (پیرِ کامل کا آستانہ) کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے نہ اس کے آغاز کا پتہ ہے نہ کسی نے اس کی انتہا دیکھی ہے۔ اگر اس کے اندر سو سال تک بھی چلتا ہے تو نہ کسی اور کو پا سکے گا نہ اپنے آپ کو۔

Marfat.com

اس صحرا میں ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ وہ مدہوش اور بے خبر ہیں نہ وہ مومن ہیں نہ کافر ہیں۔انہوں نے شرابِ بے خودی پی رکھا ہے اور نیکی اور بدی کی تمام قیود سے آزاد ہیں۔ ہر ایک نے بے تحاشہ بغیر کسی جام و مینا کے شراب پی رکھی ہے اور وہ اپنی عزت اور نام سے فارغ اپنی بدنامی کی انہیں کوئی پروانہیں ہے۔ وہ اس تلچھٹ کی بُو کے پیچھے دوڑتے اور ہاتھ پھیلاتے ہیں اور اپنے آپ کو مٹانے کے شوق میں مست ہیں۔عصا، تسبیح اور مسواک اور شرمندگی سب کچھ انہوں نے اُس تلچھٹ کے لیے گروی کر دیا ہے۔اس زمین و آسمان پانی اور مٹی کے درمیان گرتے پڑتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے خون جاری ہے۔کبھی وہ خوشی کی حالت میں عالمِ ناز میں پہنچ جاتے ہیں اور وہ پھر چالاک اور مغرور لوگوں کی طرح پھرتے ہیں۔کبھی وہ اپنی شرمندگی اور سیاہی کے سبب دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی اپنی سرخ روئی کے سبب سولی پر چڑھ جاتے ہیں۔کبھی اپنے محبوب کو ملنے کے شوق میں محفل سماع کے اندر بے سروپا گھومتے ہیں جیسے آسمان گھومتا ہے۔ ہر وہ نغمہ جو انہوں نے گویے سے سنا اس سے وہ عالم وجد میں چلے جاتے ہیں۔سماعِ جاناں کوئی حروف یا آواز پر مبنی نہیں ہے بلکہ ہر چیز خوبصورتی کی طرف جاتی ہے اور حسنِ یار کی نشان دہی کرتی ہے۔اپنا سر باہر نکال آزاد ہو جا، ہر قسم کے رنگ و بو اور خرابی سے پاک کر لے پھر وہ صاف اور چمک دار ہو جائے گا خواہ سیاہ رنگ ہو یا سبز یا نیلا آسمان جیسا۔ایک وہ ہے اپنا پیمانہ صاف و شفاف شراب سے بھر کر پیتا ہے اور پھر اپنے عادات و اوصاف میں پاک و صاف ہو جاتا ہے۔وہ اپنے ابروؤں کو خاک مل کر پاک ہو جاتا ہے،لوگ اسے بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔لیکن کوئی بھی بات نہیں کہتا۔اس نے شراب میں مست رندوں کا دامن تھام لیا اور اپنی تمام شوخیوں اور مریدوں سے بے زار ہو گیا۔کیسی شیخی اور کیسی مریدی یہ کیسی قید ہے عبادت اور پرہیز گاری کی یہاں کوئی گنجائش نہیں یہ کیسی عاشقی ہے۔اگر تو ہر ایک کو تمام مخلوق چھوٹے بڑے سب کی طرف دیکھنا چاہتا ہے تو یہ بت اور جنجو اور اس بت پرستی سے تجھے اچھی ہے۔

سوال نمبر: اہلِ حال کے کوچے میں بت، زنار، ترسائی سب کفر ہے جنجو یعنی زنار باندھنا، آتش پرستی اس میدان میں سب کفر ہیں تو پھر تو ہی بتا وہ کیا ہے اور کہاں ہے؟

جواب: بست (قید ہونا، آتش پرستی) عشق کا مظہر ہے جنجو باندھنا بھی ایک عہد نامہ ہے غلامی کا، ایک میثاق ہے۔چونکہ کفر اور دین بھی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں، یہ بھی عین توحید ہے کہ کسی ایک کی پوجا ہو۔ کائنات کی ہر چیز اور زندگی یہ سب قدرت کے مظاہر ہیں،ان تمام میں کوئی ایک بھی ایسی چیز نہیں جو قدرت کی قیود سے آزاد ہو۔اے عقل مند انسان اور نیک بخت مرد اس بات پر غور کر سوچ کہ زندگی کا پابند ہونا غلط نہیں ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات ان سب اشیاء کی خالق ہے اس نے نیکی سے نیکی ہی پیدا کی ہے۔اُس ذات کا وجود دونوں جہان میں خیر اور مہربانی سے نیکی سے بھرا ہے، اگر شر ہے اس جہان میں تو یہ غیر اللہ سے صادر ہے

Marfat.com

یعنی شیطان یا نفس شیطان۔اے مسلمان اگر یہ جانتا کہ پابندی باندھنا کیا چیز ہے، پھر تو یہ جان جاتا کہ زندگی بست (پابندی) ہی میں ہے۔اور اگر مشرک اس پابندی سے آگاہ ہو جائے تو پھر وہ دین میں کیسے گمراہ ہو سکتا ہے۔دنیا میں ظاہری طور پر کوئی (بست وکشا) نہیں ہے اور یہی سبب کائنات سمجھ لیا جائے شریعت اسے کافر کہے گی۔تو بھی اُس کی ذات کو اس دنیاوی زندگی میں چھپا ہوا دیکھے شریعت تجھے بھی مسلمان نہیں کہے گی۔اگر اس ظاہری اسلام سے دور ہو جائے گا تو پھر تیرے اندر حقیقی کفر پیدا ہو جائے گا۔ہر بت یعنی کائنات کی ہر چیز کے اندر روح چھپی ہوئی ہے اور اس کفر کے اندر اصل ایمان موجود ہے۔حق کی درست تسبیح کے اندر ہی کفر چھپا ہے، تو یہ کہہ دینا کہ وہ ہر چیز میں موجود ہے کیا حرج ہے۔

همیشه کفر دَر تسبیح حق است

"وَ اِن مِن شیءٍ" گفت اینجا چه دق است

جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں اپنے راستے سے دُور چلا گیا ہوں تو (پھر میں جس کو دیکھ رہا ہوں) میں اُس کو دیکھ رہا ہوں، پھر کہہ کہ صرف اللہ ہے۔اس دنیاوی چہرے پر جو تو اسے بنا سنوار رہا ہے کیا تو بت پرست ہو گیا ہے ناں کہ حق تعالیٰ سے براہِ راست نہیں مانگتا۔جو کچھ بھی کہتا ہے یا جو کچھ وہ کرتا ہے یہ وہی ہے، اچھا کام کرو اچھی بات کرو اور نیک ہو جاؤ۔اُس کو دیکھ، اسی ایک سے بات کر اور اسی کو سمجھ اسی میں ایمان کی اصل اور فروع دونوں موجود ہیں۔یہ میں نہیں کہہ رہا قرآن سے سنا ہے مخلوق اور خالق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نه مَن گویم ایں بشنو دز قرآن

تفاوت نیست اندر خلق و رحمٰن

اگر میں غور کرتا ہوں تو دیکھتا کہ ہر کام کے اندر وہ ذات موجود ہے، خدمت کی نشان دہی اس بات سے ہوتی کہ جنجو باندھ عہد کر لیا ہے۔ایک دوسرے کے آپس میں عہد کرو، عہد کو پورا کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جاؤ۔علم کے گھوڑے چوگان کھیلنا عبادت ہے اور میدان میں اتر کر فائدہ اٹھا منافع حاصل کرنا بھی نیکی ہے۔اگر چہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کی ہے لیکن تجھے صرف اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تو اُس کی معرفت حاصل کرے۔باپ علم ہے اور اعمال ماں ہے اور اپنے احوال وحالات کو اندر کی سان (ریتی) سے چمکدار بنا۔انسان باپ کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا یہ قدرت کا فیصلہ ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس میں اُن میں ایک نہیں ہے۔بے ہودہ بکواس، دکھاوا اور کھانے پینے کے بیانوں کو چھوڑ، خلوت کے خیالات اور اپنی کرامات کا دکھاوا سب چھوڑ دے۔تیری تمام کرامات صرف حق پرستی کے لیے پنہاں ہیں اس کے سوا سب کچھ تکبر دکھاوا اور زندگی کی رنگینیاں ہیں۔اس میدان میں ہر چیز جو فقر کے زمرے میں نہیں آتی وہ سب مکر وفریب اور دھوکا ہے استدراج ہے جو غیر مسلموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ابلیس لعین سے بظاہر نیکی کے کئی کام (استدراج)

Marfat.com

یعنی خرق عادت کے طور پر سرزد ہو جاتے ہیں۔ کبھی وہ آپ کی دیوار ظاہر ہو جاتا ہے کبھی چھت پر کبھی آپ کے دل میں ان شعبدہ بازیوں کے ذریعہ جگہ بنالیتا ہے اور کبھی آپ کے اندر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ تمہارے دل کے حالات بھی جان لیتا ہے اس کے نتیجہ میں دل کے اندر کفر اور گناہ کی زندگی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ ابلیس تیری تباہی و بربادی میں پیش پیش ہوتا ہے لیکن دین کے معاملات میں بھی کبھی پہنچا ہے؟ تیری تمام کرامات دکھاوے کے لیے ہوتی ہیں، تو ایک فرعون ہے اور کرامات تیری خدائی کا دعویٰ ہے۔ لیکن جس کو حق کی پہچان ہو جاتی ہے اس کے اندر دکھاوا ہرگز نہیں آتا۔ اس وقت تمام صورتیں تیری طرف نظر رکھے ہیں تو اپنے آپ کو اس بیماری میں گرفتار نہ کر لینا۔ اگر تو تمام لوگوں میں بیٹھے گا تو تیری شکل بگڑ جائے گی تو خود مسخ ہو گیا تو دوسروں کو کیسے سدھار سکے گا، اس بدلی ہوئی صورت میں ہی پھنس جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تیری عام لوگوں سے ملاقات سے اُن کی عادات تیرے اندر ظاہر ہوں اور پھر تو شرمسار ہو۔ تیری خوب صورت جوانی کی عمر کو تیری وہ بے ہودہ باتیں تباہ کر دیں گی، ایسا نہ کہنا کہ اس عمر میں ان باتوں کا کیا کام۔ عوام الناس تیرا ذکر افسوس سے کریں گے افسوس کہ تو نے گدھے (کم عقل) کو پیشوا بنالیا۔ اب اگر جاہل لوگوں کی طرف سے سرداری مل بھی گئی تو یہ سب لوگ بدحال ہو جائیں گے۔ دجال اغوا کنندہ اور شیطان صفت کو دیکھ کہ وہ کس طرح پورے عالم میں نمونہ کے طور پر اپنے ایلچی بھیجتا ہے۔

جب ہم آخر الزمان نبی ﷺ کا ذکرِ خیر کرتے ہیں پھر کئی جگہ ان کی نشان دہی ہو گی۔ اب آپ دیکھیں کہ جب اندھے اور بہرے گڈریئے (رکھوالے) بن گئے تو اس جہان میں علم اور دین دونوں ختم ہو جائیں گے۔ اگر لوگوں کے اندر شرم و حیا نہ رہے تو پھر کوئی کسی جاہل سے شرم کیوں کرے گا۔ تمام حالات زمانہ ایک باڑ یعنی رکھوالے کی حیثیت سے۔ اگر تجھے سمجھ بوجھ ہے تو دیکھ کہ ایسا کیوں ہے؟ اگر کوئی شخص لعن طعن کرنے والوں میں سے ہے باپ نیک تھا لیکن اب اسے شیخ یعنی راہنمائے وقت بُرا ملا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس بدکردار بیٹے کو قتل کر دیا کہ اُس بدکردار کا باپ نیک خاندان سے تھا اور نیک تھا۔

اے بے وقوف گدھے انسان آج تو نے اس گدھے (کم عقل) کو اپنا پیشوا بنالیا ہے ایک (کم عقل) گدھے سے دوسرا تیرے جیسا گدھا (کم عقل) ہی پیدا ہو گا۔ چونکہ وہ خود جب نیکی برائی کا فرق نہیں جانتا تو وہ تیرے سر کو غرور سے کیسے پاک کرے گا۔ اگر اس نے اپنے بیٹے میں اپنے اثرات چھوڑ دیئے تو پھر یوں سمجھ کہ نور کے اوپر نور کا شعلہ پڑا۔ اگر بیٹا نیک اور پارسا ہے تو اس کی مثال اُس نرم ملائم اور مکھن جیسے پھل کی ہے جو اس درخت کا حاصل ہے۔ لیکن اگر دین کا راہبر کسی ایسے کو بنالے کہ نیک سے برا اور برے سے نیک کو الگ نہیں کر سکتا یعنی پہچان نہیں سکتا۔ مرید علم دین حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہے کہ اپنے دل کے چراغ کو نور سے روشن کر سکے۔ لیکن مرید سے علم ہرگز حاصل نہیں ہوتا مٹی سے چراغ کبھی نہیں جلایا جا سکتا۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا

Marfat.com

ہوا کہ اس کام میں اپنے اور نفس کے درمیان جنجو گلے میں ڈال لوں۔ اس لیے نہیں کہ میری شہرت نہیں ہے وہ تو ہے کہ اس کے پہننے میں شرم کرتا ہوں۔ جب میرے ساتھ اس وقت ایک بدنام زمانہ شخص شامل ہو گیا تو ایسی شہرت خموشی سے بہت بہتر ہے۔ دوبارہ حق تعالیٰ کی طرف مجھے یہ پیغام ملا کہ دانائی کی باتوں میں کسی بے وقوف کو شامل نہ کر۔ اگر جہان میں صفائی کرنے والے نہ ہوتے تو تمام مخلوق ہلاکت میں پڑ جاتی۔ آپس میں میل جول اور ملنا ہم جنس کا ہونا کیوں ضروری ہے لیکن ایسا ہوا ہے اور اس بات کو اللہ جانتا ہے۔ لیکن نا اہل لوگوں کی صحبت سے پرہیز کر، اگر تو عبادت اختیار کرنا چاہتا ہے تو عادتیں چھوڑ اور پابندی اختیار کر۔ عبادت اور عادت ایک جگہ جمع نہیں ہوتے اگر تو عبادت کرتا ہے تو عادت چھوڑ دے۔ ڈرانے والے کو خلوت کی نظر سے دیکھ چھٹکارہ پانے کا طریقہ تقلید کرنا ہے۔ خدا کی ذاتِ واحد کی جگہ چار روح کے بت خانے سے یہ روح ہمیشہ کی زندگی کے پرندے کا گھر ہے۔ اس طریقے سے ہی اس روح اللہ (عیسیٰ علیہ السلام) کو پیدا کیا کہ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ظاہر ہوئے۔ اب تیرے سامنے اللہ کی طرف سے تیری جان ہے کہ وہ فرشتوں کے اندر ایک مقام رکھتی ہے۔ اگر تو نفسِ امارہ سے چھٹکارہ حاصل کر لے تو، تُو عالمِ بالا میں مقام لاہوت پر پہنچ جائے گا۔ جو بھی ہر چیز سے فارغ اپنے آپ سے بھی تو وہ فرشتوں سے بڑھ گیا، کیونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ چوتھے آسمان پر موجود ہیں۔ شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پنگھوڑے میں خود کو قید کر کے سکون محسوس کرتا ہے۔ جب بچہ بالغ ہو کر سفر کے لیے نکلتا ہے وہ درست انسان ہے، تُو اپنے باپ کے ساتھ باہر جائے گا، اسی میں وہ اپنی سلامتی سمجھتا ہے۔ اگر چاروں عناصر (آگ، پانی، مٹی، ہوا) تیرے لیے صفت ماں کی مانند ہیں، تُو بیٹا ہے اور باپ اونچے خاندان سے ہے۔ کبھی اسے عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آواز دیتے ہیں کہ تیرے باپ کی آواز ہم نے آسمان پر بلند کی ہے۔

اے جانِ پدر (بیٹے) تو بھی اپنے باپ کا ساتھ دے لوگ بدر کو جاتے ہیں تو بھی بدر کے مجاہدین کا ہمراہی بن جا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ عنقا (خیالی پرندہ) کی طرح بلندیوں پر پرواز کرے تو اس دنیا کو مردار سمجھ کر گدھوں کے آگے ڈال دے۔ اگر تو اس غدار اور بے وفا دنیا کو اُس کے چاہنے والوں کے آگے ڈال دے گا تو وہ تیری قدر کرے گی کیونکہ کتے کے سوا مردار کی قدر کوئی نہیں جانتا۔ خاندان کیا ہے؟ نسبت کو تلاش کر اور اپنا رخ حق کی طرف کر لے اور خاندانی وجاہت کو چھوڑ دے۔ جو بھی اس جہانِ دیگر میں چلا گیا یعنی (کسی مردِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لی) اس سمندر میں داخل ہو کر اپنے آپ کو فروخت کر دیا (بیعت دراصل اپنے آپ کو پیر و مرشد کے ہاتھ فروخت کر دینے کے مترادف ہے پھر مرید کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوا کرتی ہر وقت مرشد کا اتباع کرنا ہی مرید کا کام ہوتا ہے) جو ایسا کرتا ہے تو اُس نے نقد قیمت وصول کر لی کہ (میرا کوئی خاندان نہیں ہے) یعنی اپنی ہستی مٹا دی اور صرف مرشد کی غلامی ہی اُس کی پہچان بن گئی۔ پھر اُسے کسی نام و نسب کی ضرورت نہیں رہتی۔

مذاہب کی قید سے ہٹ کر ایک خدا کا ہو کر رہنے والا بن جا، (حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح) اور

Marfat.com

دین کے عبادت خانہ میں ایک راہب کی طرح اندر داخل ہو جا۔ تیری نظر میں اپنے پرائے سب ہونے چاہئے، خواہ وہ مسجدوں میں ہوں یا بت خانوں میں ہوں۔ جب تیرے سامنے دوسروں کے لباس اور ظاہری صورت ہوگی تو اسے دیکھے گا پھر تیرے لیے مسجد اور بت خانہ دونوں برابر ہیں۔ یہ میں نہیں جانتا کہ تو کس حال میں ہے اگر تو اپنے نفس کے خلاف سے نفس کا کافر ہے تو پھر تیری اصل زندگی ہے۔ بت خانہ، جنجو باندھنا، آتش پرستی اور ناقوس بجانا اور نمائش چھوڑ دی ہے تو اپنے آپ سے بے گانہ ہو گیا ہے۔

اگر تو چاہتا ہے کہ تو خدا کا خاص بندہ بن جائے تو اپنے آپ میں صدق اور اخلاق پیدا کر۔ جا اور اپنے آپ کو اس مقرر کردہ راستے پر لگا لے اور ہر وقت اسی میں مگن رہ اور ایمان کو اپنے اوپر طاری کر لے۔ اگرچہ میرا نفس اندر سے کافر ہے لیکن اُس ظاہری اسلام پر جو دکھاوے کا ہے کبھی راضی نہ ہوا۔ ہر گھڑی تیرا ایمان تازہ ہوگا تو صرف مسلمان ہو جا، مسلمان ہو جا، مسلمان ہو جا۔ با ایمان ہو جا وہ کفر سے بہتر ہے، وہ کفر جو ایمان سے پیدا ہو کفر نہیں ہے۔ دکھاوا اور شمع جلانا اور اپنی مشہوری کو چھوڑ دے، درویشوں والی گدڑی اتار دے اور جنجو باندھ لے۔ جب کہ میرا پیرا کیلا کفر کے اندر نظر آتا ہے اگر وہ صاحبِ استقامت ہے تو ایسے مردِ میدان کو اپنا آپ سپرد کرے۔ کسی آتش پرست کو ایک دفعہ دل دے کر دیکھ اور ہر قسم کے اقرار و انکار سے آزاد ہو جا۔ آتش پرست کا بچہ چونکہ ظاہری نور رکھتا ہے اور بتوں کے ظواہر سے بھی دیکھتا ہے۔ اُن سب نے اُس خدمت گزار غلام زادہِ آتش پرست کو اپنے دل سپرد کر دیئے کہ وہ کبھی گویا بن جاتا ہے اور کبھی ساقی کبھی گائے والا بن کر اپنے ایک نغمہ سے سیکڑوں زاہدوں کے دل کے خرمن جلا ڈالے۔ وہ کیا ہی خوش بخت ساقی ہے کہ اُس کے ایک پیالہ نے دو سو ستر سالہ بوڑھے کو بے خود کر دیا۔ وہ بوڑھا جب رات مست شرابی اپنے آستانہ (خانقاہ) کی طرف لوٹتا ہے تو صوفیوں کی تمام باتیں قصے اور کہانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اور اگر وہ صبح کے وقت مسجد میں آتا ہے تو کسی صاحبِ عقل انسان نے اس کو نظر انداز نہ کیا۔ جب وہ مدرسہ میں گیا اُسی حالت میں کہ وہ نشہ میں چور تھا، مدرسہ کا فقیہ اعظم بھی اسے دیکھ کر نشہ سے مخمور و مست ہو گیا۔ اس کے عشق میں بڑے بڑے عبادت گزار مجبور ہو گئے اور اپنی شان و شوکت اور نمود و نمائش سب گنوا بیٹھے۔ اس نے ایک کو مومن بنا دیا اور دوسرے کو کافر، اس طرح سارے عالم میں ایک شور اور فساد اُٹھ کھڑا ہوا۔ شراب خانے اس کے لبوں سے بھر گئے اور مسجدیں اس کے چہرے کے نور سے روشن ہو گئیں۔

میرے تمام کام اسی کی ذات سے حل ہونے لگے اور میں نے دیکھا کہ وہ نفس کافر سے چھٹکارہ حاصل کر چکا ہے۔ میرے دل نے اپنی عقل مندی پر سیکڑوں پردے دیکھے اور اس لیے کہ میرے اندر دھوکہ، تکبر اور فریب کاری تھی۔ وہ صبح کا چاند میرے دل کے دروازے کے اندر جب داخل ہوا تو اس نے مجھے خوابِ غفلت سے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اُس کے چہرے سے میری روح کا نہاں خانہ روشن ہو گیا، جب میں نے اُسے دیکھا تو اپنے

Marfat.com

آپ پر دھیان کیا کہ میں کیا ہوں؟ جب میں نے اُس کے خوبصورت چہرے پر نگاہ ڈالی تو میری روح سے ایک آہ نکلی۔ اس نے مجھے کہا کہ اے دھوکہ باز شخص تیری ساری عمر نام و ناموس کے حصول میں گزر گئی۔ تو دیکھ کہ علم و زاہد اور تکبر و دھوکہ اور فریب سے ناسمجھ انسان تجھے کیا چیز واگزار کرا سکتی ہے۔ اس کا ایک ساعت کے لیے میرے چہرہ کی طرف دیکھنا تھا تو مجھے محسوس ہوا کہ ہزاروں سالوں کی عبادت سے یہ بہتر ہے۔ ان سب امور کے ساتھ اُس جہاں کا شیشہ دکھانے والی اُس شخصیت نے مجھے میرے سراپا سے پردہ اُٹھایا۔ روح کی شرمندگی سے میرا چہرہ سیاہ ہو گیا کیونکہ میں نے اپنی عمر اور زندگی کو باطل کر دیا تھا۔ جب میں نے اُس روشنی دکھانے والے چاند کی طرف دیکھا تو مجھے اپنی ذات سے کچھ امید کی کرن پیدا ہوئی۔ ایک پیالہ بھر کر انہوں نے مجھے دیا اُس کی گرمی اور حدت سے میرے اندر ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اب بے رنگ اور بے بو شراب کے پیالہ سے کہا کہ اس کی ہستی کے نقوش کو ظاہر کر دے۔ جب میں نے اُس پاک و صاف پیالہ کو پیا تو میں مست ہو کر نیچے گر پڑا اور میں نے اپنے سر میں مٹی ڈال لی۔ اب میں نہ زندہ تھا نہ مردہ، نہ میں ہوشیار تھا نہ ہوش میں تھا، بلکہ مست شراب میں مخمور تھا۔ کبھی میں اُس کی آنکھوں کی مانند اپنے سر میں ایک بھید چھپا محسوس کرتا، کبھی اُس کی زلفوں کی طرح اس کے چہرے کو مس کرتا۔ کبھی میں عادات کے سبب ایک بھٹی میں جلنے لگتا اور کبھی اُس کے چہرے کے سبب اپنے آپ کو ایک باغ میں پھولوں کے اندر محسوس کرتا۔ غرض یہ کہ ان باتوں کے باوجود یہ کہ جو کچھ مجھے یاد رہا، میرے اُس عزیز دوست نے مجھے کہا کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ میں اپنے نام سے اس بات کو یہاں ختم کرتا ہوں کہ اے خدائے واحد تو عاقبت اور خاتمہ محمود کر دے اچھا اور بہتر کر دے۔ آمین

Marfat.com

بیا بہ مجلس اقبال یک دو ساغر کش

پروفیسر عبداللہ بھٹی کے ساتھ یہ خصوصی نشست مولانا رومیؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ کے افکار کی روشنی میں موجودہ صورتحال کے تناظر میں ہوئی تھی جس میں آپ نے آج کے جدیدیت پرست اور مادیت ہی کو زندگی کی بنیاد سمجھنے والوں کو مولانا رومیؒ اور اقبالؒ اور صوفیائے کرام کے افکار کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ اصل میں ہم سے غلطی کہاں ہو رہی ہے ہم کہاں تجاوز کر رہے ہیں اور کہاں ہماری فکر ٹھوکر کھا رہی ہے۔ اس خصوصی مجلس کے سوال اور ان کے جوابات زندگی کا مفہوم سمجھنے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سوال: حالاتِ حاضرہ میں ہماری حکمتِ عملی کیا ہونی چاہیے؟

جواب: عصرِ حاضر میں پاکستان ہر طرف دشمنوں میں گھرا ہوا ہے اور اس کا وجود ہی خطرے میں ہے۔ بقول مولانا روم جس قوم میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوگی وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گی اس لیے پاکستانیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کریں کہ وہ اپنے داخلی دشمنوں اور خارجی طاقتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ توکل الی اللہ، حب رسولؐ اور قُربِ الٰہی کی وجہ سے ایک سچا مسلمان ایسا نادر ہیرا بن جاتا ہے جسے کوئی تلوار کاٹ نہیں سکتی۔ تصوف ذاتی عطائے اختیار self-empowerment کا پروگرام ہے جسے اپنانا ہمارے لیے اشد ضروری ہے تاکہ میدانِ جنگ میں ہم کافروں کو پیٹھ دکھا کر اللہ کے غضب میں نہ پکڑے جائیں۔ ان دگرگوں حالات کا تقاضا ہے کہ تصوف کی طرف رجوع کیا جائے۔ تصوف کا مطلب صرف تسبیح و اذکار نہیں بلکہ ظلم کے خلاف جہاد مسلسل بھی ہے۔ طاقت ور بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ کے بندے بن جائیں اور ہمارا اٹھنا بیٹھنا جینا اور مرنا صرف اللہ کے لئے ہو۔ قوت کا دوسرا ذریعہ نظم و ضبط ہے اور تیسرا اعلیٰ اخلاق۔ ہم یہ تو کبھی نہ بھولیں کہ ہم مکارم اخلاق کی امت ہیں۔ چنانچہ ہمارا نصب العین motto تعلق باللہ، نظم و ضبط اور اعلیٰ اخلاق ہونا چاہیے۔ حضرت سلطان باہو کا قول ہے کہ اے طالب صادق جب کہ خدا تیرے

Marfat.com

ساتھ ہے تو تو کسی دوسرے سے ہرگز خوف نہ کھا۔ کسی سے امید مت رکھ جو کوئی خدا کو اپنے ساتھ جانتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں پہنچانتا۔

◎

سوال: پروفیسر صاحب ذرا شریعت اور طریقت کی وضاحت فرمادیں؟

جواب: اسلام دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولتا ہے مگر مشکل یہ آن پڑی کہ ہر کس و عام کا فہم دین ناقص ہے۔ ہماری فکر پر مغرب کے استحصالی اور استبدادی سرمایہ دارانہ نظام کا غلبہ ہے جس کے تحت ہم اپنے دین متین کے اخوت اور مساوات کے پیغام کو بھلا بیٹھے ہیں۔ یہ بات بھی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے کہ ہر رسول دو چیزیں لاتا ہے۔ ایک شریعت (قانونِ الٰہی) اور دوسرا طریقہ (راہِ عمل)۔ شریعت کا تعلق قانونِ الٰہی، عبادات اور معاملات سے ہے جبکہ طریقت کا تعلق قُربِ الٰہی سے ہے۔ شریعت کے لفظی معنی شارع (بڑی سڑک) کے ہیں جبکہ طریق کے معنی چھوٹی سڑک کے ہیں۔ پاکستان میں نفاذ شریعت کے لئے تو بڑی نعرہ بازی ہوتی ہے مگر نفوذ شریعت کی بات شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ اسلام کو روح میں بسا لینے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو استوار کرنے کے راہِ عمل کو تصوف قرار دیا جاتا ہے۔ عام الفاظ میں عمومی طور پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شریعت اسلام کے قانونی پہلو کا نصاب ہے جبکہ تصوف اسلام کے روحانی پہلو کا نصاب ہے۔

◎

سوال: ہمارے ہاں تو اسے مذاق سمجھا جاتا ہے۔ استغفر اللہ

جواب: دورِ حاضر کے علماء سُو اور فرنگ گزیدہ دانش وروں میں تصوف کی تحقیر ایک رواج سا بن گیا ہے۔ اپنی تائید میں وہ بلا جواز یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ علامہ اقبال بھی تصوف کے خلاف تھے حالانکہ جو شخص اپنے آپ کو مولانا روم کا مرید کہے، وہ تصوف کا مخالف کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ''اسرارِ خودی'' کے شائع ہونے پر جو مباحثہ علامہ اقبال اور خواجہ حسن نظامی کے مابین ہوا، اسی سلسلے میں خواجہ حسن نظامی کو مخاطب کر کے ایک اخباری مضمون میں علامہ اقبال رقم طراز ہیں: ''آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ فلسفیانہ اور مورخانہ اعتبار سے مجھے بعض ایسے مسائل سے اختلاف ہے جو حقیقت میں فلسفے کے مسائل ہیں مگر جن کو عام طور پر تصوف کے مسائل سمجھا جاتا ہے۔ تصوف کے مقاصد سے مجھے کیوں کر اختلاف ہو سکتا ہے۔ کوئی مسلمان ہے اُن لوگوں کو برا سمجھے جن کا نصب العین محبت رسول اللہؐ ہے اور جو اس ذریعے سے ذاتِ باری سے تعلق پیدا کر کے اپنے اور دوسروں کے ایمان کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں''۔

بے شک علامہ اقبال تصوف کی مسخ شدہ شکل کے ضرور خلاف تھے جس پر روحانی جاگیرداروں کا تسلط ہے۔ حضرت علامہ اقبال روح کی تخریب اور بدن کی تعمیر کو فرعونی پالیسی تصور کرتے تھے اور ان کے خیال میں

Marfat.com

کوئی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ روحانی پہلو کی تربیت شامل نہ ہو۔ علامہ اقبال کو یہ خیال پریشان کیے رکھتا تھا کہ عصرِ حاضر میں تصوف کی شکل کیا ہوگی جو بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کے دلوں کو بیدار کر دے اور قوم کے تن مردہ میں زندگی کی تازہ لہر پیدا کر دے۔ علامہ اقبال تصوف کی تجدید کے لیے صوفیا کے بنیادی موقف سے اتفاق کرتے ہوئے احیائے دین کی عمارت عشق کی بنیاد پر اٹھاتے ہیں فرماتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدہ تصورات

◎

سوال: یہ ''عشق'' کیا ہوتا ہے جناب؟

جواب: تصوف کی لغت میں 'عشق' اللہ کے ساتھ پرجوش محبت یا گرم جوش لگن کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں عشق کے لیے 'حب شدید' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علامہ اقبال نے لفظ 'عشق' کو وسیع تر معنوں میں استعمال کیا ہے۔ علامہ اقبال کی عشق سے مراد تخلیقی جوش و جدان creative intuitive fervour ہے۔ علامہ اقبال کے خیال میں عقل، عشق کی دشمن نہیں بلکہ اس کی طرف پہلا قدم ہے:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے!

بہر حال تصوف کے راستے پر چلنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقل پرستی کے چنگل سے آزاد رہیں۔ دورِ حاضر کے خوگر محسوساتِ فکر کو اپنائے ہوئے نوجوانوں کو تصوف مظاہرِ قدرت میں اللہ کا زندہ اور محسوس تجربہ فراہم کر سکتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ گو عقل 'آستانِ حق' تک لے جانے میں مدد دیتی ہے اور ذاتِ الٰہی کے بارے میں دلائل اور براہین مہیا کرتی ہے لیکن افسوس وہ 'حضوری' کے مقام تک پہنچانے سے قاصر ہے۔ وہ راستے میں ہی اپنے استدلال کے بھنوروں میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے خیال میں اللہ کی بارگاہ تک پہنچنے کے لیے عشق کا راستہ اپنانا پڑتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جس کا دل بے حضور ہے اس کا دل مردہ ہے اور ایسی قوم جس کے افراد بے حضور ہوتے ہیں یا جس قوم کے دل میں کوئی محبوب نہ بستا ہو وہ قوم بھی مردہ قوموں میں شمار ہوتی ہے فرماتے ہیں!

بے حضوری ہے تیری موت کا راز
زندہ ہو تُو تو بے حضور نہیں

Marfat.com

تصوف کا کام ذکرِ الٰہی سے دلوں کو زندہ و بیدار رکھنا ہے۔ اگر 'حضورِ قلب' کے ذریعے ہر مسلمان اللہ اور اس کے رسول سے منسلک ہو جائے تو مسلم امہ ایک سپر پاور کے طور پر ابھر سکتی ہے۔ بے شک تصوف کی ایک متحرک تعبیر قوم کے تن میں ایک نئی روح پھونک سکتی ہے اور اسے اس پژمردگی اور مایوسی جو اس کی ستاون سالہ غفلتوں کی وجہ سے اس پر طاری ہے، سے نکال کر ایک روشن اور پر عزم دور میں داخل کر سکتی ہے۔ ہم ایک عرصے سے ارادہ کیے ہوئے تھے کہ عصرِ حاضر کے حالات کے مطابق تصوف کے خدوخال اور طریقہ کار کو اس طرح مجوز کریں کہ اس کی بنیادی اساس مجروح نہ ہو اور ہم بھی حضرت علامہ اقبال کی روایت میں وہی 'مے کہن' آپ کو جامِ نو میں پیش کریں، یہ سوال و جواب کی محافل اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔

بیا در مجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

سوال: جناب اگر مرشدِ کامل میسر نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

جواب: میرے بیٹے یوں تو کہتے ہیں کہ!

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

مگر دورِ حاضر میں غمِ روزگار لوگوں کو یہ مہلت فراہم نہیں کرتا کہ وہ کسی مرشد صالح کی تلاش میں نکلیں اور اس کی زیرِ نگرانی ایک لمبا عرصہ اس کی خانقاہ میں قلت طعام، قلت کلام، قلت منام، قلب صحبت اور کثرت خدمت، کے پروگرام کے تحت گزاریں۔ مرید کی اصلاح کے لیے مرشد کا جاسوس القلوب ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مرشد ایسا ہو کہ اسے دیکھ کر خدا یاد آئے۔ اس دور میں ایسے مرشد اگرچہ نایاب تو نہیں مگر کمیاب ضرور ہیں۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں ایسی تربیتی خانقاہیں بھی کہاں ہیں؟

تھا جہاں مدرسہ شیری و شہنشاہی
آج ان خانقاہوں میں ہے فقط روباہی

ہم اس عمومی مقولے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے۔ اگر اس مقولے کو مان لیا جائے تو ہادی برحق، سرور کائناتؐ کی امت کے جماہیر پر ملعون ابلیس کا تصرف قائم ہو جاتا ہے۔ ہماری سوچ کے مطابق صحیح مقولہ تو یہ ہے کہ اگر کسی کا مرشد نہ ہو تو قرآن کریم اور رسول آخرؐ اس کے مرشد برحق ہیں۔ بہر حال ایک سالک کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ والوں کی صحبت کے حصول کی جستجو میں رہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب تمہیں ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع نصیب ہو جو صبح و شام اللہ کی یاد میں ڈوبے رہتے ہیں تو اطمینان سے ان کی معیت میں بیٹھے رہو اور اپنی نظریں ان کے

Marfat.com

چہروں سے نہ ہٹاؤ (جو نورِ الٰہی سے منور ہوتے ہیں)۔

صاحبِ نظر مرشد دستیاب نہ ہونے کی صورت میں آج کے دور کے مبتلائے روزگار انسان کو خود اپنا مرشد بننے کی کوشش کرنی چاہیے اس کو خود اپنے نفس کا محتسب بن جانا چاہیے:

تیری قندیل ہے تیرا دل
تو آپ ہے اپنی روشنائی!

ہر وقت اپنا بے دریغ احتساب کرتے رہنا چاہیے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مدعی اتقا self-righteous نہ ہو یا دوسرے لفظوں میں خودستائی کی مہلک بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ علامہ اقبال نے احتسابِ نفس کی طاقت کا اعتراف اس شعر میں کیا ہے:

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

سوال: انسانوں کی بھی کوئی اقسام ہوتی ہیں؟

جواب: درحقیقت انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کی روح پر کالا پردہ پڑا ہوتا ہے، دوسرے وہ جن کی روح سفید پردے میں ملفوف ہوتی ہے۔ کالے پردے والا انسان بڑا گناہ گار ہوتا ہے، مگر کالے پردے کی وجہ سے اسے اپنے گناہ صاف نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اسے اپنے گناہوں کا احساس ہوتا ہے، اس لیے اس کی اصلاح آسان ہوتی ہے۔ ایک سانحہ پیش آتا ہے اور کہاوتاً وہ چور سے قطب بن جاتا ہے۔ جن لوگوں کی روح پر سفید پردہ پڑا ہوتا ہے انہیں اپنے گناہ نظر نہیں آتے۔ اس لیے وہ ہر وقت اپنے آپ کو برحق تصور کرتے ہیں۔ مرشد جانتے ہیں کہ کسی کافر کو مسلمان بنانا ایک آسان کام ہے جبکہ ایک منافق کی اصلاح جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سلوک کی راہ پر چلنے والا شخص ہر وقت اپنے ضمیر کو زندہ و بیدار رکھے تاکہ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا رہے اور وہ بتدریج اپنی اصلاح کرتا رہے۔ اپنی خوبیوں اور خامیوں کا شعور رکھنے والی قومیں اپنے زورِ بازو سے اپنی تقدیر خود بناتی ہیں۔ پیرانِ پیر کا قول ہے کہ اے لوگو! اپنے محاسبہ میں دیر نہ کرو آخرت سے پہلے اس دنیا میں خود ہی اپنا احتساب کرلو۔

تصوف نام ہے اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کو یکسر ختم کرکے، اللہ اور اس کے رسولؐ کے مفادات اور اہداف کو اپنانے کا۔ سب سے بڑا تصوف ہی یہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے سچے وفادار غلام بن جائیں۔ ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچیں کہ کیا اللہ اور اس کے رسولؐ اس کو شرفِ قبولیت بخشیں گے؟ دنیا کا ہر کام خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی شعبۂ معاشرت، سیاست، معیشت اور معاملات سے ہو، صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کے لیے کریں۔ اخلاص بھی یہی ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہو۔

Marfat.com

جس معاشرہ میں ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی جاتی ہے وہاں عدل اجتماعی کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔

سلوک کے راستے پر چلنے والے کے لیے حلال پہلی شرط ہے۔ رزقِ حلال کے بغیر تصوف کی وادی میں قدم رکھنا سعی لاحاصل ہے۔ معاشرے میں پھیلی ہوئی بد نیتی کسی فرد یا ادارے کو بد نیتی کی اجازت نہیں دیتی۔ رزقِ حلال کے بغیر نہ دل بیدار ہوتا ہے اور نہ ہی سوز دروں نصیب ہوتا ہے۔ تصوف افراد میں ضمیر کو اجاگر کر کے انہیں بد دیانتی سے روکتا ہے۔ تصوف، بخل، حرص اور خود غرضی کا خاتمہ کر کے انسان کو مال و منال سے بے نیاز کر دیتا ہے اور موت کا خوف اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔ تصوف انسان کو اللہ کا نیاز مند بناتا ہے اور غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ پیران پیر کا قول ہے کہ ''جو قلب مخلوق اور حرص سے خالی ہو، اس کے سامنے سے حجابات اٹھا لیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جس چیز پر نگاہ ٹھہر جائے وہ ہی حجاب بن جاتی ہے جو شے اللہ تعالیٰ سے روکے وہی تیرا طاغوت ہے۔ دست نگری اور محتاجی فقر کے لئے زہر ہلاہل ہیں۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ اہلِ دنیا تمہیں وہ دے سکتے ہیں، جو تمہارے نصیب میں نہیں؟''

سوال: محترم تصوف کی پہلی منزل کیا ہے؟

جواب: تصوف کی اوّلین ڈیوٹی تربیتِ نفس اور انسان سازی کی ہے یعنی انسان کے اخلاق کی درستی کی۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ لوگوں سے اچھے انداز میں باتیں کیا کرو۔ درویش مردم آزار نہیں، انسان دوست ہوتا ہے قُربِ الٰہی کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں حسد اور غصہ ہیں۔ ان کو قابو میں لائے بغیر انسان سلوک کے راستے پر سفر نہیں کر سکتا۔ درویش کے لئے ضروری ہے کہ طبیعت میں دھیما پن پیدا کرے اور کوشش کرے کہ حاضرینِ مجلس میں کسی سے اس کی آواز اونچی نہ ہو اور وہ زمین پر اکڑ کر نہ چلے۔ لوگوں کی تواضع کرے اور سب سے بہتر تواضع یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے آپ سے بہتر سمجھے۔ دوسروں کو نصیحت کرتے وقت اختصار سے کام لینا چاہیے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قول کے مطابق دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ درویش کو چاہیے کہ اپنے آپ کو خوش شکل اور حسین بنا کر پیش کرے کیونکہ یہی جنتی روش ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ اللہ حسین ہے اور وہ حسن کو پسند کرتا ہے۔

آج کل کے ہمارے معاشرے میں مادہ پرست اور 'غرق اندر بدن' تہذیب کا غلبہ ہے اور ہماری روایتیں دم توڑ چکی ہیں۔ اسلامی تمدن دین سے غائب ہو گیا ہے۔ زندگی بظاہر خوشحال ہے مگر پریشان حال ہے۔ دل کا اطمینان اور روح کا سکون غائب ہو چکا ہے۔ دینی جماعتوں میں سیرت سازی کے بجائے نظریہ سازی پر زور ہے۔ علما کا مطمعِ نظر ملک میں سیاسی غلبہ کا ہے، معاشرے میں اسلامی اقدار کے نفاذ و نفوذ کا نہیں۔ رسولؐ عالی مرتبت کا قول ہے کہ میری امت پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ مسجدیں خوبصورت بنائی جائیں گی، ان کی محرابیں زرکاری سے مزین ہوں گی اور ان کے مینار اونچے ہوں گے مگر نمازیوں کے دل ویران ہوں گے اور

Marfat.com

ان کی نمازیں بے روح ہوں گی۔ تصوف کا مقصد انسان کو اعمال بد کے احوال سے بچانا اور اعمال صالح کے احوال سے روشناس کرانا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ہر طرف تشویش، بے چینی، تناؤ، دکھ اور خوف وحزن پھیلا ہوا ہے جبکہ تصوف معاشرہ میں توازن، ہم آہنگی اور اعتدال پیدا کرتا ہے۔

سوال: شریعت اور تصوف میں کیا فرق ہے؟

جواب: شریعت کے تین اجزا ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ علم بغیر عمل بے سود ہے اور عمل بغیر اخلاص کے بے سود۔ شریعت میں اخلاص پیدا کرنا ہی تصوف ہے۔ اللہ کے راستے کا علم کافی نہیں، اس راستے پر چلنا ہی اصل کام ہے۔ تصوف کا انحصار باتوں پر نہیں تجربہ پر ہے۔ زبانی باتوں سے حالات نہیں بدلتے، دل کے بدلنے سے ہی حالات بدلتے ہیں:

میں اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہیں دنیا میرا دل ہے
بدل جانے سے جس کے رنگ ہر چیز کا بدلا

تصوف کا دارومدار روح کی صفائی، کردار کی اصلاح اور قلب کی طہارت پر ہے۔ اخلاص، سچائی اور اللہ کا شعور ایسے خزانے ہیں جو کبھی فنا نہ ہوں گے۔ حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ علما ظاہر کے نزدیک محض عبادات ہی سب کچھ ہیں مگر عبادات اس وقت تک بے مقصد ہیں جب تک عقائد سے لگاؤ نہ ہو۔ موجودہ زمانے میں لوگوں نے علم تو حاصل کر لیا ہے لیکن یہ علم ناقص ہے کیونکہ اس کے ساتھ جذبے کی صداقت موجود نہیں۔ عشق کے بغیر علم محض گمراہی ہے علامہ فرماتے ہیں۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے ؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

تصوف میں سب سے بڑی چیز تعلق باللہ ہے۔ محمد الغزالی کا قول ہے کہ مسلمان تین قسموں کے ہیں پہلے گروہ میں انسانوں کے جمہور کی توجہ کا مرکز صرف دنیا ہے جس کے بارے میں سید الکائنات رسول آخرؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کو تباہ و برباد کرنے والے بھیڑیوں میں سے سب سے زیادہ خونخوار دولت کی محبت اور جاہ وجلال کی تمنا ہے۔ مزید یہ دنیا ان کے لئے شجر ممنوعہ ہے جو اگلی دنیا کے طلب گار ہیں جبکہ اگلی دنیا ان کے نصیب میں نہیں، جو اس دنیا کے طلب گار ہیں اور دونوں دنیائیں ان کے لئے شجر ممنوعہ ہیں جو اللہ جل جلالہ کے طلب گار ہیں۔

جو صاحبِ ایمان ہیں، ان کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت شدید ہے۔ مگر اسلام کے اندر محبت کا تصور یہ نہیں کہ بندہ دنیا چھوڑ کے کسی پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے، عمل سے بیگانہ ہو جائے، کوشش کے بجائے کاہلی اختیار کرلے جبکہ اسلام عشقِ الٰہی اور حبِ رسولؐ کو زندگی کی حرارت بناتا ہے۔ اس سے عمل میں جوش و ولولہ پیدا

Marfat.com

کرتا ہے۔اسے برائی اور باطل کے خلاف ڈٹ جانے کا ذریعہ بناتا ہے۔

اسلام اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ مقصد بھی نیک اور اس کے حصول کے ذرائع بھی پاکیزہ ہوں۔ علاوہ ازیں اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ ذرائع کو مقصد نہیں بنالینا چاہیے ورنہ وہ الٹا مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اسلام کے پانچ ارکان ہمارے دین کا پروگرام ہیں مگر ہم میں سے بیشتر نے اس پروگرام کو ہی مقصدِ حیات بنالیا ہے چنانچہ ارکانِ اسلام بے اثر ہوکر رہ گئے ہیں۔ ہماری نمازیں ہمیں کار بد سے نہیں روکتیں، ہمارے روزے ہم میں ضبطِ نفس اور تقویٰ پیدا نہیں کرتے۔ ہمارا حج ہمارے دلوں کا تزکیہ نہیں کرتا، علامہ فرماتے ہیں۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تُو باقی نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ کے عشق کو سینے میں سمیٹ لینا ہی تصوف ہے۔تصوف کا مطمعٔ نظر ہرگز یہ نہیں کہ سالک مشاہدات اور کیفیات میں ہی کھوکر رہ جائے۔مشاہدات اور کیفیات اس راہ کے انعامات ہیں، حاصلِ منزل نہیں بلکہ ان کو ہی مقصود بنالینے سے ترقی رک جاتی ہے۔تصوف کا مقصد خود شناسی اور خدا شناسی کے ذریعے انسان کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے ملاقات کے قابل بنانا ہے۔شرف انسانیت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر جذب کرکے اللہ کی طرح قوی اور حسین بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ سے قلبی تعلق اور احساس اپنایت سالک کی اوّلین ترجیح ہونی چاہیے۔ ہمارا مطمعٔ نظر آپ کو کرامت و معجزہ سے نہیں بلکہ علم وکسب کی بنا پر بہترین انسان بنانا ہے۔

سوال: محترم ایک لفظ "تعلق باللہ" عام طور پر سنا جاتا ہے اس کی وضاحت فرمادیں؟

جواب: تصوف کے راستے میں سب سے بڑی چیز تعلق باللہ ہے اور اللہ کا ذکر ہی سب سے افضل عبادت ہے۔

دانائے سبل، ختمِ رسلؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر زنگ کے لیے صیقل ہے۔دلوں کا صیقل ذکرِ اللہ ہے اور سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔تصوف کا بنیادی ذکر یہی ہے۔فجر کی نماز سے قبل یا اس کے بعد پانچ ہزار بار یا کم ازکم ایک ہزار بار اس کی تسبیح بلاناغہ کریں۔ پہلے اور آخر کسی مقررہ مقدار میں درود شریف پڑھیں۔اس کے بعد ذکر کا افضل ترین مقام یہ ہے کہ آپ اللہ کی یاد کو دل میں بسالیں۔اس طرح اللہ ہروقت آپ کے دل میں رہے گا۔شروع شروع میں ذکر بالجہر کریں تاکہ آپ کے کان اللہ کے نام سے مانوس ہوجائیں اور پھر ذکر خفی کریں جب آپ اس ذکر میں پختہ ہوجائیں اور اس ذکر کے اثرات آپ کے قلب پر مرتب ہوجائیں تو پھر اسی طرح 'یا اللہ، یارحمٰن، یارحیم' کا ذکر شروع کردیں۔اس کے ساتھ کچھ عرصہ بعد ذکر سرّی کریں یعنی بولے بغیر

Marfat.com

سانس سے لفظ اللہ کو دل پر لکھیں۔ اسی مشق سے آنکھوں سے پردہ اٹھتا ہے۔ محتاط رہیں علما ظاہر کی نمازوں کی طرح آپ کے ذکر و فکر پر معمول کا جمود طاری نہ ہو جائے بلکہ آپ کو یہ محسوس ہو جیسے ہر روز واردات تازہ ہو رہی ہو۔ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ کہیں آپ ذکر کی فنیات میں ہی پھنس کر نہ رہ جائیں اور آپ کی توجہ مطلوب پر مرکوز نہ رہے۔

سوال: ہمارے دین کی اساس کیا ہے؟

جواب: یہ جان لیں کہ کلمہ شہادت ٗنماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج (اسلام کے پانچ ارکان) ہمارے دین کے برگ و بار ہیں۔ اس کی اساس نہیں۔ اسلام کی اساس سچ پر ہے۔ حدیث نبویؐ کے مطابق جو شخص جھوٹ بولتا ہے وہ مسلمان نہیں رہتا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ 'حق' ہے۔ اس لئے جو شخص سچ نہیں بولتا وہ کافر، مشرک اور منافق ہے اور اس کی نمازیں اس کے منہ پر ماری جاتی ہیں۔ افسوس کہ ہمارے منبر و محراب نے ارکانِ اسلام پر ہی زور دیا ہے اس کی اساس پر نہیں۔ نتیجتاً دروغ گوئی پاکستان کا سکہ راج الوقت بن چکی ہے۔

اللہ مومنوں کے دلوں میں رہتا ہے اس لیے اپنے دل پر توجہ مرکوز رکھیں اور دوسروں کا دل نہ دکھائیں۔ شکستہ دلوں سے ہمدردی اللہ کو بہت پسند ہے۔ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ پر پہلا حق آپ کے لواحقین اور ہمسایوں کا ہے، بالخصوص اپنے قرب و جوار میں ان سفید پوشوں کو تلاش کریں جو ضرورت مند ہیں مگر مانگتے نہیں۔

ذکر و عبادات اس طرح ادا کرنی چاہیے جیسے آپ اللہ کے حضور کھڑے ہیں اور اگر آپ اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ آپ کو دیکھ رہا ہے نکتہ غیب و حضور اندر دل است۔ سالک کو چاہیے کہ وہ دنیا کو اللہ اور غیر اللہ میں بانٹ کر اللہ کی طرف دوڑ پڑے اور توکل علی اللہ، صبر رضا اور جہاد اکبر سے اپنی عبادات کو منور کر لے۔ سالک کا زادِ رہ ہے: اللہ کی محبت، ذکر دوام اور کثرتِ نوافل و سجود اور جو کوئی دوست بن جائے گا اللہ اور اس کے رسول کا اور ان کا جو ایمان لائے تو بے شک اللہ کی جماعت (حزب اللہ) ہی سب پر غالب رہنے والی ہے۔ بے شک اسلامی دنیا میں انقلاب آ کے رہے گا مگر یہ انقلاب ہمیں اپنے خونِ جگر سے برپا کرنا پڑے گا۔ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کر دیں
شکوہ سنجر و فقر جنید و بسطامی

سوال: معرفتِ الٰہی کیسے حاصل ہوتی ہے؟

جواب: معرفتِ الٰہی کے عموماً تین راستے شناخت کئے جاتے ہیں۔ عقلی، روحانی اور عملی۔ عقلی یا فلسفیانہ راستہ غور و فکر یا دلائل و براہین پر مبنی ہوتا ہے۔ مراقبہ بھی اس راستے کا جُز ہے، جس کے دوران ذاتِ الٰہی پر توجہ مرکوز کر کے غور و فکر کیا جاتا ہے۔ مراقبہ کے دوران اللہ جل جلالہ کا جو تصور بھی آپ کو روحانی تسکین دے وہ جائز ہے مگر اس کا ذکر نہ کریں۔ مراقبہ کے دوران اللہ تعالیٰ کی احادیث پر غور کر کے اپنے وجود کو ہر قسم کے شرک

Marfat.com

سے پاک کیا جاتا ہے اور محسوس کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ہے۔ اور وہ آپ کے قریب ہے۔ روحانی راستہ ذکرِ کثیر اور کثرتِ سجود پر مبنی ہے جبکہ عملی راستہ کا انحصار نیکی کرنے اور برائی سے بچنے اور خدمت خلق پر ہے۔ یہ تین راستے ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی راستے کے جز ہیں۔ ذکر و فکر لازم و ملزوم ہیں۔ اکیلا ذکر جذب و مستی کی طرف لے جاتا ہے جبکہ مجرد فکر عقل پرستی کے چنگل میں پھنسا دیتا ہے۔

سوال: محترم علامہ اقبال نے خودی کا لفظ اپنے کلام میں بہت استعمال کیا ہے، اصل میں یہ ہے کیا؟

جواب: خودی، ذات یا روح کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ فطرت ہے جس پر غلبہ پانا ضروری ہے جو چیز خودی کو استحکام بخشتی ہے وہ خیر ہے اور جو اس کو ضعیف و مضمحل کرتی ہے وہ شر ہے۔ ذات یا خودی انفرادیت سے علیحدہ ہے۔ پتھر اور درخت میں انفرادیت ہوتی ہے لیکن وہ خودی کے جوہر سے محروم ہوتے ہیں خودی روحانی شے ہے جس کی تعمیر سعی و جہد کے بغیر ممکن نہیں۔ سعی و جہد کا نتیجہ ہے غم۔ اس غم سے خودی کی وحدت پیدا ہوتی ہے جو تغیر میں برقرار رہتی ہے۔ شعورِ ذات خودی کی خاص شان ہے۔ اسلام نے خودی کی آزادی کو عبدیت سے محدود کیا ہے کہ بغیر اس کے اس کی تعمیری صلاحیتیں بروئے کار نہیں آ سکتیں۔ باطنیت میں یا تو خودی خدا بننے کا دعویٰ کرتی ہے جو اس کے بس کی بات نہیں یا پھر بے امتیاز ابدیت میں ضم ہو جاتی ہے اور اس کا علیحدہ وجود باقی نہیں رہتا۔ خودی کا اسلامی تصور یہ ہے کہ فرد مخلوق ہے جس کی ذات میں ذاتِ باری نے بے انتہا امکانات پوشیدہ رکھے ہیں جو سب کے سب زندگی میں ظاہر نہیں ہوتے خودی اپنے شعور کے اعلیٰ ترین نقطے پر پہنچ کر بھی عبدیت کے عقیدے کے مطابق تابع اور محدود رہتی ہے۔ انسانی خودی کی نجات یہ نہیں کہ وہ ذات باری میں فنا ہو جائے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے کو خالق کائنات کے ارادے کا تابع کر دے۔

نجات اس میں نہیں کہ خودی ارادے کو فنا کر دے۔ اگر خودی ارادے کو فنا کر دے تو اپنی خواہشوں اور فطری میلانوں کی مناسب تجدید کیسے کرے گی جو اخلاق کی بنیاد ہے۔ خودی اخلاق کی خالق ہے۔ جس طرح خودی کا خالق خُدا ہے۔ جس طرح گوہر اپنی آب و تاب کے لیے صدف کا محتاج ہے اسی طرح انسانی خودی اپنی پوری ترقی اور کمال کے لئے نظم اجتماعی کی محتاج ہے۔ اقبال جماعتی زندگی کو بے خودی سے تعبیر کرتا ہے۔ خودی اور بے خودی میں جب تک ہم آہنگی نہ پیدا ہو گی اس وقت تک انسانی زندگی بار آور نہیں ہو سکتی۔ اقبال فرد کو ملت کے لئے اور ملت کو فرد کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ مکانی بُعد یا انفرادی غرضوں کے تصادم سے افراد میں جو علیحدگی پیدا ہوتی ہے وہ ملت کے جذباتی اور روحانی تعلق سے بڑی حد تک دور ہوتی رہتی ہے۔

سوال: کیا زندگی میں توازن ممکن ہے؟

جواب: جب عقل کو وجدان کی صحیح راہبری نصیب نہ ہو تو زندگی میں توازن ممکن نہیں۔ ذہن کی تربیت کے ساتھ دل کی تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک عقل کی بے راہ روی پر اخلاقی پابندیاں عائد

Marfat.com

نہیں ہوں گی اور عشق وعقیدت کو ان کا کھویا ہوا مقام نہیں ملے گا، اس وقت تک انسانیت بھٹکتی پھرے گی اور زندگی کا ارتقا نامکمل رہے گا۔ جدید تمدن کی بقا اس میں ہے کہ وہ خارجی عالم کی تسخیر کے علاوہ باطن کی دنیا کا بھی رمز شناس بنے۔ اقبال کے فلسفہ تمدن کا سنگِ بنیاد عقل وعشق کا امتزاج ہے۔ تہذیب فرنگی کی نارسائی یہ ہے کہ وہ بے حرم ہے۔ حکومت کا کوئی طرز مطلق حیثیت نہیں رکھتا۔ ہر قسم کی حکومت اچھی ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ عدل و اعتدال کے اصولوں پر مبنی ہو اور قوانینِ الٰہی سے چشم پوشی نہ کرے جو فطری قوانین ہیں اور جنہیں ہر جماعت اپنے مزاج کے مطابق ڈھال سکتی ہے۔

مردِ مومن میں اپنی بے نیازی کے باعث غیر معمولی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ عدل سے مراد ایسا نظام حیات ہے جس میں جماعت کے ہر رکن کو اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا پورا موقع ہو اور وہ اجتماعی زندگی میں وہی حصہ اور مرتبہ حاصل کر سکے جس کا وہ فی الحقیقت مستحق ہے۔ بغیر اس کے کوئی مستحکم تمدن اور وسیع تہذیب وجود میں نہیں آسکتی۔

مظلوم بھی ایک طرح کا ظالم ہے کہ وہ دوسروں کو ظلم کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اسلام کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دین اور دنیا کی تفریق کو مٹا دیا۔ جب تک اخلاقی اور معاشی مقاصد ہم آہنگ نہ ہوں اس وقت تک زندگی میں ربط وحدت پیدا نہیں ہوسکتی۔ حقِ معیشت کی مساوات اس نوعیت سے ہونی چاہیے کہ بغیر محنت کے کوئی شخص معاشی خوش حالی کی منزل تک نہ پہنچ سکے اور اگر اس منزل تک پہنچ جائے تو معاشرے میں اس کو کوئی غیر معمولی حقوق حاصل نہیں ہونے چاہئیں۔ اصول وراثت، زکوٰۃ اور سود کی ممانعت سے اب ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ سرمایہ معاشرے کے مختلف طبقوں میں چلتا پھرتا رہے اور زیادہ عرصے تک کسی ایک خاندان کے ہاتھ میں نہ رہ سکے۔ اس نظامِ دولت کا فرق فضیلت و برتری کی ضمانت نہیں ہوسکتا۔ فضائل کا منبع روحانی زندگی ہی رہے گی نہ کہ خارجی مادی زندگی۔ اشتراکیت کی تعلیم مادی اور اقتصادی مساوات چاہتی ہے لیکن وہ صرف لوگوں کے خارجی احوال میں تبدیلی سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی مدعی ہے۔ جب تک کوئی تعلیم انسانوں کے دلوں اور نیتوں میں تغیر نہ پیدا کرے اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ معاشی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ انسانوں کو اپنے معاشی عمل سے اس قدر محرومی اور نامرادی کا احساس کبھی نہیں ہوا جیسا کہ جدید سرمایہ داری کی تہذیب میں نظر آتا ہے۔ اسلام دولت کو تقوٰے کے ذریعے آلودگیوں سے پاک کر دیتا ہے اور مومنوں کو اس کا امین ٹھہراتا ہے۔ دولت ایک وجہ سے خیر اور ایک وجہ سے شر بن سکتی ہے۔ اگر انسان انوارِ حق کا دیدار کرنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کے ممکنات سے واقف ہو اور اپنی خاک میں سے گوہرِ حیات نکالے اور چمکائے۔ عرفانِ خودی کے بغیر عرفانِ الٰہی ممکن نہیں۔ اگر انسان خود اپنی تلاش میں لگ جائے تو ذاتِ واجب تعالیٰ تک اس کا پہنچنا یقینی ہے۔

Marfat.com

سوال: وحدت الوجود سے کیا مراد ہے؟

جواب: وحدت وجود کی رو سے ذاتِ باری کائنات اور انسان میں جاری وساری ہے۔ سارے عالم میں اصول وحدت کارفرما ہے۔ موضوع اور معروض کا فرق فریبِ نظر ہے۔ اگر ذاتِ باری تعالیٰ اور عالم ایک ہی ہیں تو ذات اور صفات کا فرق بے معنی ہے۔ معروضی طور پر عالم غیر حقیقی ہے۔ صرف وجود ذات باری کا ہے۔ لاموجود الا اللہ کے اصول کے مطابق خدا ہر چیز میں موجود ہے۔ ہمہ اوستی فلسفے میں زندگی کا کمال یہ تصور کیا جاتا ہے کہ انسان اپنی اَنا مقید کی حق تعالیٰ کی اَنا مطلق میں فنا کر دے اور حقیقت سے علیحدگی کا احساس باقی نہ رہے۔ خالق اور مخلوق کی بے امتیاز وحدت کبھی بھی قائم نہیں ہو سکتی۔

اقبال وحدت وجود کے بجائے وحدت وجوب کا قائل معلوم ہوتا ہے۔ ذات باری کا وجود بطور دانائے کامل معین اور ماورا ہے۔ انسان کا انجام یہ نہیں ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کے سمندر میں غرق ہو جائے بلکہ خود ذات الٰہی کو اپنے میں جذب کر لے تا کہ کبھی فنا نہ ہو سکے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کائنات اور انسان کا وجود ذات واجب سے علیحدہ ہے۔ جب ذات واجب کو کائنات اور انسانی وجود میں جاری وساری مانا جائے تو اشیاء کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ جب ہر چیز میں خدا کا جلوہ موجود ہو تو کوئی چیز بھی بری نہیں ہو سکتی۔ اگر وحدت الوجود صحیح ہے تو خدا اور انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ انسانی خودی کا اعلیٰ ترین نصب العین یہی ہے کہ انسان خدا کی صفات سے متصف ہو جائے نہ یہ کہ وہ ذاتِ الٰہی میں فنا ہو جائے۔ اقبال اس فنائیت کے نظریے کا مخالف ہے۔ اس کے نزدیک وصل میں بھی فراق کی کیفیت باقی رہنا ضروری ہے۔

ماورائیت: Transcendence

داخلیت: Immanence

جدائی عشق کی آئینہ دار ہے اور عاشقوں کو سازگار ہے۔ اس کی برکت سے انسانی دل تابناک رہتا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ وجود کی اساسی ایگو (ego) ہے جو انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ عالم یا فطرت ذات واجب تعالیٰ کی شان ہے لیکن وہ اس سے ماورا ہے۔ خودی ذاتِ واجب سے قُرب و اتصال حاصل کر سکتی ہے نہ کہ اتحاد و حلول۔

سوال: کیا انسان اپنی تقدیر بدل سکتا ہے؟

جواب: اگر انسان اپنے نفس میں مناسب تبدیلی پیدا کرے جس پر بڑی حد تک اس کو قدرت حاصل ہے تو تقدیر بدل سکتی ہے مگر ہر ایک کو اس کی سعی کے موافق توفیق ملی۔ اس سعی کی مقدار اور نوعیت پہلے سے علمِ الٰہی میں تھی۔ عارف وہی ہے جو تقدیر کے ساتھ جھگڑا کرے۔ وہ نہیں جو اپنے آپ کو اس کے موافق کر دے۔ مستقبل پہلے سے بندھا ٹکا اور مقررہ نہیں بلکہ ایک کھلے امکان کے طور پر موجود رہتا ہے۔

Marfat.com

انسان کامل کی خودی جب اپنی وجدانی قوت کے بل پر زمان ومکان کی تسخیر کرتی ہے تو وہی معراج ہے۔
تجلی اسما، تجلی صفات، تجلی ذات، بصیرت روح ہی سے حاصل ہوتی ہے جو وجدان کا سرچشمہ ہے۔
شخصیت ایک جوش یا جدوجہد کی حالت ہے۔شخصیت کا وجود اس وقت تک ہے جب تک جوش وجہد کی یہ حالت برقرار ہے۔ذاتِ باری کا دیدار خودی اپنی ہستی کو برقرار رکھ کر کرے گی۔اقبال کی نظر میں حیات اور موت مشروط ہے صرف وہی اشخاص مرنے کے بعد باقی رہیں گے جنہوں نے اپنی خودی کو مستحکم کرلیا ہوگا۔کیا خوب فرماتے ہیں۔کیا خوب فرماتے ہیں۔

نہ تھا اگر تو شریک محفل قصور میرا ہے یا کہ تیرا
میرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

◎

سوال: پروفیسر صاحب ہمیں اس بات کی بڑی فکر لگی رہتی ہے کہ پاکستان کا کیا بنے گا۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔آپ براہ مہربانی تفصیل سے اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا سکھائی ہے کہ یا اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہو۔عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود کو کسی کام میں اس طرح Involve سمجھتا ہے کہ وہ کام اس کی ذمہ داری ہے حالانکہ وہ کام اس کی ذمہ داری نہیں ہوتا۔یہاں سے بڑے بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور پھر انسان کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔اپنی حدود اور استعداد سے باہر کی خواہش نہیں ہونی چاہیے جو چیز خواہش میں ہے لیکن استعداد میں نہیں تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے جو چیز خواہش میں ہو اور دسترس میں نہ ہو تو یا تو اپنی دسترس بڑھالو یا پھر خواہش کو مختصر کرلو۔آپ کبھی بیمار ہو جائیں تو اس کا علاج عام طور پر خود نہیں کرتے کیونکہ اس کے لیے الگ شعبہ ہے، اس بارے میں ڈاکٹر سے یا حکیم سے پوچھا جائے۔آدمی جانتا ہے کہ ”جس کا کام اسی کو ساجھے“۔اسی طرح عدالت کا معاملہ ہو تو وکیل سے پوچھتے ہیں مگر جب کبھی آپ ملک ریاست سیاست یا بین الاقوامی طور پر سوچتے ہیں تو پھر اس کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں اگر اس کو آپ نے اپنی ذمہ داری سمجھا ہے تو مبارک ہو، اب اس کو پورا کرو! مثلاً اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں ہر روز پچاس آدمیوں کی خدمت کروں تو یہ اچھی بات ہے۔اب کرو! پھر گھبراتے کیوں ہو؟ یہاں پر وہ آدمی پریشان ہوگا جو خدمت کا دعویٰ بھی رکھتا ہے اور دل میں کچھ نفرت بھی موجود ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص معاملات کی اصلاح کی آرزو رکھتا ہے تو یہ اچھی بات ہے۔آرزو ضرور رکھو مگر خدمت کا آپ کے پاس شعور نہیں۔ایسا آدمی پھر اپنے لیے ہلاکت کا سامان پیدا کرتا ہے۔وہ ایسی چیز کی تمنا کرتا ہے جو اس کی ہستی میں نہیں۔کتنے وہ لوگ ہیں جو مہمان نوازی سے باہر جانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر پریشان ہو جاتے ہیں۔اس کے گھر والے یہ گلہ کرتے ہیں کہ دوسروں کو بہت وقت دیتا ہے تو مطلب

Marfat.com

یہ ہے کہ خواہش اور استعداد میں فرق ہو تو خواہش آپ کو ہلاک کر دے گی اور ایک آدمی اگر دوسرے پر زیادتی کر رہا ہے اور دونوں آپ کی دسترس سے باہر ہیں تو سوائے اس کے کہ آپ پریشان ہو جاؤ، آپ کے پاس کوئی عمل موجود نہیں ہے۔ اس کا حل تو یہ ہے کہ آپ کے پاس قوت ہو اور آپ دونوں کی غلطی find کر کے ان کی اصلاح کر دو۔ اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کی اصلاح تمہارے پاس نہیں ہوتی بلکہ معاملہ تمہاری سمجھ سے بالا تر رہتا ہے۔ پہلے آپ زندگی کو زندگی کے حوالے سے دیکھو۔ کیا آج کے موجودہ انسانوں سے پہلے کوئی انسان آیا؟ کیا لاہور میں آپ سے پہلے کوئی انسان آباد تھے؟ آج کل آپ کے آباؤ اجداد یا کوئی اور لوگ تھے؟ وہ سب اپنا دور پورا کرتے ہوئے اور لاہور کو رونقوں کے حوالے کرتے ہوئے آپ سے رخصت ہو گئے۔ اب اگلی بات دیکھو! کیا آپ کے بعد کوئی لوگ آنے والے ہیں؟ وہی تو آپ کے گھروں میں پل رہے ہیں اور یہی آپ کو رخصت کریں گے۔ اس میں گھبرانے والی کون سی بات ہے یہ حقیقت ہے! جس طرح آپ لوگوں نے اپنے بزرگوں کو غم سے رخصت کیا، اسی طرح آپ کے بچے آپ کو روانہ کریں گے پھر آپ کے بعد یہ لوگ سارے کام کر لیں گے آپ سے پہلے اس جہاں میں کتنے ہی باغ لگ لگ کر سوکھ گئے۔ پھر تم کون سا گلاب ہو، تو آپ اپنی ہستی کو اس وسیع کائنات کی ہستی کے تناظر میں دیکھو۔ آپ کی ہستی ایسے ہے جیسے جنگل کے اندر ایک مور ہے جو ناچنے کی فکر کر رہا ہے پھر نہ جنگل رہیں گے اور نہ مور۔ زمانے بدل جائیں گے پہلے بھی کئی زمانے بدل گئے۔ آخر مر جانے کے علاوہ انسان کو اور کیا کرنا ہے جن کو تم کندھا دیتے ہو ان کا غم اتنا ہوتا ہے کہ آرام سے مٹی ڈال کے آ جاتے ہو، دفن کرنے کے بعد فراغت کے ساتھ بیٹھ جاتے ہو جیسے کبھی کسی کو دفن ہوتے نہیں دیکھا۔ کہتے ہو بڑا قریبی آدمی تھا جو بہت دور چلا گیا ہے اور اب تیاری کرنی چاہیے کیونکہ شام کو واپس بھی جانا ہے اور پھر اس غم کے اندر وہی باتیں وہی چاول وہی کھانا پینا عجیب انسان ہے، غم ہو یا خوشی ہو، اس کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔ غم کتنا ہی سنگین ہو، نیند سے پہلے کا ہے پھر نیند کی بہار آ جاتی ہے کوئی پوچھے کہ غمگین آدمی کہاں چلا گیا؟ کہتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر کی گولی کھا کر سو گیا تو کوئی بھی غم ہو، تکلیف ہو، اذیت ہو، ذاتی مسئلہ ہو ملک کا مسئلہ ہو حادثہ ہو یا آسمانی آفت ہو، آپ ان سب کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہو مگر میرا خیال ہے کہ کائنات کا کوئی غم ایسا نہیں ہے جو آدمی برداشت نہ کر سکے۔ اگر کوئی سے دو انسان ایک دوسرے کے لئے زندگی گزارنے کی تمنا کریں اور ایک دوسرے کے لئے زندہ رہنے کی خواہش رکھیں تو پھر کائنات میں کوئی غم نہیں۔ غم آپ کے گھر کے اندر دراڑ کا نام ہے اور پریشانی آپ کے اپنے اندازِ فکر کا نام ہے۔ ہم نے کوئی انسان ایسا نہیں دیکھا جو وسیع غم کی وجہ سے ذاتی زندگی ترک کر چکا ہو، ایسے بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں مثلاً مہاتما بدھ نے پریشان ہو کر گھر چھوڑ دیا۔ بڑے آرام سے انسان غم اور غم کی شدت کو ناپنے کے بعد برداشت کر کے پھر اپنی خوشیوں میں واپس چلا جاتا ہے، پھر وہی انسان وہ کر کے رہتا ہے جو چاہتا ہے۔

Marfat.com

سوال: نفسِ امارہ کی تشریح فرما دیں؟

جواب: مولانا رومی فرماتے ہیں:

نفس فرعون است آں سیرش مکن
تانہ یادش آید آں کفر کہن

نفس اپنے امارہ بالسوء ہونے کی وجہ سے فرعون خصلت ہے لہٰذا اس کو زیادہ سیر مت کرو۔ یہ دو خوراک کی وجہ سے موٹا ہو جاتا ہے۔ ایک تو اس کو غذا بہت زیادہ مت دو۔ اتنا زیادہ گھوڑے کو کھلانا کہ جس سے سوار کو گرا دے نادانی ہے۔ بس اتنا کھلاؤ کہ وہ قابو میں رہے۔ نفس کو اتنا زیادہ مت کھلاؤ پلاؤ کہ جس سے تم اس پر کنٹرول اور قابو نہ کر سکو اور دوسری خوراک اس کو گناہ سے ملتی ہے۔ جسمانی غذا سے اس کو اتنا مزہ نہیں آتا جتنا کہ گناہ سے آتا ہے اور ہر گناہ کے بعد اس کی طاقت گناہ کے مزاج میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ شیطان تو یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ جی بھر کے خوب گناہ کر لو پھر ہمیشہ کے لیے متقی بن جاؤ۔ گناہوں سے پیٹ بھر جائے گا مگر نفس کا پیٹ گناہوں سے نہیں بھرتا، گناہ کے تقاضوں میں اور شدت آ جاتی ہے کیونکہ گناہ نفس کی غذا ہے۔ اپنی غذا پا کر یہ اور تگڑا ہو جاتا ہے۔ اس لیے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ نفس کو سیر مت کرو ورنہ اس کو اپنا پرانا پاپ یاد آنے لگے گا، جس طرح فرعون کو اپنا پرانا کفر یاد آ گیا تھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوتِ اسلام دی تو اس کا قفل کفر ٹوٹنے لگا اور وہ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوا لیکن کمبخت نے اپنے وزیر ہامان بے ایمان سے مشورہ کیا تو ہامان نے اپنا سر پیٹ لیا اور مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس بے ایمان نے فرعون سے کہا کہ اگر تم اسلام لاتے ہو تو پہلے مجھے قتل کر دو کیونکہ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ آسمان زمین ہو جائے اور خدا بندہ ہو جائے۔ ہامان نے فرعون کے نفس کو حُبِ جاہ کی غذا دی جس سے فرعون کا نفس پھول کر کپا ہو گیا اور وہ پہلے ہی طغیان و سرکشی و تکبر میں مبتلا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ اسلام سے اس کے نفس کی گرفت کچھ ڈھیلی ہوئی تھی کہ حُبِ جاہ کی غذا ملتے ہی اس کا نفس پھر شیر ہو گیا اور پھر اس کو اپنا پرانا کفر یاد آ گیا جس نے اس کو برباد کر دیا۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں کہ نفس فرعون ہے اس کو گناہوں کی غذا سے سیر مت کرو۔ فرعون کو جاہ نے مار دیا اگر تم نے حسینوں کو دیکھا تو نفس کو باہ کی غذا مل جائے گی اور گناہوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے کیونکہ نفس گناہوں سے سیر نہیں ہوتا۔ اس لیے جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن جہنم سے فرمائیں گے کہ کیا تیرا پیٹ بھر گیا هَلِ امْتَلَئْتِ تو جہنم کہے گی کہ هَلْ مِنْ مَزِيْد اللہ میاں ابھی تو پیٹ نہیں بھرا مجھے اور مال چاہیے تو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مزاج جہنم کا ہے وہی نفس کا ہے۔ گناہ سبب ہے جہنم کا اور سبب اور مسبب کا مزاج ایک ہوتا ہے۔ لہٰذا جیسے جہنم کا پیٹ گناہ گاروں سے نہیں بھرا تو نفس کا پیٹ بھی گناہوں سے نہیں بھرتا۔ نفس ایک لاکھ گناہ کر کے بھی کہے گا هل من مزید اور لاؤ یہاں تک کہ

Marfat.com

ساری دنیا کے حسینوں کو اگر کوئی دکھا دے اور صرف ایک حسین باقی رہ جائے تو حکیم الامت کا ارشاد ہے کہ بدنظری کرنے والے کے کان میں اتنا کہہ دو کہ ساری دنیا کے حسین میں نے تم کو دکھا دیے، بس ایک باقی ہے تو نفس کہے گا وہ بھی دکھا دو۔ یہ ہے نفس کا مزاج۔ اس کا علاج وہی ہوگا جو جہنم کا ہوگا، جو ہیڈ آفس کا علاج ہوتا ہے وہی برانچ کا ہوتا ہے، مرکز کا علاج اور شاخوں کا علاج ایک ہوتا ہے۔ تو جب جہنم کہے گی ھل من مزید کہ اے اللہ میرا پیٹ نہیں بھرا اور گناہ گار سب ختم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کسی بے گناہ مخلوق کو جہنم میں تھوڑی ڈالیں گے بلکہ اپنا قدم رکھ دیں گے۔ فَیَضَعُ قَدَمَہٗ۔ جب اللہ اپنا قدم رکھے گا تو جہنم کہے گی قط قط وفی روایۃٍ قط قط قط بس بس بس اللہ پیٹ بھر گیا۔ علامہ قسطلانی رحمتہ اللہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اللہ تو جسم سے پاک ہے وہ قدم کیسے رکھیں گے تو فرماتے ہیں کہ قدم سے مراد اللہ کی خاص تجلی ہے۔ خاص نور ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں گناہوں کے تقاضوں کی آگ کا علاج گناہوں کا ارتکاب نہیں ہے، نارِ شہوت کا علاج شہوت کو پورا کرنا نہیں ہے۔ گناہ کرنے کے خبیث ذوق کا علاج گناہ کرتے رہنا نہیں ہے۔ یاد رکھو کتنے لوگ گناہ کرتے کرتے مر گئے لیکن گناہ کا تقاضا ختم نہیں ہوا اور اسی نافرمانی کی حالت میں بری موت مرے۔ لہٰذا گناہوں سے بچنے کا علاج صرف اللہ سے تعلق ہے کہ اللہ کے نور اور تجلی کو دل میں لاؤ لہٰذا اللہ کا ذکر کرو، اللہ والوں کے پاس رہو، جب قلب میں نور آئے گا تو نفس کا پیٹ بھر جائے گا پھر گناہ کرنے کو دل ہی نہ چاہے گا اور اگر چاہے بھی تو لگام کی بہت معمولی سی جنبش سے نفس کا مہذب گھوڑا رک جائے گا۔ بس دل میں جب اللہ کا نور آئے گا تب شہوت کی آگ بجھے گی۔

سوال: تصوف کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: تصوف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک کو صوفی، دوسرے کو متصوف اور تیسرے کو مستصوف کہتے ہیں۔

(1) صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔

(2) متصوف وہ ہے جو ریاض و مجاہدے کے ذریعہ اس مقام کو طلب کرے اور وہ اس مقام کی طلب و حصول میں صادق اور راستباز رہے۔

(3) مستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت و منزل اور مال و دولت کی خاطر خود کو ایسا بنائے اور اسے مذکورہ منازل و مقامات کی کچھ خبر نہ ہو۔ ایسے نقلی صوفیوں کے لیے عرفا کا مقولہ ہے۔ صوفیا کرام کے نزدیک نقلی صوفی مکھی کی مانند ذلیل و خوار ہے وہ جو کرتا ہے۔ نفس کے لیے کرتا ہے اور دوسروں کے نزدیک بھیڑیے کی مانند ہے۔ جس طرح بھیڑیا اپنی تمام قوت و طاقت مردار کے حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے۔ یہی حال اس نقلی صوفی کا ہے۔ گویا صوفی صاحبِ وصول ہے اور متصوف صاحبِ اصول اور مستصوف صاحبِ نقول اور فقول اور

Marfat.com

فضول۔ جسے وصل نصیب ہو گیا وہ مقصود کو پانے اور مردار کو حاصل کرنے میں اپنے نفسانی قصد وارادہ سے بے نیاز ہو گیا۔ اور جسے منزل اصول نصیب ہو گئی اور احوال طریقت پر فائز اور لطائف معرفت پر مستحکم ہو گیا اور جس کے نصیب میں فضول ہے اور وہ نقلی صوفی ہے وہ حقیقت ومعرفت کی منزل سے محروم رہ کر محض رسم ورواج کی چوکھٹ پر بیٹھ گیا ہے۔ اس کے لیے یہی ظاہری رسوم ورواج اور طور وطریق معنی وکنہ سے محجوب ومستور بن گیا ہے۔ کیونکہ وصل واصل سے حجاب میں رہنا معیوب ہے۔ اسی سلسلے میں مشائخ طریقت کی بہت رمز رموز ہیں اس جگہ ان کا تمام وکمال کا بیان کرنا تو دشوار ہے البتہ کچھ رمز واشارات بیان کرتا ہوں وباللہ التوفیق۔

سوال: پروفیسر صاحب آج کل تو ہر دوسرا بندہ صوفی بنا پھرتا ہے؟

جواب: حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو۔ مطلب یہ کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرے۔ اور علائق سے کنارہ کشی اس کے حال پر ناطق ہو۔ یعنی اس کا بولنا بوقت کلام اصولِ طریقت پر صحیح ہو اور اس کا کردار بوقت سکوت مجرد محض ہو اور یہ دونوں حالتیں درست ہوں۔ جب بولے تو اس کی ہر بات حق ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا ہر فعل فقر ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف ایسی خوبی ہے جس میں بندے کو قائم کیا گیا ہے۔ کسی نے پوچھا یہ حق کی صفت ہے یا بندے کی۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم وحالت بندے کی صفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی حقیقت بندگی کی صفت کی فنا چاہتی ہے اور صفت زندگی کی فنا، حق کے ساتھ بقا کی صفت اور صفت حق ہے اور اس کی ظاہری رسم وحالت بندے کی دائمی ریاضت ومجاہدے کی مقتضی ہے اور دائمی مجاہدہ یہ بندے کی صفت میں صحیح نہیں ہو سکتی اس لیے کہ بندے کی صفات میں دوام نہیں اور خلق کی صفت بجز رسم وظاہر کے کچھ نہیں۔ کیونکہ خلق کی صفت میں بقا نہیں ہے بلکہ وہ حقیقتاً حق کا فعل ہے لہٰذا ان صفات کی حقیقت حق کے ساتھ ہو گی۔ اس مفہوم کو یوں سمجھو کہ حق تعالیٰ نے بندے کو روزہ رکھنے کا فرمایا۔ روزہ رکھنے کی وجہ سے بندہ روزہ دار کہلایا۔ یہ روزہ از روئے رسم ظاہری بندہ کی صفت ہو گی۔ لیکن از روئے حقیقت روزے کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں خبر دی کہ ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔'' مطلب یہ ہے کہ روزہ میری وجہ سے ہے اور جو کچھ ان کے مفعولات سے ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے۔ لیکن تمام عبادتوں اور چیزوں کی نسبت بطریق رسم ومجاز ہو گی نہ کہ حقیقت!

سوال: جناب محترم یہ حقیقت اور مجاز کا کیا چکر ہے؟

جواب: حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''تصوف تمام نفسانی لذات سے ہاتھ

Marfat.com

کھینچنے کا نام ہے۔'' اس کی دو قسمیں ہیں ایک رسم یعنی مجاز دوسرے حقیقت۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اگر نفسانی لذتوں کو چھوڑ چکا ہے تو ترکِ لذت بھی تو لذت ہے اسی کو رسم و مجاز کہا جاتا ہے اور اگر وہ اس کا بھی تارک ہے تو یہ فنائے لذت و حظ کہلاتی ہے اس معنی کا تعلق حقیقت و مشاہدے سے ہے۔ لہٰذا ترک حظ و لذت بندے کا فعل ہے اور فنائے حظ و لذت، حق تعالیٰ کا فعل ہے لہٰذا بندے کے فعل کو رسم و مجاز اور حق کے فعل کو حقیقت کہا جائے گا۔ اس قول سے وہ پہلا قول جو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے خوب واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''صوفیائے کرام کا گروہ وہ ہے، جن کی زندگی کدورت بشری سے آزاد اور آفتِ نفسانیہ سے پاک و صاف ہو کر آرزو اور تمناؤں سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔'' یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجے اور صفِ اول میں آرام گستر ہیں اور ماسوائے اللہ کے سب سے قطعاً کنارہ کش ہو چکے ہیں۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے ''جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو۔'' یہ عبارت عین فنا کی ہے کہ فانی الصفت نہ مالک ہوتا ہے نہ مملوک۔ کیونکہ صحت ملک موجودات پر درست آتی ہے۔ اس قول شریف کا مطلب یہ ہے کہ صوفی دنیاوی ساز و ساماں اور اخروی زیب و زینت میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ خود بھی تو کسی کی ملکیت میں ہے۔ وہ اپنے نفس کے حکم کا پابند نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ غیر کی خواہش و ارادہ کے غلبہ سے وہ خود کو گھلا چکا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ غیر کو بھی بندگی کی طمع سے فنا کر چکا ہوتا ہے یہ قول مبارک دقیق و لطیف ہے اس منزل کو گروہ صوفیا ''فنائے کل'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس پر کسی اگلی نشست میں تفصیل سے بات کریں گے۔

حضرت ابوعمرو دمشقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جہان کو نقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نہیں بلکہ دنیا سے منہ پھیر لینے کا نام تصوف ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ جہان کو عیب و نقص سے بھرپور دیکھو کیونکہ یہ دلیل بقائے صفت کی ہے بلکہ جہان سے آنکھوں کو بند کر لو کیونکہ یہ دلیل فنائے صفت کی ہے اس لیے کہ جب کائنات پر نظر ہو گی تو حدِ نظر کے بعد نظر کی منزل بھی ختم ہو جائے گی۔ اور دنیا سے آنکھیں بند کر لینے میں ربانی بصیرت کی بقا ہے یعنی جو شخص اپنے سے نابینا ہو گا وہ حق کو دیکھ سکے گا۔ کیونکہ ہستی کا طالب بھی طالب ہی ہوتا ہے اور اس کا کام اس سے اسی کی طرف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی ہستی سے باہر نکلنے کی اسے کوئی راہ نہیں ملتی۔ الغرض ایک وہ ہوتا ہے جو خود کو تو دیکھتا ہے لیکن اسے ناقص نظر آتا ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جو اپنی طرف سے نظر کو بند کر لیتا ہے۔ اسے نہیں دیکھتا۔ تو وہ شخص جو خود کو دیکھ لیتا ہے اگرچہ خود میں اسے عیب نظر آتے ہیں۔ مگر یہی نظارہ ایک حجاب ہے اور جو دیکھتا ہے وہ نظر میں در پردہ رہتا ہے۔ اور جو اپنی ہستی کو دیکھتا ہی نہیں وہ نابینائی میں محجوب نہیں ہوتا۔ اہلِ معانی اور عرفا کے نزدیک یہ مفہوم و مراد، اصل قوی ہے۔ مگر یہ مقام اس کی شرح کا نہیں ہے۔

Marfat.com

سوال: پروفیسر صاحب گناہوں سے بچنے کی کوشش تو ہم کرتے ہیں لیکن اس کے نتائج عموماً ہمارے حق میں نہیں ہوتے؟ یہ ایمان کی کمزوری ہے یا ہماری بدنیتی؟

جواب: مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے میرے پیارے سالکین اللہ کے راستہ میں گناہ چھوڑنے میں، تقویٰ سے رہنے میں، حسینوں سے نظر بچانے میں، خون تمنا کرنے میں، ہر وقت جائز ناجائز کا غم اٹھانے میں بے شک آدھی جان جاتی ہے، اس مجاہدہ میں اللہ تمہاری زیادہ سے زیادہ آدھی جان لے گا اور اس سے جو غم حسرت پیدا ہوگا تو نفس کہے گا کہ میں تو نظر بچاتے بچاتے مرگیا لیکن یاد رکھیں اللہ اس آدھی جان کے بدلے میں سو جان عطا فرمائے گا۔ ایک گُل کے بدلے میں وہ خالق گُلستانِ کائنات اپنے قُرب کا گُلستان دیتا ہے آدھی جان لے کر سو جان دیتا ہے اور اپنے قُرب کی ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا جس کو تم اپنے دائرہ وہم وگمان میں بھی نہیں لا سکتے۔ جو ایک زخم حسرت کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو عطا فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے اور آدمی وہی سوچ سکتا ہے جس کا کوئی مثل ہو۔ جب اس کا کوئی مثل نہیں تو کوئی اس لذت قُرب اور حلاوت ایمانی کو اپنے دائرہ وہم وگمان اور دائرہ عقل وفکر میں نہیں لا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ عطا نہ فرمائیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْہُ اور اللہ رحمٰن ورحیم ہے۔ اگر آپ کے راستہ میں کوئی غم اٹھائے تو کیا آپ اس پر مہربانی نہیں کریں گے؟ اللہ کے راستہ میں جو بندے غم اٹھائیں اور اپنی بری خواہش نہ پوری کریں تو کیا اللہ تعالیٰ ان کے قلب کا پیار نہیں لے گا؟ یقیناً اللہ کا پیار اس کو نصیب ہوگا مگر اللہ دل کا پیار لیتا ہے جسم پر اس کے آثار نظر نہیں آتے اگر یہ جسم پر نظر آ جاتے تو پرچہ آؤٹ ہو جاتا اور پھر دنیا میں کوئی کافر نہ رہتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کے قلب کو اپنا پیار عطا کرتے ہیں جس کو ان کا دل محسوس کرتا ہے کہ اس وقت کتنی حلاوت ایمانی عطا ہوئی۔

سوال: پروفیسر صاحب یہ مجاہدہ تو بڑی تکلیف دہ ریاضت ہے جب کہ بندہ سہولت چاہتا ہے خاص طور پر آج کل کا انسان؟

جواب: مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔ اللہ کے راستہ میں تقویٰ اختیار کرنے میں یعنی گناہ چھوڑنے کا غم اٹھانے میں اپنی حرام آرزوؤں کا خون کرنے میں اگرچہ مجاہدہ شدید ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ولایت اور حلاوت ایمانی اسی پر موقوف ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی رات بھر تہجد پڑھے اور دن بھر روزہ رکھے اور ہر سال حج وعمرہ کرے لیکن اگر عورتوں سے اور لڑکوں سے نظر نہیں بچاتا، گناہوں سے نہیں بچتا تو باوجود عبادت کے یہ شخص فاسق ہی رہے گا، فاسقین کے رجسٹر سے اس کا خروج نہیں ہوگا اور ایک شخص صرف فرض واجب اور سنت موکدہ ادا کرتا ہے مگر ایک لمحہ اللہ کو ناراض نہیں کرتا، ایک سانس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے کو مشغول نہیں ہونے دیتا، جان کی بازی لگائے رہتا ہے، نفس دشمن کو للکارتا رہتا ہے کہ اگر گناہ چھوڑنے سے میری جان بھی چلی جائے گی تو میں موت کو قبول کرلوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کروں گا، یہ شخص ولی اللہ ہے اور جو شخص جیتے جی گناہ چھوڑنے کو

Marfat.com

تیار نہیں لیکن ایک دن مرنے کے بعد یہی خبیث سب گناہ چھوڑے گا لیکن اب اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ اب یہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ بتاؤ مرنے کے بعد کوئی جنازہ کسی عورت کو یا لڑکے کو دیکھ سکتا ہے؟ اگر کوئی وصیت بھی کردے کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے مسجد میں یا کعبہ شریف میں رکھ دینا اب میں تا قیامت اللہ پر فدا رہوں گا تو بتایئے اس وصیت سے اس کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ زندگی بھر تو نافرمانی نہ چھوڑی، بدنظری اور گندے کام کرتے رہے جب لاشئی ہو گئے تو اب کیا فدا کرو گے۔ لاش کے معنی ہیں لاشئی، اب تم ہو ہی نہیں، عدم ہو۔ وجود فدا ہوتا ہے عدم نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ زندگی ان پر فدا کردو، مردہ جسم ان پر فدا نہیں ہوسکتا اور کوئی وصیت بھی کر دے تو مرے ہوئے جسم کو اللہ قبول نہیں کریں گے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ جیتے جی اللہ پر فدا ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ زندگی ان پر فدا کردو لہٰذا جتنی اچھی طاقت ہوا تنا ہی زیادہ اجر وثوب ملے گا اور خاص طور پر جوانی کو فدا کرنے پر اللہ زیادہ خوش ہو جائے گا کہ یہ جوانی اور طاقت کے باوجود ہم پر فدا ہوا ہے۔ ایک کمزور بڈھا بکرا ہو جس کے پیر کانپ رہے ہوں تو بتاؤ اس کی قربانی کیسی ہوگی پوچھ لو علما سے۔ جس کی جتنی طاقت ہے اللہ پر فدا ہو جائے ورنہ زیادہ کمزور ہو جاؤ گے تو تمہاری قربانی بھی کمزور ہو جائے گی۔ اور روز بروز ہم لوگ کمزوری کی طرف جارہے ہیں، روز بروز ہم بڈھے ہوتے جارہے ہیں لہٰذا کمزور جان فدا کرنے کا انتظار مت کرو تنگڑی جان اللہ پر دے دو جس حالت میں ہو دیر نہ کرو اور اس میں خواہ کتنا ہی غم ہو اس کو برداشت کرو۔ اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اس مجاہدہ میں اللہ آدھی جان لیتا ہے لیکن اس کے بدلہ میں وہ کریم مالک سیکڑوں جان عطا کرتا ہے، اپنے قُرب کی ایسی لذت عطا کرتا ہے جس کو ابھی تم سوچ بھی نہیں سکتے۔

Marfat.com

پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی

سے

ملاقات اور فون پر رابطہ کب اور کیسے؟

☆ پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی صاحب جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ سے رات بارہ بجے تک اپنی رہائش گاہ بمقام 234 پاک بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں ملاقاتیوں سے ملتے ہیں۔

☆ مرد حضرات باقی ایام (اتوار کے بغیر) ان کے دفتر میں بھی ملاقات کر سکتے ہیں۔

☆ کیونکہ پروفیسر صاحب سے بے شمار لوگ دن رات ملتے ہیں اس لیے دورانِ ملاقات ان کے نمبر بند رہتے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے شہروں سے فون کرنے والوں کو دقت کا سامنہ کرنا پڑتا ہے لہٰذا ان سے درخواست ہے کہ وہ ان کے نمبر پر message کر دیں۔

☆ پروفیسر صاحب فارغ ہونے پر ان سے رابطہ کر لیں گے۔

☆ پروفیسر صاحب کی تمام تصانیف براہِ راست ''ادارہ ترقیاتِ روحانیات'' ان کی رہائش گاہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

☆ دوسرے شہروں والے بذریعہ ڈاک یا message کر کے منگوا سکتے ہیں۔

فون نمبرز: 0300-4352956
0333-9999156
ای میل: info@noorekhuda.org
help@noorekhuda.com

ہماری ویب سائٹ www.noorekhuda.org پر جا کر پروفیسر صاحب کے وضائف اور لیکچرز سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com